تحریک آزادیٔ ہند کے موضوع پر مختلف علما و اکابرین کی تقاریر کا مجموعہ
المسمّٰی بہ
خطباتِ آزادیٔ وطن
مرتب
مولانا محمد ابراہیم بن محمد ادیا، مانگرولی گجراتی
خادم جامعہ ریاض الصالحین، مانگرول
دوم

تحریک آزادی ہند کے موضوع پر مختلف علماء واکابرین کی تقاریر کا مجموعہ

المسمّٰی بہ

خطباتِ آزادیٔ وطن

جلد دوم

مرتب

مولانا محمد ابراہیم بن محمد اُدیا، مانگرولی، گجراتی

خادم جامعہ ریاض الصالحین مانگرول

(The Garden of Pious People)

ناشر

جامعہ ریاض الصالحین مانگرول

(THE GARDEN OF PIOUS PEOPLE)

بائی پاس روڈ، ٹیلی فون ٹاور کے سامنے، اُدیاباغ

ضلع: جوناگڈھ، گجرات، پن: ۳۶۲۲۲۵

ملنے کا پتہ

ریحان کتاب گھر مانگرول، اُدیا باغ

Mo. 9824202182

نام کتاب : خطباتِ آزادی وطن جلد دوم

مرتب : مولانا محمد ابراہیم بن محمد اُدیا، مانگرولی، گجراتی
استاذ حدیث وفقہ دار العلوم حسینیہ مانگرول، ضلع جونا گڈھ

کمپیوٹر کتابت : نصیر الدین موجپوری (خادم دار العلوم بھروچ کنتھاریہ)

سیٹنگ : حسن احمد پالن پوری فاضل دار العلوم دیوبند
09997658227

اشاعت : ربیع الاول ۱۴۳۶ھ مطابق جنوری ۲۰۱۵ء

باہتمام : قاری مجتبیٰ امین پالن پوری

ناشر : الامین کتابستان، دیوبند

مطبوعہ : ایچ۔ایس۔آفسیٹ پرنٹرس، دریاگنج نئی دہلی

ملنے کے پتے

الامین کتابستان دیوبند
AL- AMEEN KITABISTAN
Madani Market
Deoband 247554
(U.P.) India
Ph01336221212M09412680528

جامعہ ریاض الصالحین مانگرول
بائی پاس روڈ، ٹیلی فون ٹاور کے سامنے،
ادیاباغ، ضلع: جوناگڈھ، گجرات
پن ۳۶۲۲۲۵

ریحان کتاب گھر
09824202182
مانگرول، اُدیاباغ، ضلع: جوناگڈھ گجرات

فہرست مضامین

جنگ آزادی اور مسلمان علماء کا کردار

خطیب: مولانا ذوالقرنین قاسمی صاحب

اَمَّا بَعْدُ! فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم. وشر الامور محدثاتھا وکل بدعة ضلالة او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم.

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ . بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰهَ. عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ﴾ وَ قَالَ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْعُلَمَآءُ اُمَنَآءُ الرُّسُلِ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَالَمْ يُخَالِطُوا السَّلَاطِيْنَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ فَقَدْ خَانُوا الرُّسُلَ فَاحْذَرُوْهُمْ وَاعْتَزِلُوْهُمْ.

اڑائے کچھ ورق لالہ نے کچھ بلبل نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

جب پڑا وقت گلستاں پہ تو خوں ہم نے دیا
جب بہار آئی تو کہتے ہیں کہ تیرا کام نہیں

انسانیت کے نام کو کبھی رسوا نہیں کیا ❁ ہم نے کبھی ضمیر کا سودا نہیں کیا
خون جگر سے ہم نے بھی سینچا ہے گلستاں ❁ یہ اور بات ہم نے کبھی تماشا نہیں کیا
زہے وہ دل ہے جو ہے آئینہ دار آزادی ❁ خوشا وہ سر کہ ہے جس میں خمار آزادی

خزاں ہوئی چمن ملک ہند سے رخصت ❁ ہزار شکر کہ آئی بہار آزادی

محترم حضرات و سامعین کرام! آج میں ان یاران باصفا شہیدان عشق و وفا، وارثان بلال اور سرخیل آزادی کے تذکرے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جن کا قلب وجگر اسلام کی عظمت سے معمور تھا جن کے چہرے پر عزم واستقلال کی کرنیں جلوہ فگن تھیں جن کا دل جذبہ جہاد سے سرشار تھا، جنہوں نے اپنی زندگی اسلام کی سربلندی اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے وقف کردی جن کی ایک تاریخ ہے جن کی ایک داستان ہے جنہوں نے ہر دور میں اسلام کی آبیاری کی اور چمنستان اسلام کی طرف بڑھنے والی ہر بادسموم کی راہ میں دیوار آہنی بن کر حائل ہو گئے ہیں:

پتہ پتہ بوٹہ بوٹہ حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

ہندوستان جیسے براعظم پر انگریزی قوم نے ۱۶۰۰ء کی ابتداء سے تعلق پیدا کیا اور عرصہ دراز تک تجارتی اشتغال رکھتے ہوئے رفتہ رفتہ گھن کی طرح سیاسیات اور ہندوستان کی زندگی اور اس کی جملہ ضروریات اور محاصل میں مداخلت کی یہاں تک کہ ۱۷۷۵ء سے ملک گیری شروع کردی، ۱۸۳۲ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان کو ہر حیثیت سے ادھمرا کر کے باقاعدہ اپنی حکومت کی طرف سے ہندوستان کی حاکم بن گئی اور ۱۸۵۸ء سے برٹش گورنمنٹ نے ایک نہایت زرتش اور خوبصورت اعلان کے ساتھ بادشاہت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی، اتنے کم وقت میں موضوع کی تفصیل تو دشوار ہے اس لئے موضوع کے مناسب چند ضروری باتوں کو الگ الگ عنوان کے تحت اختصار کے ساتھ بیان کر رہا ہوں، شاید کچھ معلومات میں اضافہ ہو۔

ایسٹ انڈیا کمپنی

ایسٹ انڈیا کمپنی کے لفظی معنی ہیں مشرقی انڈین دستہ اس سے مراد برطانیہ کا وہ

انگریزی دستہ ہے جو (بظاہر) تجارت کرنے کے ارادہ سے برطانیہ سے چل کر مشرقی ہندوستان میں آیا، ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد ۱۶۰۰ء میں پڑی اور بعہد جہانگیر ابن اکبر (م ۱۶۲۷ء) ۱۱ر جنوری ۱۶۱۳ء کو ہندوستان میں قائم ہوئی سورت، احمد آباد میں تجارتی مرکز بنانے کی اجازت لے کر بتدریج اپنی دراز دستیوں سے حکومت قائم کر لی، ۱۸۴۷ء تک کمپنی حکمراں تھی پھر انگریزی سرکار نے ایک بورڈ آف کنٹرول بنا کر انتظام حکومت میں شامل ہوگئی۔

سلطنت مغلیہ کا آخری دور حکومت

سلطنت مغلیہ کا بانی ظہیر الدین محمد بابر (م ۱۵۳۰ء) ہے، مغلیہ خاندان نے کم وبیش ساڑھے تین سو سال تک ہندوستان پر حکومت کی، شاہان مغلیہ کی کل تعداد سولہ ہے سلطنت مغلیہ کا بارہواں بادشاہ شاہ احمد شاہ ابن محمد شاہ (م ۱۷۵۴ء) کے زمانہ میں انگریزی اقتدار شروع ہوا، تیرہواں بادشاہ عالمگیر ثانی (م ۱۷۵۹ء) کے دور میں احمد شاہ ابدالی کا تیسرا حملہ ہوا، چودھواں بادشاہ شاہ عالم شاہ ثانی (م ۱۸۰۶ء) نے انگریزوں کو حکومت کے اختیار دے دیئے، پندرہواں بادشاہ معین الدین اکبر (م ۱۸۳۷ء) کو انگریزوں نے سالانہ ایک لاکھ وظیفہ دیکر قبضہ کر لیا اور سلطنت مغلیہ کا سولہواں اور آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر ہے یہ ۱۸۳۷ء سے ۱۸۵۷ء تک تخت نشین رہے، ۱۸۵۷ء انگریزوں نے بہادر شاہ ظفر کو قید کر کے رنگون بھیج دیا جہاں ۱۸۶۲ء میں انہوں نے ۹۹ ربرس کی عمر میں وفات پائی ان کا مدفن رنگون ہے اس طرح سے مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد انگریزوں نے اپنی حکومت باضابطہ قائم کر لی۔

سرخیل آزادی شاہ عبدالعزیز اور علماء کرام

محترم حضرات! جب ہندوستان کی مقدس سرزمین پر انگریزوں کا ناپاک سایہ پڑا

اور وہ اپنی شاطرانہ عیارانہ چالوں سے یہاں کے مالک بن بیٹھے جب باشندگان ہند پر طرح طرح کے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جانے لگے جب ہندوستانیوں کو غلام بنایا جانے لگا جب ہندوستانیوں کا خون ان کے پسینہ سے بھی ارزاں ہونے لگا تو ایسے نازک وقت میں سب سے پہلے جس شخص نے علم بغاوت بلند کیا وہ محدث کبیر، امام جلیل، رئیس الاولیاء، فخر وطن، محرم فن، نازش وطن شاہ عبدالعزیز ابن ولی اللہ محدث دہلوی ہیں یہ وہی مرد مجاہد درویش خدا ہے جس نے وقت سے بہت پہلے مسلمانوں کے لئے نصب العین کا اعلان فرمایا تھا جہاں تک پہنچنے کے لئے دوسروں کو ابھی برسہا برس انتظار کرنا تھا، شاہ عبدالعزیز کا فتوی کیا تھا گویا ایک برق بے اماں تھا جو دشمنوں کے نخل تمنا پر گر پڑی، انگریزوں کی نیندیں حرام ہوگئیں، جگہ جگہ آزادی کے شعلے بھڑکنے لگے، جگہ جگہ آزادی کے پرچم لہرانے لگے، سینوں میں ولولے مچلنے لگے اور حوصلوں نے انگڑائیاں لینی شروع کردیں، واقعہ ہے کہ اگر شاہ عبدالعزیز فتوی نہ دیتے تو جنگ آزادی میں علماء حصہ نہ لیتے اور اگر جنگ آزادی میں علماء حصہ نہ لیتے تو یہ ہندوستان کبھی بھی آزاد نہ ہوتا اگر یہ سرخیل آزادی نہ ہوتے تو تحریک آزادی نہ چلتی، تحریک بالاکوٹ نہ چلتی، تحریک ریشمی رومال نہ چلتی، تحریک خلافت نہ چلتی، ہندوستان چھوڑو تحریک نہ چلتی، مقدمہ وہابیان نہ چلتا، انبالہ سازش کیس نہ بنتا الغرض علماء کرام ہی نے اپنے خون جگر سے عروس آزادی کی حنا بندی کی ہے اور اپنے مقدس لہو سے شجر آزادی کو سینچا اور پروان چڑھایا ہے، سچ ہے:

جب گلستاں کو خوں کی ضرورت پڑی ❁ سب سے پہلے ہماری ہی گردن کٹی
پھر بھی کہتے ہیں آج اہل چمن ❁ یہ چمن ہے ہمارا تمہارا نہیں

تحریک حریت ۱۸۵۷ء اور علماء ہند کے سرفروشانہ کارنامے

میرے محترم! تحریک بالاکوٹ ۱۸۳۱ء کے بعد ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت

بہت زیادہ مستحکم ہورہی تھی چنانچہ علماء نے کئی میٹینگیں کیں، ۱۸۵۶ء کی ایک میٹنگ میں پورے ہندوستان کے بڑے بڑے علماء شریک ہوئے مولانا جعفر تھانیسری مولانا ولایت علی، مولانا حاجی امداداللہ مہاجر مکی، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، حافظ ضامن شہید رحمہم اللہ تعالیٰ یہ سارے لوگ اس میٹنگ میں شریک تھے، مولانا قاسم نانوتویؒ نے فرمایا کہ تمہیں یہ پتا نہیں کہ انگریز ہمارے سر پر کھڑا ہے، انگریز نے پورے ہندوستان پر اپنی حکومت کا جال پھیلا دیا ہے فیصلہ کن لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ، یا کٹ جائیں گے یا انگریز کا مقابلہ کریں گے، انگریز کو یہاں رہنے نہیں دیں گے، ایک آدمی نے اُٹھ کر کہا حضرت ہماری تعداد تو بہت تھوڑی ہے اور وسائل بھی بہت کم ہیں حضرت نے اس کے جواب میں تاریخی بات فرمائی کہ کیا ہماری تعداد غازیان بدر سے بھی کم ہے؟ یہ بات کہنے کی دیر تھی کہ لوگوں میں جذبہ پیدا ہو گیا اور اسی وقت جنگ آزادی کا فیصلہ کر لیا گیا، چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں دو محاذ بنائے گئے ایک محاذ انبالہ پر جس کی قیادت مولانا جعفر تھانیسریؒ کے پاس تھی، دوسرا محاذ شاملی جس کی قیادت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے پاس تھی، اس جنگ میں بڑے بڑے علماء شہید اور زخمی ہوئے، اسی جنگ میں مولانا نانوتویؒ زخمی ہوئے اسی جنگ میں حضرت گنگوہیؒ زخمی ہوئے اسی جنگ میں حافظ ضامنؒ شہید ہوئے، اس ۱۸۵۷ء کی جنگ میں دو لاکھ مسلمان شہید ہوئے، جن میں ساڑھے اکیاون ہزار علماء تھے صرف دہلی میں پانچ سو علماء کو پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا گیا، یہ ہندوستان کی سب سے بڑی لڑائی تھی جو انگریزوں کے خلاف فیصلہ کن انداز میں لڑی گئی، بہر حال جب اس جنگ میں وسائل کی قلت اور اپنوں کی غداری کی وجہ سے فرنگیوں کا غلبہ ہوا تو وائسرائے برطانیہ نے اپنے ہندوستانی مشیروں سے رائے طلب کی کہ بتاؤ، ہندوستان میں تمہاری حکومت کس طرح قائم رہ سکتی ہے تو ہندوستان میں رہنے والے سب سے بڑے سیاست داں ڈاکٹر ولیم نے جو رپورٹ پیش کی اس میں لکھا ہے، ہندوستان میں سب سے زیادہ بیدار مسلمان ہیں اور جنگ

آزادی صرف مسلمانوں نے لڑی ہے، مسلمانوں میں جب تک جذبۂ جہاد موجود ہے اس وقت تک ہم لوگ ان پر حکومت نہیں کر سکتے اس لئے جہاد کو ختم کرنا ضروری ہے اور جذبۂ جہاد ختم کرنے سے پہلے ایک اور چیز کو ختم کرنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے ہندوستان سے علماء اور قرآن کو ختم کیا جائے، چنانچہ ۱۸۶۱ء میں تین لاکھ قرآن کریم کے نسخے بدبخت انگریزوں نے جلائے اور اس کے بعد علماء کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا ایک مشہور مورخ انگریز اپنی یادداشت میں لکھتا ہے کہ ۱۸۶۴ء سے لے کر ۱۸۶۷ء تک انگریزوں نے علماء کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ تین سال ہندوستان کی تاریخ کے بڑے المناک سال ہیں ان تین سالوں میں انگریزوں نے چودہ ہزار علماء کو تختہ دار پر لٹکا دیا۔

تحریک ریشمی رومال

حضرت نانوتویؒ کے شاگرد رشید حضرت شیخ الہندؒ نے دیوبند سے ایک تحریک شروع کی تھی یہ تحریک معرکۂ بالاکوٹ اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد سب سے بڑی تحریک تھی اسی کو ریشمی رومال تحریک کا نام دیا گیا تھا، کیونکہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ افغانستان اور ترکی کی مدد سے ہندوستان میں فوجی انقلاب لانا چاہتے تھے انہوں نے ایک ریشمی رومال میں ہندوستان کا نقشہ اور افغانستان کے راستے سے ہندوستان میں داخل ہونے کی راہوں کو نقش ونگار کی شکل میں افغان بادشاہ کو سمجھایا تھا مگر یہ رومال ان کے ایک خادم خاص کی جاسوسی کی بدولت پکڑا گیا، جس کی وجہ سے انگریزوں نے حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مدنیؒ اور مولانا عزیز گلؒ وغیرہ کو گرفتار کر کے مالٹا (کالا پانی) میں قید کر دیا، حضرت شیخ الہندؒ اپنے رفقاء کے ساتھ مالٹا میں چار سال نظر بند رہے، شروع میں اس قید خانہ میں حضرت شیخ الہند کو کال کوٹھری میں بند کیا گیا، جہاں چاروں طرف لوہے کی سلاخیں اس طرح لگی ہوئی تھیں جس کے اندر آدمی کے لئے کھڑا ہونا بھی مشکل ہوتا تھا اور اِدھر اُدھر سہارا لینے سے وہ سلاخیں چبھتی تھیں اور جسم کو زخمی کر دیتی

تھیں انہیں کے شاگرد مولانا عبیداللہ سندھی جو حضرت شیخ الہندؒ کے بعد ریشمی رومال تحریک کے سب سے بڑے لیڈر تھے تحریک ریشمی رومال کے سلسلے میں حضرت شیخ الہندؒ نے انہیں افغانستان روانہ کیا تھا تا کہ یہاں کی جو شکل تھی تو انگریزوں کے خلاف حملہ کریں۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اس کے علاوہ دوسری تحریکیں بھی چلائیں جن کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے۔

جنگ آزادی ۱۹۴۷ء میں علماء کا خصوصی کردار

محترم حضرات! ہندوستان جس کی حریت کے باغ کو علماء نے اپنے خون جگر سے سینچا تھا اور اس کی آزادی کی خاطر جو آشتائے ساحل میں کود پڑے تھے اور موجوں سے کھیلتے ہوئے منجدھار تک جا پہنچے تھے بے پناہ قربانیوں کے ذریعہ اس کو پروان چڑھایا تھا بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج ان کی جدوجہد اور کدوکاوش کو بھلا دیا گیا ہے کالجوں اور یونیورسٹیوں کی نصاب کی کتابوں میں ایک دو کے علاوہ کسی کا تذکرہ تک نہیں علماء کے نام کو ایسا بے نشان کر دیا گیا ہے گویا جنگ آزادی میں ان کا کوئی وجود ہی نہیں تھا ان احسان فراموشوں سے کوئی پوچھے کہ کراچی کی عظیم الشان کانفرنس میں سنگینوں اور توپوں کے سامنے کس نے سینہ سپر ہو کر انگریزی حکومت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا تھا وہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی ذات گرامی ہی تو تھی جنہوں نے بھرے عدالت انگریز جج کے یہ دریافت کرنے پر کہ تم نے فتویٰ دیا ہے کہ انگریزی فوج میں بھرتی ہونا حرام ہے؟ حضرت مدنیؒ نے کہا فتویٰ دیا گیا ہے آج بھی میرا یہی فتویٰ ہے کہ انگریزی فوج میں بھرتی ہونا حرام ہے جب یہ فتویٰ دہرایا تو مولانا محمد علی جوہر نے مولانا حسین احمد مدنیؒ کے پاؤں پکڑ لئے اور کہا حسین احمد خدا کے لئے بیان بدل دو اس لئے کہ انہیں یہ خدشہ ہوا کہ کہیں بدبخت انگریز ان کے ساتھ زیادتی نہ کر بیٹھے حضرت مدنیؒ نے کہا کہ جوہر اگر میں نے آج بیان بدل دیا تو خدا کی قسم ایمان

بدل جائے گا، اس لئے آج یہ بیان نہیں بدلا جا سکتا، وہ مولانا ابوالکلام آزاد ہی تو تھے جنہیں انگریزوں نے احمد نگر کے قلعے میں محبوس کر دیا تھا اسی دوران جب انگریزوں نے بیوی کے انتقال پر آپ کو تین دن کی رہائی کا حکم دیا تو امام الہندؒ نے انگریز کی رہائی کو ٹھکرا دیا اور حقارت کے ساتھ کہہ دیا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے قیامت کے دن بیوی سے ملاقات ہو جائے گی، اسی طرح علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی تحریک آزادی میں زبردست رول ادا کیا، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا محمد میاں صاحبؒ، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ یہ تمام حضرات علماء دیوبند کے ہراول دستہ میں تھے، علماء دیوبند اور جمعیت علماء ہند نے کانگریس کے شانہ بشانہ آزادی کی لڑائی لڑی ہے، جیل کی صعوبتیں برداشت کی ہیں، عذاب وایذاء کے مزے چکھے ہیں اگر کہا جائے کہ مہاتما گاندھی، جواہر لال نہرو اور دوسرے اہم قومی لیڈروں کو ہیرو بنانے والے ہمارے علماء ہی تھے تو مبالغہ نہ ہوگا، بلکہ ہفت روزہ الجمعیۃ (اگست ۱۹۹۷ء) میں مفتی عمیر قاسمی نے لکھا ہے کہ ''موجودہ ہندوستان کے بابائے قوم گاندھی جی جن کے قد آور بت ہندوستان کے چپہ چپہ پر نصب ہیں ان کو گاندھی سے مہاتما گاندھی بنانے والا بھی ہندوستان کا ایک مشہور وعظیم عالم ہے جس کو دنیا حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے نام سے جانتی ہے''، ان کے علاوہ مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خان، مولانا شاہ عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا محمد علی مونگیری، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا شوکت علی رامپوری، مولانا سید نصیر الدین، مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی، مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا عبدالقادر لدھیانوی، مولانا احمد اللہ عظیم آبادی، مولانا فاخر الہ آبادی، مسیح الملک حکیم اجمل خاں، مولانا عبدالحق مدنی، مولانا سید فخر الدین، مولانا بشیر احمد بھٹہ، مفتی کفایت اللہ مفتی اعظم ہند، سحبان الہند مولانا سعید احمد دہلوی، ابوالمحاسن مولانا سجاد بہاری، مولانا شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، مولانا حسرت موہانی، ڈاکٹر مختار انصاری، سیف الدین کچلو اور سیکڑوں

دیگر ان جیسے اہم لیڈران، مسلم رہنما اور علماء اسلام کی قربانیوں کو اگر اہل ہند یاد کرلیں تو آج مسلمانوں کو غدار وطن اور ان کو غیر ملکی کہنے والے وطن دشمن فرقہ پرست شرم سے اپنا سر جھکالیں، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ علماء و مسلم قائدین کا یہ قافلہ عام ہندوستانی کے پُر پیچ اور بھیانک جنگل میں آزادی کی شاہراہ بنانے کی غرض سے سرگرم سفر نہ ہوتا تو یہ تنگ نظر، احسان فراموش جو ہم سے وفاداری کی سند مانگتے ہیں کبھی ملک کو آزاد نہیں کراسکتے تھے، خلاصہ یہ ہے کہ آزادی ہند کا ہر ورق علماء و مسلمانوں کی بے پناہ قربانیوں اور مسلسل جدوجہد کے نقوش سے بھرا ہوا ہے، جس کے بغیر تاریخ کا ہر صفحہ ادھورا اور اس کا ہر باب نامکمل اور ہر عنوان پھیکا ہے:

انہیں کے جہد مسلسل کا ہے یہ سب ثمرہ ❁ کہیں نہ کیوں انہیں پروردگار آزادی
اٹھائی ہجر کی سختی جنہوں نے بہر وطن ❁ مبارک ان کو ہو وصل نگار آزادی

آزادی کا ثمرہ مسلمانوں کو کیا ملا

محترم دوستو! جس گلستاں کے حصول کے لئے مسلمانوں نے خار گلشن کو چنا تھا وہ ان کے لئے مقتل کی شکل میں تیار کھڑا ہے افسوس کہ جس دھرتی کے لئے مسلمانوں نے اپنا خون بہایا ہے اسی دھرتی میں آج وہ ظلم وستم اور جور و جفا کے تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں ان پر عرصۂ حیات کو تنگ کیا جارہا ہے اور وہ پاکستان جانے کی بیہودہ باتیں کررہے ہیں، ہر لمحہ جان و مال اور عزت و آبرو پر فتنے اور خطرے کا مہیب سایہ ہر وقت تیار رہتا ہے جس کو دیکھ کر مسلمان دل برداشت ہوچکے ہیں اس حکومت کا رویہ اس قدر معاندانہ اور جانبدارانہ ہے کہ زندگی کا ہر پل سوسال معلوم ہورہا ہے، جدھر دیکھئے بے قصور مسلمانوں کے خون اور بے کس و بے بس مسلمانوں کے آنسوؤں کا سیلاب امنڈ رہا ہے، آزادی کے بعد سینکڑوں شہر برباد کردئے گئے، ہزاروں بستیاں تباہ کردی گئیں، لاکھوں گھر جلا دئے گئے، کتنی ہی عورتوں کی عزت و آبرو کی دھجیاں بکھر گئیں، لاکھوں

مسلمانوں کو موت کے منھ میں ڈال دیا گیا، ہزاروں مسجدیں زمین بوس کردی گئیں اور سیکڑوں مقابر پر ناجائز قبضے کرلئے گئے ہائے افسوس!

کتنی بربادی مقدر میں تھی آبادی کے بعد
کیا بتائیں ہم پر کیا گذری ہے آزادی کے بعد

میرے محترم دوستو! یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ اس شجر آزادی کا پھل اور ثمرہ ہمارے حق میں بہت ہی زیادہ تلخ ثابت ہوا جس کی تلخی آج تک ختم نہیں ہوسکی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں ختم نہیں ہوسکے گی لیکن ہمیں بھی کوئی غم نہیں، ہمیں بھی کوئی ملال نہیں، ہمیں بھی کوئی افسوس نہیں اگر یہ ظالم حکومت اپنے ظلم وستم سے باز نہ آئی اور ہمارے حقوق کو یوں ہی پامال کرتی رہی تو اسے بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہم انہیں شیران اسلام اور سرفروشان خیر الانام کے فرزند ہیں جنہوں نے ہندوستان کی تاریخ بدل ڈالی تھی انشاءاللہ ایک بار ہم بھی بدل کر دم لیں گے:

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازو قاتل میں ہے

محترم حضرات! روداد ماضی کی یہ معمولی سی جھلک تھی جس کی منظر کشی گذشتہ صفحات میں کی گئی ہے ورنہ یہ تو داستان خونچکاں اور قصہ جانکاہ ہے جو بزبان حال کہہ رہی ہے:

ابھی اور مجھے اذن خون فشانی دے
تیرا جمال بہت تشنہ بیاں ہے ابھی

(آمین) وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین.

جشن آزادی

خطیب: مولانا ذوالقرنین قاسمی صاحب

اَمَّابَعْدُ! فان خیر الحدیث کتاب الله وخیر الهدی هدی محمد صلی الله علیه وسلم. وشر الامور محدثاتها وکل بدعة ضلالة او کما قال علیه الصلوٰة والسلام.

اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَایَضُرُّکُمْ کَیْدُهُمْ شَیْئًا﴾ (ال عمران)

وَقَالَ تَعَالٰی ﴿وَمَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ﴾ (الشوری)

ہم نے ہی عطا کی تھی گل و لالہ کو نکہت
تکمیل بہاراں بخدا ہم سے ہوئی ہے

ہم نے ہی تو سینچا تھا کبھی خون سے گلشن
کیوں باد سحر آج خفا ہم سے ہوئی ہے

جب بھی اُٹھے موج صبا بن کے اٹھے ہیں
پر کیف زمانے میں فضا ہم سے ہوئی ہے

برادران ملت! عزیزانِ وطن! بزرگو اور دوستو! آج پندرہ اگست ہے یہی وہ تاریخ ہے جس میں ہمارا ملک دولت آزادی سے مالا مال ہوا، یہی وہ تاریخ ہے جس میں اس دھرتی کو اپنے گلے میں آزادی کا پر افتخار سہرا اور اس صفحۂ ہستی کو اپنے ہاتھوں میں سورج کا خوشنما و پروقار گجرا پہننے کا موقع ملا اور باشندگان ہند کو غلامی کی توہین آمیز اور ذلت

ورسوائی سے لبریز زندگی سے نجات ملی، ان کے گلوئے نازنین سے طوق محکومیت اتری اوران کے پاؤں سے بے کسی و بے بسی کے پرہول سلاسل ٹوٹے، اس لئے آج کی اس مبارک فرصت اورزریں موقع پر میں آپ حضرات کے سامنے آزادی ہند کی تاریخ کی کچھ ورق گردانی کرنا چاہتا ہوں، اس وقت ہم آزاد ہندوستان میں لمحات زندگی بسر کر رہے ہیں، مگر ہمیں دیکھنا ہوگا کہ یہ آزادی کیسے میسر ہوئی اور کتنی قربانیوں کے نتیجے میں یہ سوراج حاصل ہوا۔

محترم حضرات! یہ ایک حقیقت ہے کہ موجودہ دور میں تاریخ آزادی کو جس انداز سے پیش کیا جارہا ہے، وہ انتہائی متعصبانہ اور یک طرفہ ہے، برادران وطن نے واقعی صورت و حالات پر جہالت وتنگ نظری کے دبیز پردے ڈال دیئے ہیں خاص کر سرکاری سطح پر جو کام ہو رہا ہے وہاں ہمارے اکابرین، مسلم مجاہدین اور علماء کرام کی قربانیوں، سرفروشیوں، جگر کاویوں اور اس راہ میں اُٹھائی جانے والی تمام تر مشقتوں، دشواریوں کوفراموش کردیا جارہا ہے نئی نسل جس میں مسلمان بھی شامل ہیں، یہ نہیں جان پاتی ہے بے شمار مسلم عوام کے علاوہ پچاس ہزار سے زائد علماء کرام نے اس مادر گیتی کو انگریز کے زبردست ہاتھوں سے نکالنے کے لئے اپنا قیمتی لہو دیا ہے، اپنے گراں قدر خون سے اس سرزمین کو لالہ زار بنایا ہے، اپنی جدو جہد، سعی و کوشش اور جہد مسلسل ہر آن جاری رکھی ہے اس وقت میں ان کی قربانیوں کا صداقت وانصاف کے ساتھ مختصر تذکرہ کروں گا اور چلتے چلتے آپ کو یہ بھی بتانے کی جرأت کروں گا کہ اب آزادی کے بعد ہماری ان محنتوں اور جانکاہ مشقتوں کے بدلے میں ہمیں کیا چیز مل رہی ہے، ہماری ان گنت جانوں، بے شمار لاشوں کے صدقے جس ملک کی آزادی کا درخت تناور پھلدار ہوا، وہاں ہمیں کیسی کیسی اذیتیں پہنچائی جارہی، حقوق تلفی کا کس طرح ننگی کا ناچ ہورہا ہے اور آئے دن مظالم، فسادات اور مساجدو معابد کے ساتھ بدسلوکی کا کیسا ہنگامہ بپا ہے۔

تو اب آیئے ہم ہندوستان کی غلامی اور اس کی آزادی کی داستان دہراتے ہیں

تا کہ ہمیں صحیح تاریخ کے ساتھ یہ بھی اندازہ ہو سکے کہ ہم یہاں کے ذرے ذرے میں کس قدر حقدار ہیں، ۱۶۱۵ء کی بات ہے کہ جیمز اول شاہ انگلستان نے اپنا ایک سفیر سر تھامس رو کو جہانگیر کے دربار میں بھیجا، اس سے پہلے ۱۶۰۹ء میں ایک انگریز کپتان ولیم ہاکنز بھی دونوں ممالک کے درمیان تجارتی تعلقات قائم کرنے کے لئے ہندوستان آیا تھا، مگر پرتگالیوں کی مخالفت کی وجہ سے اسے ناکام واپس جانا پڑا، اس زمانے میں پرتگالیوں نے ہندوستان کی سرزمین پر اپنے قدم جمالئے تھے، گوآ اور دمن میں ان کے مضبوط قلعے تھے ان کی بحری فوج بہت طاقتور تھی، اس لئے مغل ان سے ٹکر لیتے ہوئے ڈرتے تھے، کپتان ولیم کا دورہ غیر سرکاری تھا لیکن تھامس رو انگلستان سرکار کی طرف سے باقاعدہ سفیر بن کر آیا تھا، اس لئے جہانگیر نے اس کی بہت آؤ بھگت کی، تھامس رو ہندوستان میں چار سال رہا، اس کی جہاندیدہ نگاہوں نے بھانپ لیا کہ مغلیہ حکومت آپس کے جھگڑوں میں گرفتار ہے اور اگر انگریزوں نے ہمت کی تو وہ ان سے حکومت چھین سکتے ہیں، سر تھامس رو نے جہانگیر سے اپنے ہم وطنوں کے لئے بہت سی تجارتی رعایتیں حاصل کیں اور اس نے انہی رعایتوں سے فائدہ اٹھا کر ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کی، یہ ایک واقعہ اور سچی حقیقت ہے کہ انگریز قوم، مسلمانوں کی ازلی دشمن رہی ہے، ان کا ہر ہر لمحہ اسلام دشمنی میں گزرتا ہے، ہر وقت ان کو یہ فکر رہتی ہے موقع ملے اور امت مسلمہ کو ایک دم سے نگل جائیں، چنانچہ انتہائی عیارانہ چالوں اور مکارانہ طریقوں سے اس تجارت کے مرکز ایسٹ انڈیا کمپنی کو ڈھیرے ڈھیرے اسلحہ خانہ بنادیا گیا، بم بارود، آلاتِ حرب اور جنگ میں کام آنے والے سامانوں سے بھر دیا گیا، یہاں سے سامان تجارت لے جایا جاتا اور لوگوں کو یہ یقین دہانی کرائی جاتی کہ جب تک ملک کا مسئلہ تجارت درست نہ ہوگا معاشی نظام ترقی نہیں کرے گا اس وقت تک صحیح معنوں میں باشندگانِ ہند ترقی نہیں کرسکیں گے، یہاں کے رہنے والے چین وسکون کا سانس نہیں لے سکتے، ہندی حکمرانوں نے بھروسہ سے کام لیا مگر یہی اعتماد ان کے لئے تباہ کن

ثابت ہوا جب انگریز باضابطہ مسلح ہوگیا اور اس نے اپنی فوجی طاقت ایک حد تک مہیا کرلی تو اب وہ ہندوستانی حکمرانوں کے خلاف برسرپیکار ہوگیا اور یہاں کی سرزمین پر قبضہ جمانا شروع کردیا، جگہ جگہ ان کی حکومتیں قائم ہونے لگیں، ریاستوں کی ریاستیں ان کی زیرنگیں ہوگئیں اور اس کی طاقت واقتدار کو غلبہ ملنے لگا تو سب سے پہلے اس خطرہ کو علماء کرام نے محسوس کیا اور انگریزوں کے خلاف تنظیمیں قائم کیں اور قلمی جہاد سے آگے بڑھ کر تلواروں کے جہاد سے کام لیا، چنانچہ سب سے پہلے شاہ ولی اللہ محدث دہلی نے ۱۷۳۱ء میں اپنی کوششوں کا آغاز کیا، آزادی کی جدوجہد شروع کی اور چار اصولوں (۱) خدا پرستی، (۲) انصاف، (۳) تربیت نفس، (۴) ضبط نفس پر مشتمل ایک جماعت کی تشکیل فرمائی اور اس کا نام جمعیت مرکز رکھا، دور دور تک اس کا تعارف وتذکرہ کرایا گیا، اس کی بہت سی شاخیں قائم کی گئیں، اس تحریک کی اشاعت میں ان کے خاص شاگرد مولانا محمد حسین پھلتی، مولانا نور اللہ برہانوی، مولانا محمد امین کشمیری نے بھرپور جدوجہد کی اور ملک کے کونے کونے، گوشے گوشے میں جاکر امراء غرباء عوام وخواص کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا، انہیں اپنی حیثیت سے آگاہ کرایا اور تمام تر توجہات کو دین وملت کی پاسبانی کی طرف مبذول کرائی، شاہ ولی اللہ کے وصال کے بعد اس تحریک کی تمامتر ذمہ داریوں کو آپ کے فرزندار جمند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے سنبھالا اور بحسن وخوبی انجام دیا، اس انقلابی تحریک کو قلم کاغذ بحث ومباحثہ سے نکال کر ایک سپاہیانہ لباس پہنادیا اور انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ جاری کیا، چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب کی اس آواز اور فتوئے جہاد کو سن کر سب سے پہلے حیدر علی کے صاحبزادے فتح علی ٹیپو سلطانؒ انگریزوں سے مقابلہ کے لئے میدان کارزار اور مضمار خاردار میں کود پڑے اور عظیم وسنگین جنگ چھیڑدی، دل ہلادینے والی لڑائیاں لڑیں، ہر موڑ پر آپ کو کامیابیاں ملتی رہیں، انگریزوں کو ذلیل ترین شکست دیں، انہیں بارہا زک پہنچائی، انگریز قوم دغابازی وچالبازی اور دھوکہ دینے میں مہارت رکھتی ہے، کبھی مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملا

لیتی، کبھی مسلمانوں کو بغاوت پر آمادہ کردیتی اور طرح طرح کے حربوں اور مغالطوں سے ٹیپو سلطانؒ کے ساتھ سازشیں رچاتی، مگر یہ مجاہد جان توڑ مقابلہ کرتا رہا، انگریز ان کے نام سے سہم جاتے تھے، بارہا ٹیپو سلطان نے ان کے دانت کھٹے کردیئے، حالات عجیب وغریب آئے مگر آپ کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی، مگر کیا کیجئے جب اپنے غدار نکل جاتے ہیں تو معاملہ سنبھالنا دشوار ہوجاتا ہے، جب تک غداروں اور منافقوں کی پہچان نہ ہوجائے اور انہیں ٹھکانے نہ لگا دیا جائے تو کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی، چنانچہ یہی ہوا آپ غداروں کی ریشہ دانیوں کا شکار ہوگئے اور آپ کو اتنا دشمنوں سے نقصان نہیں پہنچا اس سے کہیں زیادہ نقصان اپنے گھر کے ضمیر فروشوں سے آپ کے حصے میں آیا اور جگر سوز خسارہ اُٹھانا پڑا، ٹیپو سلطانؒ، میر صادق اور میر غلام علی وغیرہ کی اندرونی خفیہ دسیسہ کاریوں سے دو چار ہوگئے ان ملت فروشوں اور احسان فراموشوں کی انگریز دوستی نے آپ کو ہر طرح بے دست و پا بنا کر رکھ دیا، بالآخر آپ شہید کردیئے گئے، مگر مرتے مرتے ایک جملہ کہہ گئے، جو ایک تاریخی اور انقلابی یادگار ہے اور ہر لمحہ ظالموں کے مقابلہ میں منصفوں کے خون کو گرماتا رہے گا، آپ نے فرمایا: ''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے'' مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ اگر ٹیپو سلطان کے ساتھ اپنے ہی لوگ غداری نہ کرتے تو انگریزوں کا اسی وقت ہندوستان سے خاتمہ ہوگیا ہوتا اور ڈیڑھ سو سال سے زیادہ ہندوستانیوں کو غلامی کے ایام نہ گزارنے پڑتے، ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد انگریز بے محابا ہوگیا ہر طرف ظلم وسرکشی عام کردی، دین اسلام قرآن وسنت کے ساتھ عداوت ودشمنی، نیز ہندوستانی باشندوں کے ساتھ بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ بہیمانہ سلوک کھلم کھلا علی الاعلان ہونے لگا تو شاہ عبدالعزیزؒ نے مولانا مملوک علی صاحب کی صدارت میں مولانا قطب الدین دہلویؒ، مولانا محمد حسین کاندھلویؒ اور مولانا عبدالغنی وغیرہم کا ایک بورڈ بنایا اور حالات ومصالح کے پیش نظر آپ خود مکہ روانہ ہوگئے اور وہاں پہنچ کر اپنی تگ وتاز اور کوششیں جاری

رکھیں مگر ہر چیز کے لئے وقت متعین ہوتا ہے، جب تک وہ موعود گھڑی نہیں آجاتی ہے اس وقت تک وہ معاملہ سرانجام نہیں ہوسکتا، الغرض آپ کی بھی وفات ہوگئی، لیکن آپ کے جانشینوں نے اس علم کو ہمیشہ بلند کئے رکھا کبھی نیچے نہیں ہونے دیا۔

سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد نواب سراج الدولہ انگریزوں کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے جہاد کیا اور خوب خوب جنگیں لڑیں مگر غداروں کے حربوں نے آپ کو بھی ناکامی کے گڑھے میں ڈھکیل دیا، نواب سراج الدولہ کی شہادت کے بعد انگریز نواز راجہ رنجیت سنگھ پنجاب کا حکمراں بنا اور مسلمانوں پر ظلم وتشدد کا پہاڑ توڑنے لگا، لاہور کی شاہی مسجد کے صحن کو اصطبل بنا دیا، وہاں گھوڑوں کو کھڑا کرنے لگا، مسلمان لڑکیوں کو بے آبرو کیا، راجہ رنجیت سنگھ کے اس بہیمانہ مظالم کی داستان رائے بریلی پہنچی اور حضرت سید احمد شہیدؒ اس کا منھ توڑ جواب دینے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کو (جو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے حقیقی پوتے شاہ عبدالعزیزؒ کے بھتیجے اور شاہ عبدالغنیؒ کے صاحبزادہ ہیں) پنجاب روانہ فرمایا، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے وہاں سے واپسی پر حالات سے باخبر کیا تو سید احمد شہیدؒ نے اعلان جہاد کردیا، پشاور پر حملہ کیا اور اس کو فتح کرلیا، ٹن کیاری فتح کیا، اتمان زی فتح کیا، اس کے بعد اکوڑہ پر بھی غلبہ حاصل کرلیا، یہ لوگ جب وہاں سے آگے بڑھے تو سید احمد شہیدؒ کے پاس راجہ رنجیت سنگھ کا قاصد آیا اور کہا کہ جہاں تک آپ کی فتح ہوگئی ہے، وہاں تک آپ حکومت کریں، لیکن آگے نہ بڑھیں اور یہ سلسلہ یہیں موقوف کردیں، تو سید احمد شہیدؒ نے برجستہ اور بے باکانہ انداز میں جواب دیا کہ میں ملک گیری اور وطن کی صدارت کی ہوس میں یہاں نہیں آیا ہوں، میں تیرے بہیمانہ ظلم وستم سے مسلمان قوم کو نجات دلانے آیا ہوں، جب تک تیرا ظلم رہے گا، سید احمد کٹ تو سکتا ہے، ٹکڑے تو ہوسکتا ہے لیکن ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتا اور یہ قافلہ علم حق لئے ہوئے بڑھتا رہا، بالآخر بالاکوٹ کی پہاڑی پر گھمسان کا رن پڑتا ہے اور دونوں قائدین (سید احمد شہیدؒ اور اسمٰعیلؒ) شہید کردیئے جاتے ہیں، اس ہیبت ناک شکست

کے بعد تھوڑی مدت کے لئے آزادی کی فضا سر دھوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے مگر وہ چنگاری جو خاکستر میں دبی تھی، غیر معمولی طور پر سلگ رہی تھی، بچے کچے لوگوں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اندر اندر خفیہ طریقوں سے اس تحریک کو آگے بڑھایا اور لوگوں میں جہاد آزادی کی آگ پھونک دی، ۱۸۵۶ء میں علماء کرام کی ایک میٹنگ ہوئی اور ایک بار پھر انگریزوں سے فیصلہ کن معرکہ ٹھان لیا گیا، حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی سرپرستی میں یہ جنگ شروع ہوئی، ۱۸۵۷ء میں دو محاذ بنائے گئے، محاذ شاملی کی سربراہی خود حاجی صاحب نے فرمائی اور محاذ انبالہ کی قیادت حضرت مولانا جعفر تھانیسری نے انجام دی، گھمسان کا رن پڑا بہت زبردست معرکہ ہوا حافظ ضامن صاحب شہید ہو گئے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کو کاری زخم لگے اور نہ جانے کتنے مسلم علماء وعوام کو جام شہادت پینا پڑا، اس جنگ میں مسلمانوں کو ناکامی ہوئی، انگریزوں نے ہر طرف گرفتاریاں شروع کر دیں افراتفری کا عالم مچ گیا، علماء کرام کو سرعام قتل کیا جانے لگا، کالے پانی کی سزا عام ہوگئی، اس موقع پر تقریباً دو تین دنوں کے اندر اندر ۱۵، ۱۶ ہزار سے زائد علماء کرام شہید کر دئے گئے، بیشتر علماء لیڈران کو کالے پانی کی سزا ملی، کسی کی داڑھی نوچ کر بے حرمتی کی گئی، اس سلسلے میں مؤرخین کے بیانات کو پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں بے تحاشا مسلمانوں کو قتل کیا جاتا، علماء کو بے دردی سے لہلہاتی ہوئی آگ یا کھولتے ہوئے تیل میں ڈالدیا جاتا یا درختوں پر جگہ جگہ پھانسی کے پھندے لٹکا دیئے جاتے اور ہاتھیوں پر مسلمانوں کو بٹھا کر پھندے کے نیچے لے جاتے اور پھندہ گلے میں ڈال کر ہاتھی کو آگے بڑھا دیتے۔

حاجی امداد اللہ صاحبؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ پر گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا گیا، حاجی صاحب کسی طرح بچ بچا کر یہاں سے مکہ پہنچ گئے اور اپنے دونوں چہیتے فداکاروں کے ذمے اس کام کو سپرد کیا اور وہاں سے ہدایات بھیجتے رہے، یہ دونوں حضرت (مولانا رشید احمد گنگوہیؒ و مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ) اللہ

تعالیٰ کے فضل و کرم سے صحیح وسلامت زندہ بچ گئے، اس وقت تک نہ جانے کیسی کیسی تدبیروں سے چھپ چھپا کر زندگی گزار دی، اخیر میں جب ظاہراً تمام تر امیدیں ختم ہو گئیں تو علماء کرام، اسلاف عظام کی دور بیں نگاہوں نے دار العلوم کی داغ بیل ڈالی، تا کہ دین اسلام کی تربیت کے ساتھ یہاں سے مجاہدین تیار کئے جا سکیں، بالآخر یہ ننھا سا پودا تناور درخت بن گیا، بہت مختصر مدت میں توقع سے زیادہ برگ و بار لے آیا اور یہیں سے وہ محمود حسنؒ پیدا ہوئے جنہیں آج دنیا شیخ الہند کے نام سے جانتی ہے، آپ اپنے اسلاف کے سچے جانشین نکلے حالات عالم کو دیکھ کر تڑپ گئے اور اپنے ملک ہندوستان کے ساتھ عالم اسلام کو غلامی سے چھڑانے کے لئے بے قرار ہو گئے، چنانچہ آپ نے سب سے پہلے انجمن ثمرۃ التربیت قائم کیا، پھر اپنے شاگردوں میں سے مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو دیو بند طلب کیا اور ان کی مدد سے جمعیۃ الانصار قائم کی، پھر مولانا سندھیؒ کو بعض مصلحتوں کے پیش نظر دہلی روانہ فرما دیا جہاں پہنچ کر انہوں نے نظارۃ المعارف کی داغ بیل ڈالی، شیخ الہندؒ کی ہر لمحہ یہ کوشش رہتی تھی کہ کسی طرح انگریزوں کے زبردست پنجے سے مظلوم و بیکس انسانوں کو چھٹکارا مل جائے، حضرت شیخ الہند کی فکر اور طریقۂ کار کے سلسلہ میں آپ کے چہیتے شاگرد اور خادم مالٹا مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں ''حضرت کی گہری نظر واقعات عالم بالخصوص ہندوستان اور ترکی پر مرکوز رہتی تھی، طرابلس اور بلقان کے زہرہ گزار مظالم اور اندرون ہند انگریزوں کی روز افزوں چیرہ دستیوں نے انہیں اس قدر متاثر کیا کہ آرام و چین تقریباً حرام ہو گیا، گویا کہ وہ اپنے اختیار سے نکل گئے، نتائج و عواقب سے بے پرواہ ہو کر انہیں سر بکف اور کفن بردوش ہو کر میدانِ انقلاب میں نکل پڑے، زمانے کی تاریکیاں، موسم کی کالی کالی گھٹائیں، احوال کی نزاکتیں، اہل ہند بالخصوص مسلمانوں کی ناگفتہ بہ کمزوریاں رکاوٹ بن کر سامنے آئیں، کچھ عرصہ اسی غور و خوض میں گزرا مگر پانی سر سے گزر چکا تھا، اس لئے خوب سوچ سمجھ کر قادرِ مطلق پر اعتماد و بھروسہ کر کے کام شروع کر دیا''، شیخ الہند نے اپنے شاگردوں

سے خوب کام لیا، ہر طرف تحریک آزادی کا جال بچھادیا آپ کی یہ خواہش تھی اور یہ منصوبہ تھا کہ بیرون ممالک کی مدد سے انگریزوں پر یلغار و یورش کرادی جائے اور اندرون ہند بغاوت پھیلا کر حکومت کا تختہ پلٹ دیا جائے اور انگریزوں کو مار بھگایا جائے، چنانچہ آپ نے اپنے سرگرم شاگرد مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو کابل روانہ کیا کہ وہ حکومت افغانستان کو بغاوت پر آمادہ کریں اور خود حجاز روانہ ہوکر سرگرمیاں تیز سے تیز کردیں، اس کام میں مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر مختار انصاری وغیرہ نے خوب خوب امداد پہنچائی، چنانچہ آپ نے حجاز میں غالب پاشا، انور پاشا، جمال پاشا وغیرہ سے ملاقات کی، آزادی ہند کے سلسلہ میں بات چیت ہوئی، تحریری وزبانی حمایتیں حاصل کیں اور وعدے لئے، ادھر مولانا سندھیؒ نے جدوجہد جاری رکھی اور اپنی کارکردگی سے اطلاع کے لئے چند ریشمی خطوط ۱۹۱۶ء میں لکھ کر شیخ الہند کے نام انتہائی رازدارانہ طور پر روانہ کئے، مگر اپنوں کی ناعاقبت اندیشی سے وہ راز فاش ہوگیا اور تحریک ریشمی رومال کا افشا ہوگیا اور ہر طرف گرفتاریاں شروع ہوگئیں اور قائد تحریک ریشمی رومال حضرت شیخ الہند اپنے رفقاء سمیت جنوری ۱۹۱۷ء کو گرفتار کر لئے گئے اور مختلف سوالات و جوابات اور سنگین وخطرناک مراحل سے گزرتے ہوئے مالٹا کی کالی کوٹھری میں ان تمام حضرات کو محبوس کردیا گیا:

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا

وہاں ایسی ایسی اذیتیں اور تکلیفیں آپ کو دی گئیں کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، دل دہل جاتا ہے، جسم کا انگ انگ، بدن کا رواں رواں کانپ اُٹھتا ہے، ان حضرات کو ساڑھے تین سال کی قید بامشقت کے بعد ۱۹۲۰ء میں رہائی ملی۔

محترم دوستو! تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اگر صداقت وانصاف سے کام لے گا تو وہ یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوجائے گا کہ ۱۹۰۰ء تک کی مدت ایسی ہے کہ اس راہ آزادی میں

تنہا مسلمان ہی سرگرم سفر رہے، توپ وتفنگ کا تنہا انہوں نے مقابلہ کیا، سولی کے تختہ پر تنہا مسلمان ہی نظر آتے ہیں، لہو کے دریا میں تنہا یہی ڈوبے ہوئے ہیں، دار ورسن کو صرف اور صرف یہی لبیک کہہ رہے ہیں، خاک وخون کی ہولی انہیں کے ساتھ کھیلی گئی، کالا پانی کی سزا یہی بھگت رہے ہیں، جیل کی کوٹھریاں انہیں کے دم سے آباد ہیں اور وہ پاؤں انہیں کے ہیں جو مظلومانہ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہیں، یہ گردنیں بھی انہیں کی ہیں جن پر چمکتی ہوئی تلواریں چلائی جارہی ہیں، دہکتی ہوئی آگ میں یہی ڈالے جا رہے ہیں، انہیں کے دین کے ساتھ کھلواڑ ہورہا ہے، انہیں کی عفت وعصمت کو روندا جا رہا ہے، انہیں کی بیویاں بیوہ، انہیں کے بچے یتیم ہورہے ہیں، ہر آن ہر لمحہ یہی ظلم وستم کے شکنجوں میں جکڑے نظر آتے ہیں، ہندوؤں کو اس وقت طفل مکتب سمجھا جاتا تھا، اگر انگریزوں کو خطرہ تھا تو صرف اور صرف مسلمانوں سے، چنانچہ انہوں نے قرآن کے لاتعداد نسخوں کو جلادیئے، مدارس پر بلڈوزر چلائے گئے اور نہ جانے کتنی مساجد کو تہہ وبالا کردیا گیا اور ان مسلم علماء اور عوام کو شمار کرنے کی کوشش بھی نہ کیجئے، جنہوں نے اس راستہ میں قربانیاں وجاں نثاریاں پیش کیں، کیونکہ شمار ممکن نہیں، ہندو تو طفل مکتب تھے یہ میں کوئی چڑ، ضد اور عناد وتعصب میں نہیں بک رہا ہوں، بلکہ یہ ایک تاریخی حقیقت اور انگریزوں کے اعتراف پر مبنی ہے، انگریز انہیں اپنی نگاہ میں واقعی طفل مکتب سمجھتے تھے، بنگال سول سروس کے ایک افسر کی رپورٹ کے الفاظ ہیں اس نے لکھا ہے ''عزم، تعلیم اور ذہنی صلاحیت کے اعتبار سے مسلمان ہندوؤں سے کہیں زیادہ فائق ہیں اور نسبتًا ہندو ان کے سامنے طفل مکتب معلوم ہوتے ہیں علاوہ اس کے مسلمانوں میں انتظامی کاموں کی اہلیت زیادہ ہوتی ہے''، آپ ذرا ریشمی رومال تحریک کی دوراندیشی دیکھئے کہ اس میں بھی مسلمانوں کے عظیم کارنامے کی طرف کھل کر رہنمائی ہوتی ہے، شیخ الہند کی گرفتاری کے بعد اب جمعیت علماء وکانگریس کے پلیٹ فارم سے کام شروع ہوا، اس وقت بھی گاندھی جی کو آگے بڑھانے والے ہمت وحوصلہ دلانے والے مسلمان علماء ہی

تھے، بلکہ گاندھی جی کو گاندھی سے مہاتما گاندھی بنانے والے مسلمان علماء ولیڈران ہی ہیں، عدم تشدد کی تحریک کو آگے بڑھانے میں مسلمان بھی پیش پیش رہے، گاندھی جی کی گرفتاری ہوتی تو ملک کا ایک ایک مسلمان بچہ بھی تڑپ اٹھتا، جیلوں کو بھر دیتا، سولیوں پر لٹکنا گوارا کرتا، گولیوں کا مقابلہ خندہ پیشانی سے کر جاتا، مگر احتجاجی کاروائیوں سے باز نہ آتا، آپ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی نمایاں قیادت کو کیسے فراموش کر جائیں گے، مولانا محمد علی جوہر کو کیسے بھلا دیں گے، مولانا شوکت علیؒ جیسا قائد کہاں پائیں گے، حضرت مولانا سجاد بہاریؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا سید محمد میاں صاحبؒ، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، علامہ انور صابریؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مسٹر آصف علی بیرسٹر، رفیع احمد قدوائیؒ، مولانا تجمل حسین، قدم رسول مظہر الحق بیرسٹر، مسٹر ایس اے رحیم، ڈاکٹر ذاکر حسین صدر جمہوریہ، مسٹر صادق علی، ان تمام حضرات کی قربانیاں کتاب صفحہ ہستی سے کیسے مٹا دیں گے، یہ بتایئے، نذر علی، مولوی نذر علی، اشفاق اللہ خاں، عبدالرشید، قربان حسین اور ان جیسے بے شمار مسلم افراد کا تختہ دار پر چڑھنا، اپنی جانیں گنوا دینا، آخر کیوں بھلایا جا رہا ہے، اس کا جواب تعصب کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے، میں کہاں تک مجاہدین کے نام اور ان کی قربانیاں گنواؤں یہ میرے بس میں نہیں ہے، اخیر اخیر تک مسلمانوں نے اپنی لاشوں کا نذرانہ اس ملک کی آزادی کے لئے پیش کیا، جس چیز کی جس وقت ضرورت پڑی پورا کر دیا، حضرت شیخ الہند نے خود اس ضعیف العمری میں عدم تشدد کی تحریک کو سراہا اور کامیاب کرنے کی جدوجہد کی، جو ایک مسلمان ہی کا حصہ ہو سکتا ہے، الغرض یہ کاروان آزادی اپنے سفر میں گامزن رہا اور چودہ پندرہ اگست کی درمیانی رات کے بارہ بجے اپنی منزل پر پہنچ گیا، جب پورا ہندوستان سو رہا تھا اور محو خواب تھا تو ہندوستان کا سویا ہوا مقدر جاگ اٹھا اور ہندوستانی وقت کے مطابق ٹھیک بارہ بجے آل انڈیا ریڈیو سے ہندوستان کی آزادی کا اعلان

ہوگیا، آپ کے سامنے ہم نے مسلمانوں کی قربانیوں کی صرف ایک جھلک ہی پیش کی ہے مگر اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ آخران کا اس سرزمین کے ذرہ ذرہ پر کتنا حق ہے اور کتنی محنت لگی ہے اس موقع پر میں اس بات کی بھی وضاحت مناسب سمجھتا ہوں کہ جہاں ہندوستان اتنی قربانیوں کے بعد آزاد ہوا ہے، وہیں ایک بھیانک سانحہ اور روح فرسا حادثہ تقسیم کی شکل میں بھی پیش آگیا، اس کے ذمہ دار واقعی کون ہیں، یہ تفصیل طلب ہے، مگر میں ایک بات کھل کر اور صاف لفظوں میں تاریخی حقائق کی روشنی میں کہنا چاہوں گا کہ تقسیم وطن کے ذمہ دار اگر مسلمان ہیں تو برادران وطن بھی ان سے کہیں زیادہ اس راہ کو ہموار کرنے والے ہیں، جب دہلی پارلیمنٹ ہاؤس میں تقسیم کا فیصلہ ہو رہا تھا، اس وقت چھ سو ارکان جمع تھے سب نے منظور کرلیا مگر جمعیت علماء کے پلیٹ فارم سے مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے اس وقت اس کی زبردست مخالفت کی اور رہتی دنیا تک اپنا وقار بنالیا، مگر یہ ایک تنہا آواز تھی جو صدا بصحرا ہوگئی، یہ ایک پروپیگنڈہ ہے کہ مسلمانوں نے پاکستان اور بنگلہ دیش کی شکل میں اپنا حق لے لیا، یقیناً اگر تقسیم کا مطالبہ کرنے والے مسلمانوں میں اہم قائدین، محمد علی جناح اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جیسی شخصیتیں تھیں، تو مخالفت کرنے والے قائدین و رہبران بھی بے شمار تھے، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا سید محمد میاں مفتی کفایت اللہ صاحب جیسے اہم گرامی قدر اصحاب علم وفضل ان میں شامل ہیں، نیز جتنے مسلمانوں نے اپنا وطن پاکستان بنایا، اس سے کہیں زیادہ مسلمانوں نے ہندوستان میں رہنا پسند کیا، یہیں مرنا یہیں کی خاک میں دفن ہونے کو محبوب سمجھا، اکابر ثلثہ حضرت شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کا سہارنپور میں مجتمع ہوکر یہ معرکۃ الآراء فیصلہ کرنا کہ ہم جم کر یہیں رہیں گے، ایک تاریخی یادگار ہے۔

محترم حضرات! آزادی کے بعد اس ملک میں جمہوریت کے اصول بنائے گئے،

سیکولر قوانین برابری کے حقوق کے نفاذ کو لائحہ عمل اور منشور میں جگہ دی گئی، ہندوستان کا ہر شہری اپنا ایک مستقل حق رکھتا ہے یعنی ملک کا ہر باشندہ برابر درجہ کا شہری ہے، خواہ کسی بھی مذہب وملت سے تعلق رکھتا ہو، ہندوستان کا کوئی بھی شخص دونمبر کا شہری نہیں ہے، ہر شخص کا ووٹ یکساں قیمت رکھتا ہے، جس طرح اس ملک میں ہندو سرخرو ہوکر رہ سکتا ہے، اسی طرح ایک مسلمان بھی اپنی تمام ضروریات کی تکمیل اس ملک ہی میں رہ کر کرسکتا ہے، اسی طرح سکھوں کے بھی تمام جائز حقوق ملنے چاہئیں، مگر رونا یہ ہے کہ یہاں جمہوریت صرف نام کی ہے، آج جمہوریت کے نام پر فسطائیت پھیلائی جارہی ہے، سیکولرزم کی آڑ میں ظلم وتشدد کا لاوا پھوٹ رہا ہے یہاں جمہوریت کے ساتھ جتنا کھلواڑ کیا جارہا ہے اور اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے اس کی مثال اور کہیں نہیں مل سکتی، مسلمانوں کو عملاً نمبر دو کا شہری بنادیا گیا، ان کے خلاف ایک منظم ناپاک منصوبہ کارفرما ہے ان کو بالکل اپاہج کردینے، ان کا تشخص مٹادینے، ان کی جان اور مال کے ہلاک کرنے، ان کو اعلیٰ ملازمت سے دور رکھنے، مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کرنے، مسلم مجاہدین آزادی کی قربانیوں کو نظرانداز کرنے، ان کے ساتھ سوتیلا برتاؤ کرنے کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑا ہے، کھلے عام کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے دو استھان پاکستان یا قبرستان، مسلمانوں کی کتنی ہی دل آزاری کی جائے، حکومت ہمیشہ خاموش تماشائی بنی رہتی ہے بلکہ مفسدوں کی حوصلہ افزائی کرتی رہتی ہے فسادات ان مقامات پر کرائے جاتے ہیں جہاں مسلمانوں کا کوئی مقام اور ان کی طاقت ہو خواہ اجتماعی طاقت ہو یا تجارتی اور اقتصادی ومعاشی طاقت ہو ہندو احیاء پرست چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنے عزائم سے دستبردار ہوجائیں کہ وہ کبھی اس ملک میں سیاہ وسفید کے مالک تھے، وہ ایسا ماحول بنائے رہتے ہیں کہ مسلمان ہمیشہ خوف اور بے بسی کی کیفیت میں مبتلا رہیں، تھوڑی بہت مسلم دشمنی اور مسلم کشی کی منظم پالیسیاں ملاحظہ فرمائیں :

مسلم نسل کشی آزادی کے بعد مسلسل ۵۴ رسال سے جاری ہے، ۱۹۴۷ء کا ہنگامہ قتل

وغارت گری ہندوستان سے مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کے لئے ہوا تھا، اس وقت پانچ لاکھ سے زائد مسلمان قتل کردیئے گئے، ۱۹۴۸ء میں دو لاکھ مسلمان ذبح کئے گئے، ۱۹۵۰ء میں دو ہزار ہلاک کئے گئے، ۱۹۶۰ء میں تین ہزار دو سو موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے، فسادات کا ایک تسلسل ہے، ۱۹۵۲ء میں ملک گیر پیمانہ پر تقریباً پانچ ہزار لوگ گولیوں سے بھون دیئے گئے، ۱۹۴۷ء سے جون 1995ء تک ایک نامکمل تعداد کے مطابق ستر ہزار دو سو فسادات ہوئے، جن میں سات لاکھ گیارہ ہزار مسلمان نہایت بے دردی اور مظلومیت کے ساتھ خاک وخون میں تڑپا دیئے گئے، ہر پچھلا فساد اگلے فساد سے کیفیت ونوعیت میں بڑھا ہوا ہوتا ہے، ۱۹۶۱ء کے فساد جمشید پور، جبل پور راوڈکیلا سے ۱۹۶۴ء کا فساد سبقت لے گیا، جس میں بارہ سو مسلمان مقتول ہوئے، ۱۹۶۷ء میں رانچی کا فساد اشارہ دیتا ہے کہ مسلمان اپنی زبان کے تحفظ کا خواب نہ دیکھیں، ۱۹۶۹ء میں احمد آباد کا فساد مسلمانوں کی انتہائی محرومی وبے بسی ظاہر کرتا ہے، ۱۹۸۰ء کا فساد مرادآباد واضح کرتا ہے کہ نماز عید کے لئے کثیر مجمع پر پولس گولیوں کی بوچھار کرسکتی ہے، ۱۹۸۳ء میں نیلی آسام کے اندر وحشیانہ قتل عام کا بازار گرم کیا جاسکتا ہے، ۱۹۸۴ء کے بھونڈی فساد میں مسلم تاجروں کا اعتماد چھینا جاسکتا ہے، ۱۹۶۷ء کا فساد میرٹھ سب پر فوقیت لے جاتا ہے، پھر فساد بھاگلپوری مسلمانوں کی لاشوں کو مٹی سے دبانے کے بعد کھیت بنا کر ان کے اوپر گوبھی کا پودا لگا دیا جاتا ہے، اس کے بعد اڈوانی رتھ یاترا میں فسادات کا سلسلہ ملک میں پھیلا دیا جاتا ہے، ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد دن دھاڑے شہید کرکے پورے ملک کو مقتل بنادیا جاتا ہے، ممبئی میں پولس کنٹرول روم سے ہدایت دی جاتی ہے کہ مسلمانوں کے گھروں کو جلائے جانے سے نہ روکا جائے، ملیانہ اور ہاشم پورہ میں مسلم نوجوانوں کو ٹرکوں میں بھر کر نہر کے اوپر پولس گولیوں کا نشانہ بنا کر نہر میں پھینک دیتی ہے جمشید پور میں پولس کی حفاظت کے اندر مسلم عورتوں اور بچوں سے بھری ہوئی بس کو آگ لگادی جاتی ہے، مرادآباد میں عید کی خوشی کے موقع پر عیدگاہ میں مسلمانوں پر

گولیوں کی بارش کردی جاتی ہے، (یہ تقریر گجرات میں گودھرا فساد سے قبل کی ہے) کیا اسے فرقہ وارانہ فساد کہا جاسکتا ہے، یا ایک منصوبہ بند مسلم کش تحریک؟ ایک سوال یہ بھی ہے کہ آج تک کسی قاتل کو سزا کیوں نہیں دی گئی؟ فساد کے دوران کرفیو لگا کر صرف مسلمانوں کو گرفتار کیا جاتا ہے ان کی پٹائی کی جاتی ہے، ان کے مال و جائداد کو نذر آتش کیا جاتا ہے الٹے ان پر جھوٹے مقدمے قائم کر کے ان ہی کو سزا بھی دی جاتی ہے، عورتوں کی آزادانہ عزت لوٹی جاتی ہے:

ہند کی شام سحر آن خوں آشام ہے
نام ہے بلوائیوں کا سازشِ حکام ہے

ایک بلاء بے درماں پی، اے، سی (P.A.C.) ہے جو ہر دنگے فساد پر تعینات کردی جاتی ہے اور دل کھول کر مسلمانوں پر ظلم و جبر کے پہاڑ توڑتی ہے، ان کو بے دریغ زدوکوب کرتی ہے اور آزادی سے ان کے مالوں کو لوٹتی ہے، پی اے سی کی تنخواہیں شاید اسی لئے کم رکھی گئی ہیں کہ وہ مسلمانوں کا سرمایہ لوٹ کر تنخواہوں کی کمی پوری کرلیا کریں، اگر یہ پالیسی نہیں ہے تو مسلمانوں کے بار بار احتجاج و مطالبے کے باوجود کہ پی اے سی کو فساد زدہ علاقوں میں نہ بھیجا جائے کیوں بھیج دیا جاتا ہے، ہندوستان ٹائمز نے ۱۵ر اگست ۱۹۷۲ء میں وضاحت کی کہ پی اے سی کے صرف ایک نوجوان نے لوٹ کر چھ ہزار روپئے بنائے۔

مسلمانوں کی حوصلہ شکنی اور ان کو بے بس بنانے کے لئے انہیں ملک کا غدار، پاکستان کا ایجنٹ اور دہشت گرد ثابت کرنے کی مسلسل کوشش کی جارہی ہے، دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کی انکوائری کی جاتی ہے، یہ کس قدر دلخراش حرکت ہے کہ وہ دارالعلوم دیوبند جس کی تلاشی انگریز نہیں لے سکے، جبکہ انگریزوں ہی کے خلاف آزادی کے ہزاروں مجاہد اس دارالعلوم نے پیدا کئے اس سے متاثر ہوکر جوش ملیح آبادی کو کہنا پڑا:

ہم ہیں غدار تو پابند وفا تم بھی نہیں
اپنی کثرت پہ نہ اتراؤ خدا تم بھی نہیں

سیتامڑھی میں جو آگ وخون کی ہولی کھیلی گئی وہ انتہائی دہشت ناک ہے وہاں کی جامع مسجد میں آگ لگادی گئی اس میں قائم مدرسہ کے اساتذہ کی بے حرمتی کی گئی بے شمار دکانوں کو جلا کر خاکستر کردیا گیا اور مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔

محترم دوستو! بابری مسجد ایک منظم سازش کے تحت منہدم کی گئی جس کو میر اباقی اصفہانی گورنر اودھ نے ۱۵۲۸ء میں تعمیر کرایا تھا، سب سے پہلے مسجد مندر کا جھگڑا ۱۸۵۵ء میں انگریزوں نے کھڑا کیا، ۲۲ر دسمبر ۱۹۴۹ء کی شب میں اس کے اندر رام کی مورتی رکھی گئی اور مسجد کو قرق (بندش لگا کر کے) کر کے اس پر تالا لگادیا گیا، ۱۹۵۰ء میں مورتی کو بھوگ دینے کے لئے مسجد میں ایک چھوٹا سا دروازہ لگایا گیا، پنڈت پنت یا جواہر لال نہرو چاہتے تو مورتی نکال سکتے تھے، یکم فروری ۱۹۸۶ء میں تالا کھول کر پوجا پاٹ کرنے کے لئے مسجد ہندوؤں کو دیدی گئی اور حکومت نے پوجا پاٹ کا فاتحانہ منظر دوردرشن پر دکھایا، ۹ر نومبر ۱۹۸۹ء کو متنازعہ زمین پر راجیو گاندھی نے شیلانیاس کرایا، ۳ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو پروفیسر بھیم سنگھ نے وزیر اعظم کو بابری مسجد توڑے جانے کے منصوبے سے مطلع کیا، لیکن یوپی کے وزیر اعلیٰ اور مرکز کے وزیر اعظم نے ۶ ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو دن دھاڑے مسجد شہید کرادی، ۸ر دسمبر کو اسی جگہ مورتی رکھ کر پوجا شروع کردی گئی، یکم جنوری ۱۹۹۳ء کو ہائیکورٹ نے وہاں مورتی درشن اور پوجا کی باقاعدہ اجازت دیدی، یہ سارا کام کانگریسی دور حکومت میں ایک منصوبہ کے تحت انجام دیا گیا۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

حیرت ہے اس کا مقدمہ ۴۳ر سال تک چلتا رہا اور عدالت مسلمانوں کو ٹالتی اور بہلاتی رہی، لیکن اسی عدالت نے فریق مخالف کے لئے مسجد قرق کرنے، اس پر تالا لگانے، مورتی کو بھوگ دینے کے لئے نیا دروازہ لگانے، پوجا پاٹ کے لئے تالا کھولنے اور انہدام

کے بعد دوبارہ مورتی درشن اور پوجا کی اجازت دینے کے لئے جلدی جلدی فیصلے دیئے۔

محترم حضرات! اب یہ بات کھل کر عیاں ہوگئی جب تک مسلمان اپنے آپ کو نہیں سمجھیں گے، اپنے کو نہیں سنبھالیں گے خود جدوجہد اور عزت وساکھ کی حفاظت کے لئے کوشاں نہیں ہوں گے، مٹادیئے جائیں گے، آزادی کے بعد سے اب تک پتہ نہیں انہوں نے کتنی سیاسی پارٹیوں کے دروازوں پر دستک دی محض اس امید پر کہ کہیں سے ہمارے حقوق مل جائیں مگر ہر در پر انہیں نامرادیوں کا سامنا کرنا پڑا، پارٹی کوئی بھی ہو، کانگریس ہو، یا بی جے پی ہو، جنتا دل ہو یا سماج وادی، راشٹریہ جنتا دل ہو یا تیلگو دیشم پارٹی ہو، یا ترنمول کانگریس، سی پی آئی ہو یا سب پی ایم، لیڈران کوئی بھی ہوں، آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو سے لے کر اندرا گاندھی اور راجیو گاندھی، نرسمہا راؤ، اٹل بہاری باجپئی ہو یا رام ولاس پاسوان، ملائم سنگھ ہو یا ممتا بنرجی، کرونا ندھی ہو یا جے للتا، شرد یادو ہو شرد پوار، پی اے سنگما ہو یا راج ببر سابق براجمان وی پی سنگھ ہو یا گجرال، راجیش پائلٹ ہو یا لالو یادو اور نتیش کمار، مسلمانوں نے ہر ایک کا تجربہ کرلیا ہے، برسوں انہیں پرکھا ہے لیکن نتیجہ یہی نکلا ہے کہ ہر ایک نے اپنی اپنی طاقت وقدرت کے لحاظ سے دغا بازی کی ہے، لٹیرے نکلے ہیں، ظالم وخونخوار بھیڑیوں، پھاڑ کھانے والے درندوں کا رول ادا کیا ہے عدل وانصاف کا بے محابا خون کیا ہے، ان میں سے کوئی صحیح معنی میں کرم گستر نہیں نکلا ان ظالموں نے ہماری وفاداریوں کا انتہائی خطرناک صلہ دیا ہے، آج ملک کو آر ایس ایس کے اشاروں پر چلایا جا رہا ہے، جو خالص مسلمان دشمن جماعت ہے، مساجد ومدارس کے خلاف سیاہ بل انہیں کے اشاروں پر پاس کیا گیا تھا اور اس بل کی حقیقت کیا تھی، اسے بھی سن ہی لیجئے: یہ سیاہ بل جسے اتر پردیش پبلک مذہبی عمارت ومقام ریگولیشن کا نام دیا گیا تھا، یہ دراصل آر ایس ایس اور اس کی ساختہ پرداختہ بھارتیہ جنتا پارٹی جیسی فسطائی تنظیموں کے جمہوریت مخالف رویے کو قانونی جواز فراہم کرنے کی سازش تھی اس سیاہ بل میں اگر نماز کے ساتھ بھجن کیرتن اور پوجا کا بھی ذکر تھا اسی طرح

مسجد کے ساتھ مندر گوردوارہ اور گرجا گھر بھی شامل کیا گیا تھا، نیز درگاہ کے ساتھ چھتری اور مٹھ کو، قبرستان کے ساتھ شمشان گھاٹ کو بھی داخل کرلیا گیا تھا، مگر حالات نے بتادیا کہ اس کا اصل نشانہ اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کے مساجد، مدارس، خانقاہیں، مزارات اور قبرستان تھے اس عمومیت میں نیتوں کا فساد مضمر تھا، طبیعتوں کی تخریب کاریاں پنہاں تھیں، گورنمنٹ مسلمانوں کے تعلیمی، تہذیبی، ثقافتی، معاشی، ماحولیاتی، نظام اور مذہب وملت کا جغرافیہ کرنا چاہتی تھی اور ہر لمحہ اس سلسلہ میں کوشاں رہتی ہیں، آئے دن آر ایس ایس کے اسلام مخالف پروگرام بن کر چھپتے ہیں، کھلے بندوں مخالفت ہوتی ہے، مگر حکومت کوئی نوٹس نہیں لیتی، ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں:

جس سمت نظر اٹھتی ہے شعلے ہیں دھواں ہے

میں ڈھونڈ رہا ہوں میرا ملک کہاں ہے

اک گنگ و جمن ہی نہیں اس ملک کی رونق

ہر لمحہ یہاں خون کا دریا بھی رواں ہے

ایسے حالات میں مسلمانوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ سوچیں سمجھیں بیداری کا ثبوت دیں، ہوشمندی، فیروزمندی کا مظاہرہ کریں یا اپنے تشخص کی پامالی اور ملی عزت وآبرو کو روندتے ہوئے کب تک دیکھتے رہیں گے، یہ میدان میں آئیں اور اپنی کامیابی وکامرانی کے لئے ہر ممکن کوشش کریں، لیکن یاد رکھئے اس کا ہم نے بار بار مشاہدہ کیا ہے کہ مسلمان اکثر جذبات میں فیصلہ کرجاتے ہیں جو بعد میں ان کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے لہٰذا ان کے لئے فرض بنتا ہے کہ انتہائی سنجیدگی ومتانت کے ساتھ کام کریں، قرآن و سنت کی روشنی میں اپنی زندگی گزاریں، ہمارے پروگرام وآئین طریقہ نبوی کے ہم آہنگ ہوں ہم اپنے معاشرہ اور ماحول سے برائیاں ختم کریں، اچھائیوں کو فروغ دیں، قرآن نے صاف اعلان کردیا ہے ﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ اور مصیبتوں کے نزول کے اسباب دراصل ہمارے عمل ہی ہیں، ﴿وَمَا

اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ﴾ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آج ہمارے اندر اتفاق واتحاد کا فقدان ہے، ہر طرف انتشار کی بھٹی دہک رہی ہے، تشتت و افتراق کا آلاؤ بھڑک رہا ہے، ہر سو اختلافات کا بلندہ و پشتارہ لگا ہوا ہے اور ضد وعناد کا یہ عالم ہے کہ ایک ذہن دوسرے ذہن سے معمولی ذرہ برابر اور لحہ وثانیہ بھر کے لئے بھی میل کھانے کو تیار نہیں، ایسے حالات میں ہم کیسے اس ملک بلکہ پوری دنیا میں کہیں بھی باعزت ہوکر زندگی گزار سکتے ہیں، میں بہ بانگ دہل اور ڈنکے کی چوٹ پر کہنا چاہوں گا، مجھے صاف کہنے دیجئے اگر ہم مستقبل کو تابناک وضو بار بنانا چاہتے ہیں، آنے والی زندگی کو روشن و بامراد کرنے کے خواہاں ہیں تو سب سے پہلے ہم اپنے اندر اتحاد و اتفاق پیدا کریں، پروقار ہم آہنگی پیدا کریں، ہم آواز وسخن بن جائیں، یگانگت کی رسی میں بندھ جائیں، میل ملاپ کے کامیاب آبرو بخش جھنڈا تلے جمع ہو جائیں اور قرآن کی اس آیت کو مضبوطی سے تھام لیں، ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ اور اس آیت پر غور کر کے نتیجہ نکالیں ﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا﴾ الخ ان چیزوں کے حصول کے بغیر کسی تنظیم و پارٹی کے سہارے سے شادمانی کا حصول دیوانے کا ایک خواب ہوگا، کامیابی کی امید بخار میں مدہوش کی بڑ اور ریت کے ڈھیر پر عالیشان اور مضبوط عمارت بنا کر اس کی پائیداری کا انتظار کرنا ہوگا اور فریب فکر ونظر میں مبتلا ہو کر سراب دشت کو پانی سمجھ کر اس کی تلاش وجستجو میں سرگشتگی اور پانی کے بلبلوں اور ہواؤں کو اپنی مٹھی میں بند کر لینے کی سعی لاحاصل اور عمل نامعقول کہوں گا، ہم مسلمان ہیں، ہمیں قرآن وسنت کی پیروی کے علاوہ اسی روشنی میں چلنے اور اسی کے اصولوں پر رہ کر زندگی گزارنے کے علاوہ ہمیں کوئی دوسری چیز کامیاب نہیں کرسکتی ہے، اگر واقعی مسلم رہنماؤں اور مسلم قائدین کو مسلمانوں کے مسائل سے دلچسپی ہے تو جوش سے نہیں ہوش سے کام لیں اور اخلاص و خوف خداوندی کی دولت سے اپنے قلوب کو مالا مال کریں، عہدوں اومنصوبوں کی خواہشات، آرزؤں اور تمناؤں کو قلوب سے نکال کر میدان عمل میں کود پڑیں، خوف

دہراس کو پس پشت ڈالدیں، کیونکہ یہ دنیا ہمارے لئے بنائی گئی ہے اور اس کے حقیقی وارث وخلیفہ ہم ہی ہیں، ہم غیروں کی یلغار و یورش کی فکر نہ کریں، اقبال نے بالکل صحیح کہا ہے:

تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے
نشہ مئے کو تعلق نہیں پیمانے سے

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

کشتی حق کا زمانے میں سہارا تو ہے
عصر نورات ہے دھندلا سا ستارا تو ہے

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ سال خوشیوں کا، امن وامان کا، دلوں سے نفرت کو کھرچنے کا، ملک کی خوشحالی کا ثابت ہو اور ہندوستانی تعمیر وترقی کا ایک درخشاں باب بن سکے:

حریف مسلک انسانیت کا جو بھی ہوا
نشاں اس کا کوئی نقش معتبر میں نہیں

خون شفق کو دیکھنے والے قریب ہے
دھرتی پہ آسماں کا یہ منظر بھی آئے گا

پھوٹے گی واقعات و حقائق سے روشنی
اے تیرہ دور نور کا لشکر بھی آئے گا

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین.

جنگِ آزادیٔ ہنداور علماء دیو بند

خطیب: مولانا محمد اسلام خان صاحب مظفرنگری

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا اَمَّا بَعْدُ!

جناب صدرِ جلسہ اور اسٹیج پر جلوہ افروز معزز علماء کرام!

میں چاہتا ہوں کہ اس مختصر سے وقت میں جنگِ آزادیٔ ہند میں علماء دیو بند کے کردار پر کچھ روشنی ڈالوں، دُعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے مافی الضمیر کو صحیح صحیح ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

میرے دوستو! اسلامی تاریخ کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں، اسلامی کتابوں کو جب ہم کھنگال کر دیکھتے ہیں تو ہمیں صاف اور واضح طور پر نظر آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک جتنے بھی دور آئے، ہر دور میں حق اور باطل کی آویزش اور ٹکر رہی ہے، یہ ایک نظام اور قدرت کی کرشمہ سازی ہے کہ ہر دور میں حق بے سروسامانی کے عالم میں آیا اور باطل سرکشی، تکبر، انانیت، غرور، شوکت و حشمت اور طاقت لے کر نمودار ہوا، لیکن تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ حق کو ہمیشہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے غلبہ عطا فرمایا ہے۔

تاریخ کے طالب علموں کو معلوم ہونا چاہئے کہ باطل نمرود کے لباس میں آیا تو حق ابراہیم علیہ السلام کی شکل میں نمودار ہوا، باطل فرعون کی شکل میں آیا، تو حق موسیٰ علیہ السلام کی شکل میں ظاہر ہوا، باطل قیصر وکسریٰ کی شکل میں آیا تو حق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں طلوع ہوا، باطل حجاج ابن یوسف کی شکل میں آیا تو حق عبداللہ ابن زبیرؓ کی

شکل میں آیا، باطل خلیفہ منصور کی شکل لے کر آیا تو حق امام ابوحنیفہؒ کی صورت میں طلوع ہوا، اسی طرح ہندوستان میں باطل جلال الدین اکبر کی شکل میں آیا، تو حق مجدد الف ثانی کی شکل میں آیا، باطل فرقہ اثناء عشریہ کی شکل میں آیا تو حق شاہ ولی اللہؒ کی شکل میں غالب ہوا، باطل راجہ رنجیت سنگھ کی شکل میں آیا تو اس کے لئے شاہ اسماعیل شہیدؒ آگے بڑھے، باطل انگریزی فتنوں کی شکل میں آیا تو حق علمائے دیوبند کی شکل اختیار کر گیا۔

میرے دوستو! ہمیں روز روشن کی طرح یقین ہے کہ صحیح معنی میں حق پر قائم آج جو دنیا میں جماعت ہے وہ علماء دیوبند کی جماعت ہے، ہمیں یقین ہے کہ علماء دیوبند کی جماعت اس دور میں انبیاء کی وارث جماعت ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی سنت کے عین مطابق ہر باطل کا ہر طریقہ سے مقابلہ کیا، انگریز آیا اس کا مقابلہ کیا، اس کی ذریت میں سے قادیانی آئے اس کا مقابلہ کیا، پرویزی آئے اس کا مقابلہ کیا، دشمنانِ صحابہ آئے ان کا مقابلہ کیا، غرضیکہ باطل جس لباس میں آیا دیوبند کا پرچم حق اس کے بالکل مقابل میں آیا، اسی کو شورش کاشمیری نے کہا ہے:

اس میں نہیں کلام کہ دیوبند کا وجود
ہندوستان پر ہے احسانِ مصطفیٰ
گونجے گا چار کھونٹ اس نانوتوی کا نام
بانٹا ہے جس نے بادہ عرفانِ مصطفیٰ

محترم حضرات! میں وقت کا خیال کرتے ہوئے اور تفصیل میں نہ جاتے ہوئے یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد بالآخر انگریزوں کی دھوکہ دہی کام آ ہی گئی اور مغلیہ سلطنت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہو گیا اور بہت سے لوگ خاک وخون میں تڑپنے لگے، علماء کرام کی ایک بہت بڑی جماعت جس نے انگریزی اقتدار کی مخالفت کی تھی تہ تیغ کر دی گئی اور بہت سارے جزیرہ انڈمان بھیج دیئے گئے اور عام مسلمانوں کا اس ملک میں عزت وآبرو کے ساتھ رہنا مشکل ہو گیا، اس دورِ انحطاط میں جن علماء نے

انگریزی اقتدار کے خلاف جہاد کا اعلان کیا تھا اور میدان کارزار گرم کیا تھا ان میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، عالم ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، حافظ ضامن شہید تھانوی، مولانا منیر صاحب نانوتویؒ اور ان بزرگوں کے دوسرے احباب وانصار بھی تھے ان سب حضرات کے سربراہی کا فریضہ عارف باللہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ انجام دے رہے تھے، شاملی کے میدان میں ان سب حضرات نے دادِ شجاعت دی اور انگریزی فوج کا مقابلہ کھل کر کیا، لیکن جب ملک پر انگریزی اقتدار قائم ہو گیا تو ان سب حضرات پر بغاوت کے نام پر مقدمے چلائے گئے اور طرح طرح سے انہیں پریشان کیا گیا، اس افراتفری کے عالم میں انگریزوں نے موقعہ دیکھ کر پادریوں کا ایک جم غفیر ہندوستان کی سرزمین پر اتار دیا اور فوجی دستہ کی حفاظت کے سائے میں یہ پادری تمام شہروں اور آبادیوں میں علی الاعلان عیسائیت کی تبلیغ کرنے لگے اور اسی کے ساتھ انہوں نے اسلام پر حملہ شروع کر دیا، انگریزوں کی پالیسی یہ تھی کہ کسی طرح ملک کے بڑے بڑے حصوں میں عیسائیت کے قدم جم جائیں، یہ وقت علماء کرام کے لئے بڑا نازک اور سنگین تھا، لیکن اس فتنے کے آگے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ دیوار آہنی بن کر آڑے آ گئے اور پادریوں کے ہر میدان میں چھکے چھڑائے، داخلی فتنوں کے سامنے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فولادی جگر لے کر آئے اور فتنوں کو کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیا۔

میرے دوستو! ان حضرات کے بعد ان کے جانشین حضرت شیخ الہندؒ میدانِ عمل میں آئے اور تحریک ریشمی رومال چلا کر انگریزی اقتدار کی جڑوں کو مضمحل کر گئے، ان کے بعد ان کے جانشین مرد مجاہد حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ آئے اور انگریزوں کو ہندوستان سے بھگا کر دم لیا۔

حضرات! یہ وہ کارنامے ہیں کہ جنہیں تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی، اگر یقین نہیں آتا تو جاؤ مالٹا کی در و دیوار سے پوچھو شیخ الہند محمود الحسنؒ کون تھے؟

کراچی اور انڈیا کی جیلوں سے پوچھو سید حسین احمد مدنیؒ کون تھے؟

جزیرہ انڈومان اور کالے پانی سے پوچھو جعفر تھانیسریؒ کون تھے؟

میانوالی اور سکھر کی جیلوں سے پوچھو سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کون تھے؟

پنجاب اور بالاکوٹ کی سنگلاخ زمینوں سے پوچھو سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کون تھے؟

ہاں ہاں! ان درختوں اور زنداں خانوں سے پوچھو، جہاں پر حق بولنے والے پاکیزہ انسانوں کی لاشیں لٹکتی رہیں جنہوں نے دین و وطن کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کردیا، جنہوں نے باطل کے ہر چیلنج کو قبول کیا اور بے خوفی سے ان کا مقابلہ کیا، انہوں نے جانیں تو دے دیں مگر باطل کو کبھی پیٹھ نہ دکھائی، انہوں نے سر تو کٹایا مگر آزادی کے پرچم کو سرنگوں نہ ہونے دیا پورے عالم میں اپنی شرافت و شجاعت کا پرچم نصب کردیا اور برسرعام اعلان کردیا:

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا
توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

محترم حضرات! یہ امر واقعہ ہے کہ علماء دیوبند کی ضرب بے پناہ سے انگریزی اقتدار محفوظ نہ رہ سکا، انہوں نے اس شیطانی دستہ پر پوری شدت سے وار کیا، ضرورت پڑی تو گولی چلائی، ضرورت پڑی تو تلوار چلائی، تلوار چھینی تو قلم اُٹھایا اور جب ضرورت پڑی تو قوم کے نونہالوں کی تربیت و اصلاح فرما کر ملک کی آزادی کا سامان تیار کردیا، بالآخر ۴۷ء میں ہندوستان آزاد ہوا اور دشمن اپنے انجام کو پہنچا، اللہ تعالیٰ ہمیں ان علماء کرام کی قدر کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

تاریخ ہند

خطیب: مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم، اَمَّابَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿ان الله یحب الذین یقاتلون فی سبیله صفا کانهم بنیان مرصوص﴾ صدق الله العظیم.

برادران اسلام!

میں اپنی تقریر کا آغاز اس شعر کے ساتھ کر رہا ہوں کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے:

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

آج ہندوستان میں کچھ اسی قسم کی باتیں ہو رہی ہیں کہ تخریب کاری، انتہا پسندی اور قانون شکنی کو دیش بھگتی اور وطن پرستی کا نام دے دیا گیا ہے چند ہزار لوگوں کو کسی مذہب و ملت کے خلاف جمع کر لیا جائے اور نعرے بازی کی جائے، اشتعال انگیز تقریریں کی جائیں اور عقیدہ و نظریہ کی بات کر کے قانون کی دھجیاں اُڑا دی جائیں اور عدلیہ وانتظامیہ کی کسی بات یا کسی حکم کے ماننے سے انکار کر دیا جائے پابندیوں کو توڑ دیا جائے، تہذیب و تمدن اور اخلاق و مروت، انسانیت و شرافت کا گلا گھونٹ دیا جائے تو وہ سب سے بڑے دیش بھگت، وطن دوست، قوم کے لیڈر، ملک کے رہنما کے درجے حاصل کر لیں گے اور اگر کسی نے سنجیدگی و متانت کی باتیں کیں، تخریب کاری اور قانون شکنی

کی مذمت کی سیکولرزم اور قومی ایکتا کا نام لیا، مسلمانانِ ہند کی وطن پرستی اور ملک سے وفاداری کا اعتراف کیا، فسادات میں ہلاک و برباد ہونے والے معصوم مسلمانوں پر آنسوں بہایا، ملکی اتحاد و سلامتی کی فکر کی تو اس سے بڑا وطن دشمن اور غدار قوم کوئی نہیں۔

عزیزان گرامی و خردمندان ملت اسلامیہ!

ہندوستان جنت نشاں بلکہ امن و سلامتی، پیار و محبت مذہبی رواداری قومی ایکتا گنگا جمنی تہذیب مختلف الخیال اور متنوع العقائد والنظریات افراد کے حامل اس وطن کے حالات ادھر کچھ سالوں سے جتنی شدت سے بگڑتے جا رہے ہیں خاص کر مسلمانان ہند کے خلاف جو زہریلی فضاء پیدا کر دی گئی ہے اور ان کے خلاف ہندو راشٹریہ کا نعرہ بلند کرنے والے جس انداز میں رائے عامہ کو ہموار کرنے اور سادہ لوح عوام کے دل و دماغ میں اسلام دشمنی اور مسلمانوں سے نفرت و عداوت، بغض و عناد کا بیج بو کر اس کی آبیاری کر رہے ہیں اس نے مسلمانان ہند کے سامنے ایک سوال کھڑا کر دیا ہے کہ ہندوستان اپنے وجود کی بقاء کے لئے کیا کرتا ہے۔

خاص کر بابری مسجد کی شہادت اور ۶ ر دسمبر ۱۹۹۲ء کے جانکاہ خونچکاہ، المناک خطرناک اور ہولناک سانحہ نے تو مسلمانوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے اور ان کو اندازہ ہو گیا ہے کہ عدلیہ انتظامیہ حکومت، سیاسی جماعتوں، قومی لیڈروں، صوبائی و مرکزی حکومتوں، آئین و دستور اور قانون و فورس سب کچھ کر سکتی ہے مگر مسلمانوں کو تحفظ فراہم نہیں کر سکتی ان کے مال و جان کی حفاظت نہیں کر سکتی لہٰذا ہندوستان میں مسلمانوں کو اپنے عقائد و نظریات، ایمان و توحید، اسلامی تہذیب و تمدن کے ساتھ زندہ رہنا ہے تو پھر ان کو اپنے لئے سوچنا ہوگا، کچھ کرنا ہوگا، نظام زندگی کی ترتیب دینے اور اس پر عمل کرنے کی فکر کرنی ہوگی اب بیان بازیوں، لن ترانیوں، احتجاج دہانیوں سے کچھ نہیں ہوگا، اب یقین دہانیوں پر بھروسہ اور طفلانہ تسلیوں پر اعتماد کرنے کا زمانہ نہیں ہے۔

برادرانِ ملت! میں یہ سب کچھ کہنے پر مجبور کیا گیا ہوں میرے سامنے آزاد

ہندوستان اور قدیم ہندوستان کی پوری تاریخ ہے، میں چشم تصور سے محمود غزنوی، شہاب الدین غوری، علاؤالدین خلجی، شمس الدین التمس، فیروز شاہ تغلق، بابر، ہمایوں، اکبر، جہانگیر شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے ہندوستان کو دیکھ رہا ہوں ان کی ہندو نوازی، مذہبی رواداری، عدل گستری، رعایا پروری، صلح پسندی کو دیکھ رہا ہوں، سات سو سال پر محیط غوری خلجی، تغلق، مغل خاندان کے عظیم المرتبت شہنشاہوں، حکمرانوں، امیروں، وزیروں، رئیسوں سپہ سالاروں کی پوری تاریخ میرے سامنے ہے کہ انہوں نے ہندوستان کو تہذیب وتمدن، دولت وثروت، عزت وعظمت، شان وشوکت، قوت و طاقت، اخوت ومحبت، وحدت ومساوات کی کن بلندیوں پر پہونچایا تھا اور اسلامی عدل وانصاف، وطن دوستی، قوم پرستی، رعایا پروری، مذہبی رواداری، عملی خود مختاری، قومی اتحاد، ملی اتحاد کے لئے کیا کچھ قربانیاں نہ دیں، کیا کیا جتن نہ کئے کیا کیا ترکیبیں نہ کیں، ذرا آپ تاریخ ہند کے اوراق پلٹئے اور عہد رفتہ کے ہندوستان کا سفر کیجئے، ایک ایک دور کو غور سے دیکھئے، جانچئے، پرکھئے، آپ کو قدم قدم پر تعمیر وترقی کے نشانات ملیں گے، ہندو مسلم اتحاد کی علامتیں نظر آئیں گی، امن وسلامتی کے پھول کھلے دکھلائی دیں گے اخوت ومساوات، اتحاد واتفاق کے ترانے گونجتے سنائی دیں گے اور آپ مشاہدہ کریں گے کہ ہندو مسلم کاندھے سے کاندھا ملا کر عظیم ہندوستان کو گہوارۂ امن بنانے میں جٹے ہیں، نہ کہیں نفرت وعداوت کا زہر ہے اور نہ کہیں فرقہ پرستی کی باتیں، نہ ہی فسادات ہیں اور نہ ہی اشتعال انگیز بیان، اور نہ ہی کسی مذہب وملت کے خلاف تحریکیں بلکہ سب اپنے اپنے عقائد وافکار اور نظریات ورجحانات کے مطابق عمل کر رہے ہیں، مسجدوں میں اذان کی آواز گونجتی ہیں، مندروں میں سنکھ بجتے ہیں اور گرجا گھروں میں ناقوس بج رہے ہیں۔

برادرانِ ملت! پھر میں اپنی انہیں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ انگریز، ہندوستان آتے ہیں، ایسٹ انڈیا کمپنی (EAST INDIA COMPANY) قائم ہوتی ہے،

مغل حکمراں طوائف الملو کی میں گرفتار ہوتے ہیں، ان کی شان وشوکت اور اقتدارو حکومت کا چراغ ٹمٹماتا ہے، انگریزوں کو عروج وارتقاء حاصل ہوتا ہے، سراج الدولہ اور سلطان ٹیپو، سید احمد شہید، احمد ابدالی، واجد علی شاہ، جھانسی کی رانی، بیگم حضرت محل اور بے شمار وطن پرست حکمراں انگریزوں کی سازش کا شکار ہوکر ختم ہوجاتے ہیں اور پورے ملک پر سامراجیوں استعماریوں کا قبضہ ہوجاتا ہے، آزاد وخود مختار ہندوستان نانک وچشتی کا ہندوستان، رام ورحیم کا ہندوستان، ہندو مسلم، سکھ عیسائی کا ہندوستان، غلامی کی ذلت میں گرفتار ہوجاتا ہے، طوق غلامی اس کی گردن میں ڈال دیا جاتا ہے، پھر ظلم وبربریت کا آغاز ہوتا ہے، ۱۸۵۷ء کا انقلاب آتا ہے، مگر ناکام ہوتا ہے، اس کے بعد ہندوستان میں قتل وغارت گیری، عصمت دری وحشمت خیزی، انسانیت کشی، اخلاق سوزی، بے رحمی اور بے مروتی کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، ہزاروں علماء شہید کیے جاتے ہیں، لاکھوں انسان بے گھر کیے جاتے ہیں، بستیاں اُجاڑ دی جاتی ہیں، آبادیاں برباد کردی جاتی ہیں اور ہندوستان کی دولت وثروت باہر ملک جانے لگتی ہے، ہندوستانی عوام پر عرصۂ حیات تنگ کردیا، گورے کالے کی تفریق کردی گئی کس کس طرح سے ذلیل ورسوا نہیں کیا گیا اور کیا کیا صعوبتیں ہندوستان کے عوام نے نہیں اُٹھائیں، خوف ودہشت کا عالم طاری رہتا تھا، انگریزوں کے رعب ودبدبہ کے سامنے کسی کو پر مارنے کی مجال نہ تھی ان کے ظالمانہ کردار پر کسی کو انگلی اُٹھانے کی اجازت نہ تھی، معترضین کی زبانیں کاٹ لی گئیں، ان کے خلاف اُٹھنے والی انگلیاں توڑ دی گئیں، صدائے احتجاج بلند کرنے والوں کو تہہ تیغ کردیا گیا، پورے ہندوستان کو ہندوستان کی اصل رعایا کے لئے جیل بنا دیا گیا، ذرا آج ظلم وستم، وحشت وبربریت اور انگریزوں کی درندگی سے لبریز تاریخ پڑھئے، ہر طرف اندھیرا نظر آئے گا، تاریکی دکھائی دے گی مگر اس تاریک دور میں بھی ہندو مسلم اتحاد باقی تھا، قومی ایکتا باقی تھی، اور یہی چیز انگریزوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ تھی،

آنے والے طوفان کا پیش خیمہ تھی، اس لئے انگریزوں نے ہندو مسلم کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی تحریک چلائی، سازش رچی، پلان بنایا اور اس ملک کو توڑنے کے لئے اس کی تاریخ کو بدلنے کے لئے اپنے اقتدار کو مستحکم اور تابندہ و پائندہ کرنے کے لئے ہندو مسلم میں نفرت و تعصب کو بڑھاوا دیا، ہندو مہاسبھا اور آر، ایس، ایس جیسی تنظیموں کو قائم کر دیا، ہندوستان کی مشترکہ فوج کو ہندو مسلم بٹالین (BATTALION) میں تقسیم کر کے اس کے اندر مذہب و عقیدہ کے نام پر بھید بھاؤ پیدا کر دیا۔

برادرانِ اسلام! بڑی دردناک تاریخ ہے، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں دل دہل جاتا ہے، بلکہ پورا وجود دہل جاتا ہے، انگریزوں کی تاریخ پڑھ کر ان کے گھناؤنے کارنامے سن کر اور آپ یقین جانئے تاریخ دیکھئے، آپ کو معلوم ہوگا کہ بابری مسجد کا جھگڑا ان ہی انگریزوں کا پیدا کردہ ہے، انہوں نے چنگاری رکھ دی تھی جو سلگتی رہی، آہستہ آہستہ بڑھتی رہی اور ۲۱ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو اس کا پہلا شعلہ نمودار ہوا اور بابری مسجد میں بت رکھ دیا گیا، پھر تو شعلے بھڑکتے ہی رہے، تپش بڑھتی ہی رہی، آگ کا دائرہ اندر ہی اندر بڑھتا گیا، ہوا دینے والے ہوا دیتے رہے، پٹرول ڈالنے والے پٹرول ڈالتے رہے اور ان کو ایک پلان دیدیا گیا تھا، ایک مدت بتادی گئی تھی، کہ کب یہ پھنسی پھوڑا بنے گی اور کب پھوڑے سے ناسور بنے گا اور کب اس ناسور کا اثر بڑھے گا اور اس کی بدبو پھیلے گی اور کب اس کا زہر ہر دل میں پیدا ہوگا بہرحال میں انگریزوں کی دور ظلمت و بربریت پر گفتگو کر رہا تھا، میں گفتگو کو طویل نہیں کرنا چاہتا اپنے موضوع سے تجاوز نہیں کرنا چاہتا، لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ آپ کے سامنے ہندوستان کی ایک سرسری تاریخ اور مسلمانانِ ہند کی مختصر طور پر عزیمت و عظمت سے لبریز کارناموں کو بیان کر دوں اور اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ آج ہندوستان میں جو انتشار و خلفشار ہے وہ سب مسلمانوں کے خلاف ہے۔

برادرانِ وطن و عاشقانِ شمع رسالت! جب ظلم حد سے بڑھتا ہے تو پھر اس کا خاتمہ

بھی ہوتا ہے اور ظلمت کی دبیز چادر کو پھاڑتی ہوئی سپیدہ سحر نمودار ہوتی ہے اور ہندوستان میں بھی جب انگریزوں کا ظلم حد سے بڑھ گیا تو حریت پسندوں آزادی کے متوالوں کی ایک جماعت تیار ہوتی ہے، کفن بردوش ہو کر میدان جہاد میں کود پڑتے ہیں، میرے تصور کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ آزادی ہند کی تحریک میں ہندو مسلم لیڈران کندھے سے کندھا ملا کر انگریزوں کے خلاف جدو جہد میں مصروف ہیں باطل کے سامنے آزادی کے متوالے سینہ سپر ہو کر ڈٹے ہوئے ہیں، ایک طرف مسلم لیڈران میں سے شیخ الہند اور مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا منصور انصاری مشہور سیاسی رہنما راج گوپال اچاریہ کے بھائی شیخ عبدالرحیم اور شیخ الہندؒ کے جان نثار شاگرد شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ہیں جو ریشمی رومال تحریک کی قیادت کر رہے ہیں، تو دوسری طرف سُبھاش چندر بوس کی آزاد ہند فوج ہے جو ہندوستان کی آزادی کے لئے انگریزوں سے ٹکر لے رہی ہے، اگر شیخ الہند کی عبوری حکومت کے صدر نشین راجہ مہندر پرتاپ ہیں تو سبھاش چندر بوس کی آزادی ہند کا کمانڈر انچیف جنرل شاہ نواز خان ہیں، پھر ہندوستان کے افق پر ایک نئی قیادت ابھرتی ہے، گاندھی جی، جواہر لال نہرو سردار پٹیل، راجندر پرشاد ونوبا بھاوے، راج گوپال آچاریہ، لال بہادر شاشتری جیسے ہندو لیڈران ہیں تو مسلم قیادت میں مفتی کفایت اللہ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، حکیم اجمل خان ڈاکٹر انصاری، عطاء اللہ شاہ بخاری، خان عبدالغفار، مولانا ظفر علی خان جیسے بے شمار قوم پرور قائدین، زمام قیادت سنبھالتے ہیں، نظریاتی اختلاف اور سیاسی اختلاف کے باوجود بھی کو دیش کی آزادی کی فکر ہے۔

برادران اسلام! مگر آج فرقہ پرست سماج مسلمانوں کی تمام قربانیوں کو فراموش کر چکا ہے اور آزادی کے بعد مسلمانوں کی تمام خدمات پر سیاہی پوت دی ہے اور مسلمانوں کے تمام کارناموں کو تاریخ کے صفحات سے محو کرنے اور نئی نصابی کتابوں میں مسلمانان ہند کے خلاف زہریلے مضامین داخل کرنے کی پوری منصوبہ بندی کے ساتھ کوششیں

ہوئیں جہاں جہاں ہندو انتہا پسند بی جے پی اقتدار میں تھی، خاص کر مدھیہ پردیش اور یوپی میں اس پر خاص کر کام کیا گیا، دوسری طرف گاؤں گاؤں دیہات دیہات میں آر ایس ایس کے والنٹیر (Volunteer) اور بجرنگ دل کے دہشت گرد اور وشو ہندو پریشد کے انتہا پسند کارکن ہندو احیا پرستی اور ہندوتو کے نام پر سیدھے سادے بھولے بھالے عوام کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے لگے۔

برادرانِ ملت! چالیس سال سے مسلمانوں کے ساتھ تعصب، جانبداری، حقوق تلفی اور فسادات کے ذریعہ بیخ کنی تو ہو رہی تھی اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے اور ان کی جان و آبرو کو نیلام کرنے کے لئے سرکاری سطح پر پی، اے، سی، (.P.A.C) جیسی بدنام زمانہ فورس استعمال ہوتی ہی تھی مگر اب فرقہ پرست، ہندو عوام میں رام مندر کو ہوّا کھڑا کر کے ان کے مذہبی جذبات کو بھڑکا کر ان میں جنون پیدا کرنے میں لگے ہیں اور کار سیوکوں کے نام پر ایسے قانون شکن امن و دستور اور قانون و اخلاق کے قاتل افراد کو استعمال کیا جاتا ہے جو شدت جنون میں یہ بھی نہیں سمجھتے ہیں کہ اس انتہا پسندی کا انجام کیا ہوگا، عالمی سطح پر ہندوستان سے کیا تصور ابھرے گا بڑی قربانیوں جاں فشانیوں کے بعد تو ہندوستان آزاد ہوا تھا اور اپنے سیکولر کردار ناوابستہ مزاج اور غیر جانب دارانہ نظر سے معتدل خارجہ پالسی (Policy) اور ظالموں اور غاصبوں کو مذمت کرنے اور مظلوموں کی حمایت کرنے کے باعث عالمی سیاست میں ایک پروقار مقام رکھتا تھا، ایشیا میں سب سے پہلے بڑا جمہوری ملک مانا جاتا تھا اقوام متحدہ یا ناوابستہ ممالک کی تنظیم ہو ہر جگہ اس کا اپنا وقار بن گیا تھا خاص عرب ممالک سے قریبی تعلقات فلسطینیوں کی حمایت اور اسرائیلی سے لاتعلقی ہی نہیں بلکہ اس کے جارحانہ رویہ کی مخالفت و مذمت نے ہندوستان کی ایک بین الاقوامی پوزیشن (Position) بنادی تھی، مگر یہ سب کچھ خاک میں مل گیا اور ہندو احیا پرستی کے طوفان کے آگے بھارت سرکار نے گھٹنے ٹیک دینے اور خاص کر ۶ ردسمبر ۹۲ء کے سانحہ کے بعد پوری دنیا میں جو اس کی گھناؤنی تصویر

ابھری ہے اس نے امن وسلامتی کے پیامبروں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا ہے ابھی تک ہندوستانی مسلمانوں پر ہونے والے مظالم بین الاقوامی مسئلہ نہیں بنے تھے لوگ یہی سمجھتے تھے کہ ہندوستان کے مسلمان سکون وامن کے ساتھ رہتے ہیں ان کو تمام قانونی و دستوری حقوق حاصل ہیں ان کے مقدس مقامات عقائد و مسالک پر کوئی پابندی نہیں ہے لیکن بابری مسجد کی شہادت سے پردہ فاش ہوگیا ہے۔

برادرانِ ملت! اس وقت مسلمانانِ ہند کو حکومت اور ہندو انتہا پسند جس نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کے ساتھ جس قسم کا رول اپناتے ہیں اس کا ثبوت تلاش کرنے کی ضرورت نہیں آپ صرف آزادی کے بعد سے ہونے والے بے شمار لاتعداد مسلم کش فسادات پر نظر ڈالئے کہ مسلمانوں کے ساتھ انتظامیہ، عدلیہ، سیاسی لیڈران حکومت کا کیا کردار ہوتا ہے تفصیل کی ضرورت نہیں پی، اے، سی وغیرہ کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں یہاں درودیوار بولتے ہیں فضائیں شہادت دیتی ہیں کہ مسلمان اپنی تمام قربانیوں، کارناموں کے باوجود بھی آج غدار وطن، بے وفا اور ملک کے دشمن ہیں جوش ملیح آبادی نے کیا ہی خوب کہا ہے سنئے اور اس کے بعد سوچئے کہ ہماری آہ و بکا کب تک رہے گی ہم کب تک اندھے اعتماد اور سیاسی وعدو پر جیتے رہیں گے جب یہ لوگ اپنی فطرت بدلنے اور اسلام دشمنی سے باز آنے والے نہیں ہیں، تو پھر ہم کیوں ان کا سہارا تلاش کریں اور ان سے وفا کی امید رکھیں جو نہیں جانتے کہ وفا کیا ہے جوش ملیح آبادی کہتے ہیں:

آج کہتے ہیں مسلمان وفادار نہیں
سچ کہو تم تو جفا کش و جفا کار نہیں

کس نے گوتم کو دیا زہر کا پیالہ بولو
رام کو کس نے دیا دیش نکالا بولو

پاک مینا پہ ہوئی دست درازی کس کی
کہیئے پانڈو پہ ہوئی تیغ نوازی کس کی

کس نے گاندھی سے وفا کیش کو مارا افسوس
جو تھا بھارت کی نگاہوں کا ستارہ افسوس

اپنے محسن کو جوڈس لے اس سے کیا کہئے گا
ہے یہی مسلک آئین وفا کہئے گا

قوم کی موت ہے اخلاق سے عاری ہونا
تنگیٔ ظرف کے معنی ہیں بھکاری ہونا

ان اشعار کی روشنی میں آپ ذرا موجودہ ہندوستان کو دیکھئے کہ کس کے اندر شرم وحیا ہے انسانیت وشرافت ہے اقتدار کی ہوس نے ان سے تمام اخلاق ومروت اور تہذیب و تمدن کو چھین لیا ہے وزیراعظم سے لے کر وزیر داخلہ اور وزیر اعلیٰ تک جھوٹ پر جھوٹ بولتے ہیں اور اسی کو سیاسی ڈپلومیسی (Diplomacy) کا نام دیا جاتا ہے اور افسوس تو اس کا ہے کہ آج بہت سے جنونیوں نے فرقہ پرست دغاباز مکار لیڈروں کو اپنا مسیحا سمجھ لیا ہے جو کہ رام کے نام بھٹی پر سیاست کی روٹی سینکتے ہیں اور اس بھٹی کو انسانی لاشوں سے دہکایا جلایا جاتا ہے پٹرول کی جگہ مسلمانوں اور ہندوؤں کا خون استعمال ہوتا ہے

جوش آگے کہتا ہے:

قابل فخر مسلمان ہیں بزرگان جلیل
قاسمؒ و رشیدؒ و محمودؒ و شہید اسمٰعیلؒ

یاد ہوگا تمہیں میرا وہ جمال افغانی
مایۂ قوم وہ محمود حسن زندانی

میرے ٹیپو سے بہادر کو بھی تم بھول گئے
شہر میسور کا اعلان وفا بھول گئے

شوکتؔ و اجملؔ و انصارؔ کی وہ جوہر ہیں یاد
اور وہ کاکوری کے اشفاقؔ کی خونیں روداد

یاد کیا ہے تمہیں ہنگامہ قصہ خوانی
یاد تحریک خلافت کی نہیں قربانی
سینہ و دل میں پھپھولوں کے نشان باقی ہیں
اب بھی انگریزوں کے لوگوں کے نشان باقی ہیں

اپنے چھوڑے نہیں سینے سے لگایا ہم نے
خون اپنا سر میدان بہایا ہم نے
ہم نے رنگین بنایا تیرے افسانے کو
گلشن ناز میں بدلا تیرے ویرانے کو

ذرا ہندو مسلم اتحاد کے باغی قومی ایکتا دشمن کے رخسار پر طنزیہ تمانچے کو دیکھئے کہتے ہیں کہ:

وحدت قوم کی عظمت کے علم بردار ہیں ہم
تمہیں ہر زد سے بچایا وہ خطاکار ہیں ہم
ایک دن مالک و مختار یہاں ہم بھی تھے
ایک دن ہند کے سردار یہاں ہم بھی تھے
ہم نے آنکھوں پہ بٹھایا تمہیں ایسا سمجھا
تم نے نظروں سے گرایا ہمیں کانٹا سمجھا
کیا یہی آپ کا آئین جہاں داری ہے
جس کے ادراک سے ہر فہم و خرد عاری ہے
ہم ہیں غدار تو پابند وفا تم بھی نہیں
اپنی کثرت پہ نہ اتراؤ خدا تم بھی نہیں

برادران ملت بیضا و محافظین قصر اسلام! آج باطل اپنی کثرت مقدار پر مغرور ہے دشمنان اسلام اپنے مادی وسائل پر نازاں ہیں اور فرقہ پرست جماعتیں مسلمانان ہند

کے وجود کو ختم کرنے یا کم از کم ان کی آواز کو غیر مؤثر بنانے اور شہری وقانونی حقوق سے محروم کر کے ان کو بے دست و پا بنانے کے لئے ہر قسم کی غیر اخلاقی گھناؤنی وحشت خیز اور فتنہ انگیز حرکتیں کر رہی ہے، بابری مسجد کو منہدم کرنے کے بعد سے ان کے حوصلے بہت بلند ہو گئے ہیں، اس لئے اب ہم کو بھی کچھ کرنا ہے اور بہت سوچ سمجھ کر کرنا ہے، صرف عظمت رفتہ کو دہرانے اور اپنے اسلاف کے کارناموں کو بیان کرنے اور زبانی دعووں سے کچھ ہونے والا نہیں، وقت وحالات ہم سے عملی مطالبہ کرتے ہیں، تاریخ ہم سے اسلام کے سپوتوں، جوان مردوں، مجاہدوں، حوصلہ مندوں، اولوالعزموں کے اعمال وکردار اور اخلاق کا تقاضہ کرتی ہے، آج ہم کو خالد بن ولید، ابوعبیدہ، عمرو ابن العاص، نعمان بن مقرن، مثنیٰ بن حارث، ضرار ب اَزْوَر کے تاریخی کارناموں اور صلاح الدین ایوبی، طارق ب زیاد، محمد بن قاسم، موسیٰ بن نصیر کی مجاہدانہ داستانوں کے دہرانے سے فائدہ نہیں پہنچے گا، بلکہ ہم کو ان ہی مردان حق کے نقش وقدم پر چلنا پڑے گا، قرون اولیٰ وعہد وسطیٰ کی تاریخ دہرانے کے بجائے آیئے ہم اپنے اندر شان مسلمانی پیدا کریں، مجاہدین اسلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے آپ کو دین حق کا مرد مجاہد اور قصر اسلام کا سپاہی بنا کر پیش کریں۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے آزاد ہندوستان کے پچاس سالہ مصائب وآلام، مشکلات، فسادات سے لبریز ماحول سے کچھ سبق حاصل نہیں کیا، آج ہم تعداد میں تو بہت بڑھ گئے ہیں، آزادی ہند کے وقت ہم پانچ کروڑ تھے اور آج پندرہ کروڑ سے متجاوز ہیں، یہ افرادی قوت تعداد میں بہترین اضافہ ہے، مگر ہم تعلیمی میدان میں، اقتصادی میدان میں، عملی واخلاقی میدان میں اور جماعتی اعتبار سے بہت بچھڑ گئے ہیں، نہ ہمارے اندر اتحاد واتفاق کی روح پیدا ہوئی اور نہ ہی ہم نے اپنے آپ کو اسلامی رنگ وروپ میں ڈھالا، ہم آہستہ آہستہ قرآن وحدیث سے دور ہوتے گئے مشرکانہ رسوم وعادات غیر اسلامی رواج البتہ ہم میں پیدا ہوئے اور تلک وجہیز کے دلدادہ

ہو گئے، اسلامی تہذیب وتمدن کو بالائے طاق رکھ کر مغربی غیر اسلامی اور ہندو تہذیب کو نہ اختیار کیا، بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں اپنے کو تجدد پسند روشن خیال کہتے ہیں، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، دینی تعلیم حاصل کرنا اور اسلامی رہن سہن اپنانے کو رجعت پسندی سے تعبیر کرتے ہیں، جب کہ اسلامی عقیدہ وایمان کی روشنی میں یہ حقیقت سب جانتے ہیں کہ خدا کی نصرت وتائید رحمت و برکت انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، جو اسلام کے سایہ میں رہ کر اپنے شب وروز بسر کرتے ہیں، مادی وظاہری وسائل کو اختیار کرتے ہیں، دنیا کے کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں، سلاح وہتھیار سے آراستہ ہوتے ہیں، دولت و ثروت کو استعمال کرتے ہیں، مگران کا اصل اعتماد بنیادی توکل اللہ کی ذات پر ہوتا ہے وہ ہر حال میں قضائے الٰہی اور منشائے حق پر چلتے ہیں، آپ پوری اسلامی تاریخ پڑھ ڈالئے، ان کی زندگی اسلام کے روح پرور تعلیمات، قرآن کے حیات بخش احکام ومسائل، دین حنیف کے زندہ و جاوید دستور وقانون سے منور نظر آئے گی، خلاصہ یہ سمجھ لیجئے کہ اتحاد، عمل، توکل، صلاح وتقویٰ اور اخلاص وللّٰہیت، خشیت وانابت کے پیکر جمیل تھے اور جب وہ اپنے دشمنوں اسلام کے مخالفوں اور ایمان وتوحید کے باغیوں سے نبرد آزما ہوتے تو وہ اس آیت کی عملی تفسیر ہوتے تھے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ (پ:۲۸) دوسری صفت یہ تھی کہ وہ ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ (پ:۱۰) پر کاربند تھے، حتی الامکان وسائل حرب اختیار کرتے تھے، جنگی مشقیں کرتے تھے، اپنے امیر کے تابع ہوتے تھے، دن کے شہسوار اور شب بیدار تھے، دن گھوڑوں کی پشت پر تو راتیں مسجدوں میں گذرتی تھیں اور وہ اپنے دشمنوں پر شیر وشہباز کی طرح جھپٹتے تھے، تو اپنے بھائیوں کے لئے محبت ورافت تھے، کیا ہم ایسے بن سکتے ہیں؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو پھر سن لیجئے کہ خدا کی نصرت وبرکت اور فتح وکامرانی آپ کے شانہ بشانہ، قدم بقدم چلے گی۔

اس لئے کہ وہ کسی زمانہ کے لئے مخصوص نہیں بلکہ وہ عام اور قیامت تک کے لئے عام ہے، پس ایسے بن جایئے کہ اس کا حصول ممکن ہو جائے ان شرائط کو پورا کر دیجئے جو نصرت وتائید کے لئے ضروری ہوا کرتی ہیں، پھر آرام سے اپنے دشمنوں پر قابو پالیجئے گا، نہ آپ کو ان کی کثرت کا خوف ہوگا اور نہ انجام کی فکر ہوگی، جیتیں تو غازی ہیں، راہ حق میں موت آئی تو شہادت ہے، دونوں حالت میں کامیابی آپ کی ہے، آخرت آپ کی ہے، دنیا آپ کی ہے، اقتدار آپ کا ہے، قیادت آپ کی ہے، حکومت آپ کی ہے، سیادت آپ کی ہے، سب کچھ آپ کا ہے، علامہ اقبال نے کیا ہی خوب کہا ہے:

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

برادران اسلام! لیکن افسوس ہم تو سوتے رہے اور دشمنان اسلام جاگتے رہے، ذرا آر ایس ایس کو دیکھئے ۷۰/ستر سال سے اپنے دصول اور قانون کی پابندی کرتے چلے آرہے ہیں، کسی دن ناغہ نہیں آندھی آئے، طوفان آئے، گرمی ہو سردی ہو مگر ہر حال میں صبح سویرے اس کے کارکن ممبران والنٹیر ورزش کرتے ہیں، پریڈ (Parade) کرتے ہیں، بیس سال کا نوجوان ہو یا ۸۰/اسی سال کا بوڑھا سب خاکی نیکر (Knickers) پہن کر میدان میں اترتے ہیں، یہ آپ کے دشمنوں، انسانیت کے دشمنوں، قانون شکنوں کا حال ہے، جانتے ہیں یہ کیوں جمع ہوتے ہیں، صرف اسلام کو ختم کرنے کے لئے، آپ کو برباد کرنے کے لئے بڑے منظم طریقے پر عمل کرتے ہیں، مگر نہ ہم خواب غفلت سے بیدار ہوتے ہیں اور نہ ہی ہمارے اندر عزائم پیدا ہوتے ہیں، شعور و وجدان اور احساس کی آنکھیں بند کئے، اتحاد وعمل سے دور رہتے ہوئے بھی کسی غیبی مدد کی امید کرتے ہیں اور اگر کبھی جذبات پیدا ہوتے بھی ہیں اور کچھ افراد مل بیٹھ کر کوئی لائحہ عمل بناتے بھی ہیں تو سال دو سال کے اندر وہ جماعت اتنے ٹکڑوں اور طبقوں میں بٹ جاتی ہے کہ خدا کی پناہ اور یہ سب کچھ اس

لئے ہوتا ہے کہ خلوص نیت کی جگہ حصول اقتدار کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، پھر بتایئے کہ امت اسلامیہ کدھر جائے، کیا کرے، کس کی مانے اور کس کی سُنے، اس لئے سوچئے، خدارا کچھ سوچئے اور اس پر عمل کیجئے، یہ مان کر کہ ہندوستان کے حالات بگڑتے ہی جائیں گے اور اگر ہم نہیں بنے تو پھر ان بگڑتے حالات کو کوئی نہیں سدھار سکتا، بگڑا کام وہی بناتے ہیں جو پہلے خود کو بنا لیتے ہیں اگر ہم بھی راہ سے ہٹے رہے اور وطن بھی راہ سے ہٹتا رہا تو پھر یہی ہوگا کہ یہ ملک ٹوٹ جائے گا امت اسلامیہ جو پہلے ہی سے ٹوٹی اور بکھری ہے اور بکھر جائے گی، ٹوٹ جائے گی رہی سہی قوت بھی ختم ہو جائے گی، تاریکی اور بڑھ جائے گی، مایوسی کی شدت اور بڑھ جائے گی، میں انہیں گذارشات پر اپنی بات کو ختم کرتا ہوں۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.
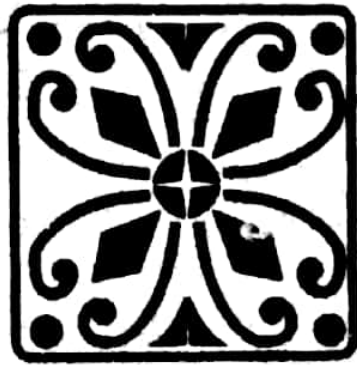
تحریک آزادی اور اصلاحِ عوام میں ادبِ اسلامی کا حصہ

خطیب: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی صاحب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ، اَمَّا بَعْدُ!

حضرات! اس مذاکرہ علمی کا موضوع بہت وسیع ہے اور اس پر فاضلانہ مقالات پڑھے جائیں گے، میں اپنی آج کی گفتگو اور معروضات کو تحریکِ آزادی کے ان قائدین اور علمبرداروں کی مساعی اور ان کے نتائج کے حصہ تک محدود رکھوں گا جو دینی دعوت اور بامقصد اور حیات بخش ادبِ اسلامی کے ممتاز ترین حامل اور صحیح نمائندہ تھے۔

کسی ملک کی آزادی کی تحریک (اور جنگِ آزادی تو اس کے نتیجہ میں بعد کی چیز ہے) مذہب واخلاق، اعلیٰ انسانی قدروں، بعض اوقات طاقتور دینی حمیت، خطر پسندی و مہم جوئی کی صلاحیت اور جذبہ قربانی کے بغیر وجود میں نہیں آتی، اور اس کی صلاحیت ایک صحیح اور پختہ عقیدہ پر ایمان اور مادی منافع اور عہدہ اعزاز سے صرفِ نظر کئے بغیر نہیں پیدا ہوتی، اسی طرح اس کے لئے حالات کا گہرا مطالعہ، تبدیلیوں کا مبصرانہ اور دوررس جائزہ اور اس کے طویل المیعاد اور بعید الوقوع نتائج کا اندازہ کیا جانا بھی ضروری ہے، ان باطنی محرکات وعوامل، ان دینی واخلاقی سرچشموں اور ان اندرونی کیفیت وجذبات، پھر اس دور میں نگاہ اور حقیقت شناس اور وسیع جائزہ اور اس کے نتیجہ میں شدید احساسِ کرب کے

بغیر نہ سچی تحریک آزادی پیدا ہوتی اور پروان چڑھتی ہے اور نہ اس کے نتیجہ میں وسیع اور دیر پا جنگ آزادی لڑی جاسکتی ہے، اور نہ اس سلسلہ میں قربانیاں دی جاسکتی ہیں۔

اس کا نتیجہ ہے کہ تیرہویں صدی ہجری اور انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں، ہم جب ہندوستان کے اس قومی لٹریچر پر نظر ڈالتے ہیں جو فارسی، اردو اور ہندی میں دستیاب ہے، تو ہم کو اس عہد کے ایک عظیم عالم اور مصلح کے فکر و کردار پر حیرت ہوتی ہے، جس کے مطالعہ اور تحقیق وتشریح کا میدان صرف دینیات (تفسیر وحدیث وفقہ) اور کسی حد تک عربی، فارسی کے ادبیات کے اندر محدود نظر آتا ہے، نہ اس زمانہ کے عرف کے مطابق وہ کوئی سیاسی قائد و لیڈر تھا، نہ عوامی جدوجہد کے میدان کا کوئی تجربہ کار و حوصلہ مند مجاہد، میری مراد ہندوستان کے شہرہ آفاق عالم، استاد العلماء اور محقق عصر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی (۱۱۵۹، ۱۲۳۹ھ، ۱۷۴۶، ۱۸۲۳ء) کی ذات ہے، ان کے ایک عربی شعر میں ہم کو وہ سیاسی بصیرت، برصغیر ہند سے لے کر افغانستان تک کے حالات میں اس انقلاب کے آثار اور فرنگی حملہ آوروں کے خطرناک منصوبوں سے واقفیت کی جھلک بلکہ ایک عمیق و معنی خیز پیشین گوئی کی مثال ملتی ہے، جس کو اس کی دور بینی، حقیقت شناسی اور اخلاقی، معاشرتی سیاسی واقتصادی، دور رس تبدیلیوں کی پیش بینی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، جس کی مثال ان کے عہد کے بلکہ اس سے بہت بعد تک کے عہد کے کسی سیاسی مبصر اور مؤرخ کے یہاں نہیں ملتی، انہوں نے اپنے اس عربی شعر میں اس خطرہ کی نشان دہی کی ہے بلکہ اس خطرناک انقلاب کی طرف کھلے طریقہ پر انگشت نمائی کی ہے جو جنوبی ایشیا کے اس وسیع خطہ پر جو عظیم آزاد سلطنتوں کا مالک تھا منڈلا رہا تھا، بلکہ عملاً اس سرزمین پر اس کی بساط شطرنج بچھادی گئی تھی، وہ فرماتے ہیں:

وانی اری الافرنج اصحاب ثروۃ
لقد افسدوا مابین دھلی و کابل

"میں وسائل اور سرمایہ کے مالک فرنگیوں کو دیکھتا ہوں کہ انہوں نے دہلی اور کابل

کے درمیان فسادعام کے بیج بو دیئے ہیں اور اس آزاد سرزمین کو سیاسی، غلامی، اقتصادی بدحالی اور خانہ جنگی کے لئے تیار کر دیا ہے"۔

اسی طرح ان کے خلیفہ وتربیت یافتہ ہندوستان کے شہرہ آفاق مصلح ومجاہد حضرت سید احمد شہید رائے بریلویؒ (۱۲۰۱ تا ۱۲۴۶ھ، ۱۷۸۶ تا ۱۸۳۱ء) کے ان خطوط مکتوبات میں جو انہوں نے ہندوستان کے بعض ہندو والیانِ ریاست اور ہمسایہ ملکوں کے مسلمان والیانِ سلطنت کو لکھے ہیں، نو وارد اور قسمت آزما انگریزوں کے بارے میں وہ الفاظ ملتے ہیں جو کم سے کم انیسویں صدی عیسوی میں، بلکہ ۱۸۵۷ء اور اس کے کچھ بعد تک بڑے بڑے سیاسی بصیرت رکھنے والوں اور جنگِ آزادی کے علمبرداروں کی تحریروں اور تقریروں میں بھی نظر نہیں آتے، اور اس سے ان کی اس حیرت انگیز نباضی، دیدہ وری اور صاف گوئی کا نمونہ سامنے آتا ہے جو ان کے عہد، اس زمانہ کی ثقافت اور اس کے خالص دینی ماحول کو سامنے رکھتے ہوئے بہت قبل از وقت اور ایک طرح سے "الہامی" معلوم ہوتا ہے۔

سید احمد شہیدؒ راجہ ہندوراؤ، وزیر گوالیار ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"بررائے سامی روشن ومبرہن است کہ بیگانگانِ بعیدالوطن ملوکِ زمین وزمن گردیدہ، وتاجرانِ متاع فروش بپائیہ سلطنت رسیدہ، امارتِ امرائے کبار وریاست روسائے عالی مقدار برباد نمودہ اند، وعزت و اعتبارِ ایشاں بالکل ربودہ"۔

جناب کو خوب معلوم ہے کہ یہ پردیسی سمندر کے پار رہنے والے، دنیا جہاں کے تاجدار اور یہ سودا بیچنے والے سلطنت کے مالک بن گئے ہیں، بڑے بڑے اہلِ حکومت کی حکومت اور ان کی عزت وحرمت کو انہوں نے خاک میں ملا دیا۔

ایک ہندوستانی ریاست کے فوجی افسر اعلیٰ غلام حیدر خان کے نام لکھتے ہیں:

اکثر بلادِ ہندوستان بدست بیگانگاں افتادہ، وایشاں ہر جا بنیادِ آئین جور وظلم نہادہ،

ریاست روسائے ہندوستا برباد رفتہ، کسے تاب مقاومتِ ایشاں نمی دارد، بلکہ ہر کس ایشاں را آقائے خودمی شمارد، وچوں روسائے کبار از مقابلہ ایشاں نشستند، لاچار چند کس از ضعفائے بے مقدار کمر بستند۔

ملک ہندوستان کا بڑا حصہ غیر ملکیوں کے قبضہ میں چلا گیا ہے اور انہوں نے ہر جگہ ظلم وزیادتی پر کمر باندھی ہے، ہندوستان کے حاکموں کی حکومت برباد ہوگئی، کسی کو ان کے مقابلہ کی تاب نہیں، بلکہ ہر ایک ان کو اپنا آقا سمجھنے لگا ہے، چونکہ بڑے بڑے اہلِ حکومت ان کا مقابلہ کرنے کا خیال ترک کر کے بیٹھ گئے ہیں، اس لئے چند کمزور و بے حقیقت اشخاص نے ان کا بیڑہ اُٹھایا ہے۔

حیدرآباد میں اس مجلسِ مذاکرہ (سیمینار) کے پہلے مرتبہ منعقد ہونے کی مناسبت اور اہلِ حیدرآباد کی قدر دانی اور حسنِ ضیافت کی رعایت سے ہم ہندوستان کی تحریکِ آزادی کے سورماؤں اور قائدین کے تذکرہ میں (جن کی تعداد بہت بڑی ہے اور جن کا تذکرہ اگلی سطروں میں آنے والا ہے) سب سے پہلے میر گوہر علی خاں نواب مبارز الدولہ بہادر کے ذکرِ خیر سے ابتدا کرتے ہیں جو نواب سکندر جاہ بہادر آصف جاہ ثالث کے چھوٹے فرزند اور ناصر الدولہ بہادر کے بھائی تھے، موصوف ۱۸۰۰ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے، وہ فارسی وعربی میں اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھتے تھے، ان کی مذہبی تعلیم بھی مستند طور پر ہوئی تھی، انگریز دشمنی کا جذبہ انہیں اپنے باپ نواب سکندر جاہ بہادر آصف جاہ ثالث سے ورثہ میں ملا تھا، اس نے کم عمری ہی میں جارحانہ صورت اختیار کرلی، اور انگریز ریزیڈینٹ (British Resident) سے ایک مقابلہ وتصادم کے نتیجہ میں ان کو پانچ سال کے لئے قلعہ گولکنڈہ میں نظر بند کردیا گیا۔

ہم یہاں پر ایک فاضل حیدرآبادی مضمون نگار محمد محسن جواد صاحب کے مقالہ شائع شدہ "نیادور" یومِ آزادی نمبر (اگست ۱۹۸۵ء) کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں، نواب مبارز الدولہ بہادر کے اس مجاہدانہ کردار کی مستند تاریخی تفصیل کتاب "حیدرآباد کی

تاریخ جدو جہد آزادی" (History of freedom movement in Hyderabad) شائع کردہ حیدرآباد اسٹیٹ کمپنی ۱۹۵۶ء سے معلوم ہوسکتی ہے، جس کے ساٹھ صفحات نواب مبارز الدولہ بہادر سے مخصوص کئے گئے ہیں، فاضل مضمون نگار لکھتے ہیں :

گولکنڈہ میں قید کے دوران نواب مبارز الدولہ کے روابط سید احمد شہیدؒ کے نمائندوں سے (جودکن بھیجے گئے تھے) قائم ہوگئے تھے، سید احمد شہیدؒ نے بھی سکندر جاہ آصف جاہ ثالث سے خط و کتابت کی تھی، کرنل میڈوز ٹیلر نے اپنی کتاب The History of my life میں سید احمد بریلویؒ کے ایک خط کا خلاصہ پیش کیا ہے، جس میں سید احمد بریلویؒ نے ہندوستان سے انگریزی اقتدار کے خاتمہ کی جدو جہد میں انہیں آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی، اس خط میں انہوں نے آصف جاہ ثالث کو ان کی خاندانی روایات کو یاد دلاتے ہوئے زور دیا تھا کہ وہ ملک سے بے دین لوگوں کے اقتدار کے خاتمہ میں ان کی مدد کریں۔

"۱۸۳۱ء میں سید احمد بریلویؒ شہید ہوئے، لیکن تحریکِ شہیدین کا زور نہیں ٹوٹا، بلکہ اس کے بعد کے واقعات اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ان پیروؤں نے اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھا، اور اپنا مرکز شمال سے جنوب منتقل کردیا، ۱۸۳۱ء میں مولوی ولایت علی اور مولوی سلیم الدین (جو تحریک کے سرکردہ قائدین سے تھے) حیدرآباد آئے، مباز الدولہ کے گھر میں مقیم رہے، اور انہوں نے دیگر ساتھیوں کو مباز الدولہ کا مخبر اور قاصد بنا کر انہیں مدراس، بنگلور، کرنول، جودھ پور، بھوپال، لاہور، سندھ اور دوسرے شہروں اور ریاستوں کو روانہ کیا، چنانچہ ان علاقوں میں تحریک کے حق میں زوردار سرگرمیاں شروع ہوگئیں، مختلف مقامات میں بھیجے گئے قاصد فقیروں کے بھیس میں پیامات اور خبریں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے اور عوام میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا پرچار کیا کرتے تھے، ان ہی کے ذریعہ نواب مباز الدولہ مختلف ریاستوں

کے حکمرانوں سے رابطہ قائم کیئے ہوئے تھے، اور منظم طریقوں سے بغاوت کے منصوبہ کو آگے بڑھا رہے تھے"۔

نواب مبارز الدولہ کے ذکر کے ساتھ ہمارا ذہن قدرۃً سلطان شہید ٹیپو (شہید ۱۲۱۴ھ، ۱۷۹۹ء) کی طرف منتقل ہوتا ہے، جن کا دور اور کارنامہ ہندوستان کے تمام مجاہدین آزادی اور بالغ نظر دوربیں قائدین آزادی سے پہلے شروع ہوتا ہے، اور جن کا برطانوی اقتدار کے امکانات وخطرات کو برسوں پہلے محسوس کر لینے اور اس سے نفرت کرنے میں کوئی مدِ مقابل وہمسر نظر نہیں آتا، اور جو اقبال کے الفاظ میں:

ترکشِ مارا خدنگ آخریں

کا مصداق تھے، جنہوں نے "گیدڑ کی سوسالہ زندگی پر شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے" کو ترجیح دی، اور جن کی نعش کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جنرل ہیرس (General Harris) کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ "آج ہندوستان ہمارا ہے"

بعض تاریخوں اور خاندانی دستاویزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان شہید کے خاندان کا سید احمد شہیدؒ کے خاندان سے روحانی ارتباط رہا ہے، اس مردِ مؤمن اور اس فقیر غیور اور امیر جسور کے جسم وجان میں (جس نے نہ صرف مسلمانوں بلکہ ہندوستان کی آبرو رکھ لی) خاندانِ ولی اللٰہی اور جماعتِ مجاہدین اور سید احمد شہیدؒ کے بزرگوں (سید شاہ ابو سعیدؒ اور سید شاہ ابو اللیث) کے روحانی اثرات اور ان کی آرزؤں اور تمناؤں کی روح کام کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

باوجود اس کے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی صحیح معنی میں عوامی اور قومی تھی، اور ہندو مسلمان سب اس میں شریک تھے، اور ہندوستان نے وطن دوستی، اتحاد اور گرم جوشی اور ولولہ کا ایسا منظر کبھی نہ دیکھا تھا، جیسا کہ اس وقت دیکھنے میں آیا، پھر بھی قیادت ورہنمائی کے میدان میں مسلمانوں کا پلڑا بھاری تھا، چنانچہ اکثر قائد مسلمان ہی تھے، ہنٹر (w.w.Hunter) کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کے ۱۸۵۷ء کے "غدر" میں سید

صاحب کی تحریکِ جہاد کی بچی کچھی چنگاریاں کام کررہی تھیں، وہ لکھتا ہے کہ:

''انہوں نے ہندوستان میں ایک ایسا مذہبی انقلاب برپا کردیا، جس کی مثال اس کی گزشتہ تاریخ میں نہیں ملتی، یہی انقلاب ہے جس نے پچاس سال سے انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کی روح کو دبنے نہیں دیا''

اس تحریک کی فکری اور علمی قیادت میں عظیم اللہ خان، جنرل بخت خان، خان بہادر خان، مولانا شاہ احمد اللہ، مولانا لیاقت علی الٰہ آبادی اور حضرت محل پیش پیش تھے، ان میں مولانا احمد اللہ شاہ فیض آبادی کی شخصیت بڑی ممتاز تھی، ہومز لکھتا ہے:

''مولوی احمد شاہ شمالی ہند میں انگریزوں کا سب سے بڑا دشمن تھا''

پنڈت سندر لال کہتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ دنیا کی آزادی کے شہیدو میں ۱۸۵۷ء کے مولوی احمد اللہ شاہ کا نام ہمیشہ کے لئے قابلِ احترام رہے گا''

میلی سن لکھتا ہے:

''مولوی احمد اللہ ایک بڑا ہی حیرت انگیز انسان تھا، غدر کے دنوں میں سپہ سالار کی حیثیت سے اس کی قابلیت کے بہت سے ثبوت ملے، کوئی بھی دوسرا آدمی فخر کے ساتھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں نے دوبار سرکالن کیمپ بل کو میدان میں شکست دی''

نیز لکھتا ہے:

''احمد اللہ شاہ سچا محبِ وطن تھا، اس نے کسی نہتے کا خون بہا کر اپنی تلوار کو ناپاک نہیں کیا، بہادری کے ساتھ ڈٹ کر کھلے میدان میں ان بدیسیوں کے ساتھ جنگ کی جنہوں نے اس کے وطن کو چھین لیا تھا، ہر ملک کے بہادر اور سچے لوگوں کو چاہئے کہ مولوی احمد شاہ کو عزت کے ساتھ یاد رکھیں''

یہ ایک قتلِ عام تھا، لیکن مسلمان خاص طور سے اس کا نشانہ تھے، اس لئے کہ بہت سے ذمہ دار انگریز یہ کہتے تھے کہ یہ اسلامی جہاد تھا، اور مسلمان اس بغاوت کے بانی،

قائد اور رہنما ہیں، ایک انگریز مصنف ہنری میڈ (Henry Mead) کہتا ہے :

اس سرکشی کو موجودہ مرحلہ میں سپاہیوں کی بغاوت کا نام نہیں دیا جا سکتا، یقیناً اس کا آغاز سپاہیوں سے ہوا، لیکن بہت جلد اس کی حقیقت آشکارا ہوگئی، یعنی یہ اسلامی بغاوت تھی"

ایک معاصر مؤرخ لکھتا ہے:

ایک انگریز کا شیوہ یہ ہوگیا تھا کہ ہر مسلمان کو باغی سمجھتا تھا، ہر ایک سے پوچھتا ہندو ہے یا مسلمان؟ جواب میں مسلمان سنتے ہی گولی مار دیتا"

پھر پھانسی کا سلسلہ شروع ہوا، عام شاہراہوں اور سڑکوں پر پھانسی کے تختے لگا دئے گئے اور یہ جگہیں انگریزوں کی تفریح اور دلچسپی کا مرکز بن گئیں، جہاں آکر وہ پھانسی پانے والوں کے سسکنے اور دم توڑنے کے وقت کا لطف لیتے، سگریٹ کا کش لگاتے اور آپس میں باتیں کرتے رہتے، جب پھانسی کا کام پورا ہو جاتا اور وہ مظلوم شخص آخری سانسیں لیتا تو ہنسی اور مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کرتے، ان بدنصیبوں میں بڑے بڑے ذی وجاہت اور شریف لوگ تھے، بعض مسلم محلے اس طرح تہہ تیغ کر دئے گئے کہ ایک فرد بھی باقی نہ بچا۔

ایک معاصر مؤرخ لکھتا ہے:

"ستائیس ہزار اہل اسلام نے پھانسی پائی، سات دن برابر قتل عام رہا، اس کا حساب نہیں، اپنے نزدیک گویا نسل تیموریہ کو نہ رکھا، مٹا دیا، بچوں تک کو مار ڈالا، عورتوں سے جو سلوک کیا بیان سے باہر ہے، جس کے تصور سے دل دہل جاتا ہے"

میلی سن لکھتا ہے:

"ہمارے فوجی افسر ہر قسم کے مجرموں کو مارتے پھرتے تھے، اور کسی درد تأسف کے بغیر انہیں پھانسیاں دے رہے تھے، گویا وہ کتے تھے یا گیدڑ، یا ادنیٰ قسم کے کیڑے مکوڑے"

فیلڈ مارشل لارڈ ابریس نے ۲۱ جون ۱۸۵۷ء کو اپنی والدہ کو لکھا:

"سزائے موت کی سب سے زیادہ موثر صورت یہ ہے کہ مجرم کو توپ سے اڑا دیا جائے، یہ بڑا ہی خوف ناک نظارہ ہوتا ہے، لیکن موجودہ وقت میں ہم احتیاط پکار بند نہیں ہو سکتے، ہمارا مقصد ان بدمعاش مسلمانوں پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ خدا کی مدد سے انگریز اب بھی ہندوستان کے مالک رہیں گے"

ایک عجیب و غریب جذباتی طریقہ سے جس کی انگریز جیسی دستوری اور جمہوری قوم سے توقع نہیں تھی، ۱۸۶۵ء میں مولانا یحییٰ علی، مولانا احمد اللہ عظیم آبادی، مولوی عبدالرحیم صادق پوری، اور مولوی محمد جعفر تھانیسری کو جو سب جماعت مجاہدین سے تعلق رکھتے تھے، انڈمان روانہ کر دیا گیا، مولانا یحییٰ علی اور مولانا احمد اللہ کا انڈمان میں انتقال ہو گیا، اور مولوی محمد جعفر اٹھارہ سال کی قید با مشقت اور جلا وطنی کے بعد اپنے وطن واپس ہوئے، پٹنہ میں اہل صادق پور کی تمام جائدادیں ضبط کر لی گئیں، ان کی عمارتیں گرا دی گئیں، اور ان پر ہل چلوا دیا گیا، اور اس زمین پر نئی سرکاری عمارتیں قائم کی گئیں، ان کے مقبروں کو تباہ و برباد کر دیا گیا، یہ سب انتقامی جذبہ کے ماتحت اور دل ٹھنڈا کرنے کے لئے کیا گیا۔

اسی طرح ہندوستان کے ممتاز اور جلیل القدر علماء کی خاصی تعداد کو انڈمان میں جلا وطنی کی سزا دی گئی، جن میں مولانا فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مفتی مظہر کریم دریابادی کے نام قابل ذکر ہیں، مولانا فضل حق خیر آبادی تو وہیں انتقال کر گئے اور بقیہ دو عالم عرصے کے بعد وطن واپس ہوئے۔

۱۹۱۲ء میں بلقان کی جنگ چھڑی اور یورپین حکومتوں بالخصوص برطانیہ کے خلاف (جو اس وقت ان کا لیڈر تھا) رائے عامہ میں غم و غصہ کی ایک شدید لہر دوڑ گئی اور مشرق کے اسلامی سیاسی شعور کا لاوا جو اندر ہی اندر پک رہا تھا پھوٹ پڑا، اسی زمانہ میں مولانا ابوالکلام آزاد نے "الہلال" نکالا، جس میں سخت آتشیں مضامین شائع ہوتے، اور

یورپ کی مسلم دشمن سیاست پر بڑی فصاحت وقوت کے ساتھ بھرپور تنقید کی جاتی، ہزاروں لاکھوں مسلمان ذوق وشوق کے ساتھ اس کو پڑھتے تھے، مولانا محمد علی جوہر نے کلکتہ سے کامریڈ (Comrade) نکالا جو بعد میں دہلی منتقل ہوگیا، وہ انگریزی سیاست پر لطیف اور طنز آمیز اسلوب میں تنقید کرتا تھا، اسی طرح مولانا ظفرعلی خان کا اخبار ''زمیندار'' اور دوسرے اسلامی اخبارات اور رسالے منظر عام پر آئے اور ان کے ذریعہ سے پورے ہندوستان میں ایک فکری بغاوت یا انقلاب کی آگ پھیل گئی، جس کے نتیجہ میں حکومتِ ہند نے مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسرت موہانی کو گرفتار کرلیا۔

اسی دور میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی کو ان کے تلامذہ و رفقاء کے ایک گروہ کے ساتھ جس میں مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، برطانوی حکومت نے حجاز سے نکال کر جزیرۂ مالٹا میں اسیر ونظر بند کردیا، جہاں تین سال دو مہینے رہنے کے بعد ہندوستان آئے، رہائی کے بعد ان علمائے کرام نے جنگ آزادی اور سیاسی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جن میں مولانا مدنی، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے قید وبند کی مصیبتیں اُٹھائیں، ان کا مقاطعہ بھی ہوا لیکن وہ پوری مستقل مزاجی سے اپنا کام کرتے رہے، جنگ آزادی کے قائدین میں مذکور الصدر حضرات کے علاوہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا معین الدین اجمیری، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بہاری کے نام بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔

مسلمانوں کی سیاسی بیداری اور ان میں خوداعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کے سلسلہ میں علامہ شبلی نعمانی مرحوم کے حصہ کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جنہوں نے ''الہلال'' کی نظموں اور ''مسلم گزٹ'' کے مضامین کے ذریعہ برطانیہ کی وفاداری کی پالیسی اور مسلمانوں کی کمزور سیاست پر سخت تنقید کی، اور تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہن کو متاثر کیا۔

ہندوستان کی تحریک آزادی اور غیر ملکی اقتدار سے (جو دین و مذہب، اخلاق واقتدار، تمدن ومعاشرت، اقتصادیات، ہندوستان کی خوش حالی اور صنعتی خود کفالتی کے لئے خطرہ تھا) نجات حاصل کرنے کی تحریک و جدو جہد میں علمائے دین، سرفروش مجاہدین اور صاحب حمیت وغیرت مسلمانوں کا جو قائدانہ اور سرفروشانہ حصہ تھا اس کی کسی قدر تفصیل سطور بالا میں آچکی، ادب و شاعری کے ذریعہ ان کے ادیبوں اور شاعروں نے جس جرأت مندانہ طریقہ پر اس تحریک و جدو جہد میں تپش وسوزش پیدا کی، اس کا مفصل تاریخی جائزہ لینے کے لئے ایک جفاکش ودیدہ ور مؤرخ وادیب کا قلم درکار ہے "الہلال"، "کامریڈ" اور "زمیندار" کے آتشیں مقالات اور ولولہ انگیز نظموں اور تبصروں سے بہت پہلے جماعتِ مجاہدین کے ادیبوں اور شاعروں نے یہ کام شروع کر دیا تھا، اس نازک دور میں جب ایک تیز لفظ پر پھانسی دی جاسکتی تھی، حضرت سید احمد شہیدؒ کی جماعت کے ایک فرد سید محمد امین صاحب امروہی (م ۱۲۸۵ھ، ۱۸۶۸ء) کا یہ شعر بڑی اہمیت رکھتا ہے، اور وہ ان حالات میں ایک جرأت قلندرانہ بلکہ اقدام سرفروشانہ سے کم نہیں، انگریز حوصلہ مندوں کے بارے میں جو ہندوستان پر تسلط حاصل کرتے جارہے تھے، وہ ایک قصیدہ میں کہتے ہیں:

به نیر وئے اسلامیاں زور ده
که شد ازسگاں شہرہا کور ده

"مسلمانوں کے ہتھیاروں میں زور دے اس لئے کہ (مہذب وترقی یافتہ) شہر ان فرنگی کتوں کی وجہ سے گھٹیا دیہات اور "کور دہ" مقامات بن گئے ہیں"

اپنے فرزند کے لئے دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مجاہد چنانش کن اندر غزا
کزو تار سد بر نصاریٰ سزا

"اس کو ایسا مجاہد وغازی بنا کہ اس سے ان فرنگی عیسائیوں کو کچھ سبق ملے"

ادبی رزمیہ کا یہ سلسلہ اردو کے نامور و صاحب اسلوب شاعر حکیم مومن خاں مومن کے قصیدۂ جہادیہ اور مولانا خرم علی بلوری کی مثنوی جہادیہ سے شروع ہو کر بیسویں صدی عیسوی کی ان ولولہ انگیز مجاہدانہ نظموں اور شاہناموں پر مشتمل نظر آئے گا، جنہوں نے عرصہ تک تعلیم یافتہ حلقوں، شرفاء کے خاندانوں یہاں تک کہ مستورات میں شہادت فی سبیل اللہ کی قدر اور جہاد و سرفروشی کی ایسی عظمت و اہمیت پیدا کر دی کہ وہ اپنے لختہائے جگر فرزندوں، پوتوں اور نواسوں کو اس شعر کی لوری سنا سنا کر سلاتی تھیں:

الٰہی ! مجھے بھی شہادت نصیب
یہ افضل سے افضل عبادت نصیب

ان رزمیہ شعری مجموعوں اور شاہناموں میں خاندان حضرت سید احمد شہیدؒ کے ایک پرفکر و قادر الکلام شاعر منشی سید عبدالرزاق صاحب کلامی (م ۱۳۴۳ھ، ۱۹۱۶ء) کی ''صمصام الاسلام'' منظوم ''فتوح الشام'' (واقدی) خاص طور پر قابل ذکر ہے، جو پچیس ہزار (۲۵۰۰۰) اشعار پر مشتمل ہے اور جو راقم السطور کے بچپن تک یوپی، دہلی، دوآبہ اور راجپوتانہ کے دیندار خاندانوں کی مجلسوں اور تقریبوں میں پڑھی جاتی تھی اور اس سے سننے والی مسلمان خواتین اور اپنی ضرورتوں سے آنے والے ان کے خورد سال فرزندوں میں حرارتِ ایمانی و جوش اسلامی موجیں مارنے لگتا تھا۔

حضرات! آخر میں یہ عرض کرنے کی جرأت کروں گا کہ ابھی ان لوگوں کا جنہوں نے جنگِ آزادی میں قائدانہ و مجاہدانہ کردار ادا کیا تھا کام ختم نہیں ہوا، اب ان کو اس آزاد خود مختار ملک میں مصلحانہ و مفکرانہ کردار ادا کرنا ہے، پہلے اس ملک کی زمین کو آزاد کرانے کا مرحلہ تھا، اب اہل ملک کے ضمیر کو آزاد کرانے کا مسئلہ ہے جو اس سے کسی طرح کم اہم اور ضروری نہیں، غیر ملکی اقتدار کتنا ہی کسی قدر طویل مستحکم ہوا ایک غیر فطری اور عارضی صورتِ حال تھی جس کو دیر سویر ختم ہونا تھا، لیکن اہلِ ملک کی اپنے آپس میں ہوس اقتدار، ایک دوسرے کا ناجائز استحصال، دولت کی حد سے بڑھی ہوئی محبت، اخلاق

واقتدار واصول سے بے نیازی اور حد سے بڑھا ہوا نسلی، لسانی اور فرقہ وارانہ تعصب ومنافرت اور تنگ نظری، غیر ملکی اقتدار اور دور غلامی سے کم شرمناک اور خطرناک نہیں، جن کے پاس اب بھی دینی رہنمائی، آسمانی تعلیمات، نبیؐ و متبعین نبی کا اسوہ، حیات آفریں تاریخ اور نثر و نظم کی شکل میں ولولہ انگیز و رہنما ادب موجود ہے، ان کی ذمہ داری ہے کہ اس ملک کو ان امراض و خطرات سے بچانے کے لئے جان کی بازی لگادیں۔

اقبال کے ان اشعار پر اپنے اس معروضہ کو ختم کرتا ہوں:

بینی جہاں را خود را نہ بینی
تا چند غافل فارغ نشینی
نورِ قدیمی شب را بافروز
دست کلیمی در آستینی
بیرون قدم نہ از دور آفاق
تو بیشتر ازینی، تو پیشتر ازینی

آزادیٔ وطن کی جدوجہد

خطیب: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ

پاسبان ملک وقوم!

ہم یہ پورے وثوق سے عرض کرتے ہیں کہ مسلم مجاہدین آزادی اوران کی نمائندہ تنظیم، جمعیۃ علماء ہند نے ملک کی آزادی کے لئے جو قربانیاں دی ہیں، ان کے ذکر کے بغیر کاروان آزادی کی کوئی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی ہے، برٹش سامراجی حکومت کے شکنجے سے وطن عزیز کو آزاد کرانے میں مسلم حریت پسندوں کی حیثیت ہراول دستے کی رہی ہے، سراج الدولہ نے ۱۸۵۷ء سے پہلے فرنگی فوجوں سے معرکہ آرائی کی، کلکتہ کو انگریزوں سے چھین کر ہندوراجہ کے حوالے کردیا تھا، جون ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی میں اگر اندرونی غداروں کا تعاون انگریزوں کو نہ ملتا تو جنگ کا نقشہ کچھ اور ہوتا، انہوں نے آزادی کے لئے جان دے دی، لیکن انگریزوں کی غلامی قبول نہیں کی، اسی طرح ٹیپو سلطان نے بے مثال عزم وشجاعت سے برٹش سامراج کے ساتھ اس کے حلیفوں (مرہٹہ، نظام حیدرآباد) سے ۱۷۶۶ء تا ۱۷۹۹ء، ۳۳ رسال تک مقابلہ کیا، متعدد جنگوں میں انگریزی فوج کو ذلت آمیز شکست دی، لیکن انہیں بھی اندرونی غداروں (مہاراجہ ریاست میسور) وغیرہ اور سامراجی سازش کی وجہ سے جام شہادت پینا پڑا، سلطان ٹیپو ہندوستان کے لئے بھاری اور آخری چٹان تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کی شہادت کی تصدیق ہوتے ہی لارڈ ہارس کہہ اُٹھا کہ ''آج ہندوستان ہمارا ہے'' افسوس ہے کہ ملک کے ایسے جانباز سپوت کو بھی سازش اور گندی ذہنیت کے تحت انگریز اور اس کی تقلید میں

فرقہ پرست مطعون کرتے ہیں، حالاں کہ غیر جانب دار، منصف مزاج مورخین نے سلطان ٹیپو کی بے مثال مذہبی رواداری، انصاف پسندی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ پہلا باشعور، بیدار ذہن حکمراں تھا، جس نے محسوس کیا کہ انگریز اس ملک کے عوام اور آزادی کے اصل دشمن ہیں، اس نے آزادی وطن کی تحریکوں کو راہ دکھائی، دیکھئے ہندوستان ٹائمز (بابت ١٦ر نومبر ١٩٨٥ء میں رماشیام سندر کی تحریر) نوے کی دہائی میں آر ایس ایس نے ٹیپو سلطان کے خلاف بہت شور مچایا، اس کے ہفت روزہ ترجمان پانچ جنیہ اور آرگنائزر نے جھوٹے الزامات پر مبنی تحریریں شائع کیں، جب تنازعہ بڑھا تو فیصلہ کے لئے آر ایس ایس، بی جے پی لیڈر اور آرگنائزر کے سابق ایڈیٹر کے آر ملکانی کو منتخب کیا گیا تھا، ملکانی صاحب کا فیصلہ تھا کہ ”ٹیپو سلطان نے غلامی اور بے عزتی پر موت کو ترجیح دی، اگر وہ چاہتا تو انگریزوں کے سامنے سر جھکا کر ایک حکمراں کی حیثیت سے رہ سکتا تھا، اٹھارویں صدی کے حکمرانوں میں وہ تنہا ایسا فرد ہے جو غیر ملکی طاقت سے جنگ کرتا ہوا شہید ہوا، آج آزاد ہندوستان کے شہری اس شیر کو سلام کئے بغیر نہیں رہ سکتے“

اس طرح کے اور بھی بہت سے حوالے آنجہانی بشمبر ناتھ پانڈے نے اپنی کتاب ”اسلام اینڈ انڈین کلچر“ میں دئے ہیں، مسلم حریت پسند مجاہدین کی ایک طویل فہرست ہے، جب سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد انگریزوں کے لئے کوئی مزاحم قوت نہیں رہی تو انگریزوں کا رخ دہلی کی طرف ہوا، ١٨٠٣ء میں انگریز فاتحانہ دہلی میں داخل ہوئے اور مجبور بادشاہ شاہ عالم سے جبراً یہ معاہدہ تحریر کرایا ”خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم بہادر کمپنی کا“ ایسے حالات میں سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے ہندوستان کے دار الحرب ہونے کا فتویٰ دیا اور اعلان کیا کہ اب ملک غلام ہو گیا ہے، لہٰذا جہاد کیا جائے، اس کی تعمیل میں شاہ صاحب کے تلامذہ اور منتسبین نے حضرت سید احمد شہیدؒ کی قیادت میں علم جہاد و حریت بلند کیا، انہیں انگریز میدان جنگ میں شکست نہیں دے سکے تو غداریوں اور سازشوں کا جال پھیلایا گیا، نتیجے میں حضرت

سید صاحبؒ کے ساتھ ہزاروں جیالوں نے ۸؍سال تک جہاد کرتے ہوئے بالاکوٹ کے میدان میں جام شہادت نوش کیا، ۱۸۵۷ء میں اسی سلسلہ ولی اللہی کے بہادر سپوتوں نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی قیادت میں شاملی مظفرنگر کے میدان میں انگریزوں سے مسلح جنگ کی تھی، اس میں حصے لینے والوں میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حافظ ضامن شہیدؒ کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ۱۸۵۷ء میں دوبارہ قبضے کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے حکم جاری کردیا کہ جہاں مولوی ملے قتل کردیا جائے، مولوی کی پہچان چہرے پر داڑھی اور لمبا کرتہ سے کی گئی، چنانچہ دو ہفتے تک انگریز فوجیں، پولیس اور ملازمین گاؤں گاؤں قصبہ قصبہ، شہر شہر داڑھی کرتے والوں کو قتل کرتے پھرتے تھے، صرف دہلی میں پانچ سو سے زائد افراد قتل کئے گئے، پچاسوں ہزار پورے ملک میں قتل کئے گئے، اس کے بعد ملک کی تیسری جنگ آزادی کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے ترتیب دیا تھا، انہوں نے اس وقت آزادی کی جدوجہد شروع کردی تھی، جب کانگریس قائم بھی نہیں ہوئی ۱۸۷۸ء میں اپنے استاد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ایماء پر ''انجمن ثمرۃ التربیت'' قائم کی تھی، جس کا مقصد آزادی کے لئے افراد تیار کرنا تھا، جب کہ کانگریس کا قیام ۱۸۸۵ء کو عمل میں آیا تھا، انہوں نے ''جمعیۃ الانصار'' (۱۹۰۹) ''نظارت المعارف القرآنیہ'' (۱۹۱۳) میں قائم کرکے مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے کام لیا، آزادی وطن کے لئے مختلف سطحوں پر جدوجہد شروع کی گئی، مرحوم خان عبدالغفار خان سرحدی نے دیوبند میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ حضرت شیخ الہند سے ہدایات لینے کے لئے سرحد سے آتے تھے اور دیوبند کے قریب پہلے یا بعد والے اسٹیشن پر دونوں کی بات چیت ہوتی تھی، حضرت شیخ الہند نے جہاں ایک طرف ملک سے باہر انگریزوں کے خلاف محاذ جنگ تیار کرنے کے لئے اپنے شاگردوں، مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ، ڈاکٹر برکت اللہ بھوپالی وغیرہ کو ۱۹۱۵ء میں افغانستان بھیجا، ان حضرات کے علاوہ حاجی ترنگ زئی،

شیخ عبدالرحیم سندھیؒ، مولانا فضل ربی پشاوری، مولانا سیف الرحمٰن، پیر غلام مجدداو پیر لگاڑ کے لوگ بھی حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک کے والنٹیر تھے، ان حضرات نے کابل میں یکم دسمبر ۱۹۱۵ء میں آزاد جلاوطن حکومت قائم کی، جس کے صدر راجہ مہندر پرتاپ اور وزیر خارجہ مولانا سندھیؒ بنائے گئے، اس حکومت کی طرف سے روس، ترکی اور جرمنی وغیرہ میں اپنے وفود بھی بھیجے گئے۔

دوسری طرف اسی استخلاص وطن کے مقصد کی تکمیل کے لئے ستمبر ۱۹۱۵ء میں خود حجاز تشریف لے گئے، جہاں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ۴۰ر چالیس ہزار باشندگان مدینہ کے ساتھ شاندار استقبال کیا، آپ کے ذریعہ گورنر مدینہ انور پاشا، جمال پاشا وغیرہ سے ملاقاتیں ہوئیں، حج کے بعد ترکی ہوتے ہوئے کابل (افغانستان) پہنچنے کا پروگرام بنایا گیا، مگر سوئے اتفاق راز فاش ہوگیا اور تحریک کے ۲۲۳ر افراد ہندوستان میں گرفتار کر لئے گئے، اس کے علاوہ انگریز کی سازش سے شریف حسین مکہ نے ترکوں کے خلاف بغاوت کردی، انگریز کے کہنے پر حضرت شیخ الہندؒ کو اپنے رفقاء حضرت شیخ الاسلامؒ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا عزیز گلؒ صاحب، حکیم نصرت حسین صاحب، مولانا وحید احمد فیض آبادیؒ کے ساتھ گرفتار کر کے جدہ میں انگریزوں کے سپرد کردیا اور قاہرہ کے قریب فوجی عدالت میں ایک ماہ تک مقدمہ چلا، کوئی ثبوت اور اقرار نہ ہونے کی وجہ سے مالٹا لے جاکر نظر بند کردیا گیا، جہاں پہلے ہی سے پورے عالم کے بڑے بڑے انگریز دشمن فوجی وسیاسی افراد قید تھے، مالٹا میں حضرت شیخ الہند اپنے رفقاء کے ساتھ تقریبا چار سال نظر بند رہے، اسیری کے دوران بڑے بڑے مخالف انگریز فوجی وسیاسی رہنما افراد حضرت شیخ الہندؒ کے پاس جمع ہوتے تھے اور گھنٹوں ہندوستان اور دیگر ممالک کی آزادی پر بحث وگفتگو ہوتی تھی، بحث کے بعد یہ نتیجہ نکالا جاتا کہ جب تک ہندوستان کے تمام باشندے مل کر یہ نہ کہیں گے کہ انگریزو، منھ کالا کرو، تب تک ملک غلام رہے گا، اس وقت ملک کی ہندو اکثریت

آزادی کی جدوجہد سے الگ تھلگ تھی اور انگریز کی گود میں تھی، جب پہلی جنگ کے ختم ہونے کے بعد تمام نظر بندوں کی رہائی کا اعلان ہوا تو حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء کی بھی رہائی عمل میں آئی، جب جون ۱۹۲۰ء کو یہ قافلہ حریت ممبئی پہنچا تو ممبئی کی گودی پر اس کا استقبال کرنے والے ہزاروں عقیدت مندوں میں مولانا مفتی کفایت اللہؒ، مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ، ڈاکٹر انصاریؒ، حکیم اجمل خاںؒ، مولانا آزادؒ، علی برادران وغیرہ کے ساتھ موہن داس کرم چند گاندھی بھی تھے، خلافت ہاؤس ممبئی میں تحریک آزادی کے آئندہ طریقہ کار پر غور وخوض ہوا، حضرت شیخ الہندؒ نے مالٹا کی سرگزشت سنائی اور کہا کہ مالٹا میں میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ پلیٹ فارم بنایا جائے اور مشترک ہندو لیڈر شپ جس کے اوپر ہندو اکثریت اعتماد کر کے آزادی کی تحریک میں شریک ہو اور انگریز کی گود سے نکلے اس کے بغیر ملک آزاد نہیں ہوسکتا ہے، بعض حضرات نے لیڈر شپ کے لئے پنڈت مدن موہن مالویہ، ساور کر اور دیگر لیڈروں کے نام پیش کئے، لیکن حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ اس نوجوان (موہن داس کرم چند گاندھی) کو ہی مشترکہ پلیٹ فارم کی قیادت کے لئے کیوں نہ منتخب کرلیا جائے، لہٰذا ان کا انتخاب ہوگیا، کانگریس جو اس وقت تک انگریز کی ٹوڈی جماعت تھی کو مشترکہ پلیٹ فارم بنایا گیا اور ٹوڈی لوگوں کو جماعت سے نکالا گیا، جمعیۃ کے اجلاس میں مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ نے گاندھی جی کو مہاتما کا خطاب دیا، مسلمانوں کے فنڈ سے گاندھی جی کو پورے ملک میں دورہ کرا کر متعارف کرایا گیا، جس سے آزادی کی تحریک کو قوت ملی، آزادی کا قافلہ بنتا چلا گیا۔

نومبر ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کا قیام انقلابی تحریک آزادی کا فیصلہ کن موڑ تھا، مسلح انقلاب آزادی کی راہ ترک کر کے عدم تشدد کا راستہ اختیار کیا گیا اور بہت جوش وسرگرمی کے ساتھ تحریک آزادی کو آگے بڑھایا گیا اور نان کوآپریشن کا فتویٰ دیا گیا، اس پر عمل کرتے ہوئے لاکھوں مسلمانوں نے انگریزی مصنوعات کو جلایا، برسوں ۱۹۱۹ء سے

۱۹۳۰ء تک جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس کے اجلاس ایک میدان میں تین پنڈال کے نیچے ہوتے رہے اور برسوں جمعیۃ کے دفتر میں حکیم اجمل خاںؒ صاحب یا ڈاکٹر انصاریؒ صاحب آتے اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ مسودے لکھ کر دیتے اور ورکنگ کمیٹیوں میں تجاویز منظور ہوتی تھیں، کانگریس جمعیۃ کے اجلاس کی تجاویز کا انتظار کرتی تھی، گیا کے کانگریس اجلاس میں صدر مسٹر آر، داس نے آٹھ گھنٹے جمعیۃ علماء ہند کے گیا اجلاس (منعقدہ دسمبر ۱۹۲۲ء) کی تجاویز کا انتظار کیا تھا، مئی ۱۹۳۰ء میں جمعیۃ علماء ہند کے نویں اجلاس عام امروہہ میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰنؒ نے کانگریس کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند کے تعاون واشتراک کی تجویز پیش کی جس کی تائید میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے تقریریں کی تھیں اور ریزلیوشن منظور ہوا تھا۔

حضرات گرامی قدر! آج مسلم مجاہدین آزادی اور مسلمانوں کی قربانیوں کو فراموش کیا جارہا ہے، لیکن یہ تو تاریخ ہے کہ جمعیۃ علماء ہند نے ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۲ء میں انگریزوں کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلائی تھی، ۱۹۳۲ء کی تحریک میں ۹۰ ر ہزار افراد گرفتار ہوئے تھے، جن میں تقریباً ۴۵ ر ہزار مسلمان تھے، ۱۹۴۲ء کی کوئٹ انڈیا کی تحریک میں کانگریس کی طرح جمعیۃ علماء ہند کے ہزاروں عہدے دار، کارکن اور رضا کار پورے ملک میں گرفتار ہوئے تھے، جن میں مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا نورالدین بہاری، مولانا سید محمد میاں صاحبؒ، مولانا اختر الاسلام صاحبؒ، قاری عبداللہ صاحبؒ وغیرہ کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں، حضرت مدنیؒ اس سے پہلے ہی گرفتار کئے جا چکے تھے، اس کے علاوہ ملک کے آزاد ہونے ۱۹۴۷ء تک مسلم مجاہدین خصوصاً علماء اکابر نے آزادی کے لئے جو جان و مال کا نذرانہ پیش کیا اور قید و بند کی جو مصیبتیں اٹھائیں وہ تاریخ حریت کے سنہری ابواب ہیں، جن پر پردہ ڈالنے کی حکومتی سطح پر کوشش کی جارہی ہے۔

جنگِ آزادی اور مسلمان

خطیب: مولانا محمد کاظم ندوی صاحب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَo اَمَّابَعْدُ!

حضرات گرامی و معزز سامعین!

آج کی اس مجلس میں میری گفتگو کا موضوع ہے "جنگ آزادی اور مسلمان" اس عنوان کے تحت یہ بتانے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ مسلمانوں نے ہندوستان کی آزادی کی جنگ میں کیسا رول ادا کیا، اور وہ اپنا خون پسینہ ایک کر کے کس طرح اس عظیم ملک ہندوستان کو آزاد کرانے میں کوشاں رہے اور آزادیٔ ہند کی جنگ میں ان کا کیا کردار رہا؟ اس عنوان سے اس لئے گفتگو کرنا چاہتا ہوں کہ آج ہماری نئی نسل کو تاریخ کی اتنی موٹی موٹی باتیں معلوم نہیں ہیں، اور برادران وطن میں سے جن کو مسلمانوں کی جدو جہد، قربانیوں اور ان کی سرفروشیوں کی داستان معلوم بھی ہے تو موقع پڑنے پر ان سرفروشوں کے کارناموں اور ان کے ناموں تک کو نظر انداز کر کے ایسے افراد کو سامنے لایا جاتا ہے جن کی قربانیاں مسلمانوں کی قربانیوں کی رہین منت ہیں۔

خدا کرے آج کی مجلس میں اس موضوع پر مفید اور کارآمد باتیں کہہ سکوں، جن سے آپ سب کو کچھ فائدہ پہونچے، اگر میری باتوں سے ایک آدمی کو بھی کچھ فائدہ پہونچ گیا تو میں یہ سمجھنے پر مجبور ہونگا کہ میری محنت اکارت اور رائگاں نہیں ہوئی، بلکہ میں اپنے مقصد میں کامیاب رہا، اور میری محنت مفید اور کارآمد ثابت ہوئی۔

حضرات! ہمارے عظیم ملک ہندوستان پر انگریزوں نے قبضہ کر کے تقریباً ایک سو سال تک حکومت کی اور وہ اتنی مدت تک یہاں کی ہر چیز پر قابض اور وہ یہاں کے سیاہ سفید کے مالک بنے رہے، انگریز ہندوستانی باشندوں کو ستاتے اور پریشان کرتے رہے، اور ان کو اپنی غلامی اور ماتحتی کے بندھن میں جکڑے رہے اور ان پر ظلم وستم اور ذلت ونکبت کے پہاڑ توڑتے رہے۔

حضرات! اللہ رب العزت نے کرم کیا اور ہندوستانی باشندوں کے دلوں میں جذبۂ حریت بیدار کیا، جس سے ہندوستان کے ہر ہر ذرہ کو آزاد کرانے کی خواہش ان کے دلوں میں پیدا ہوئی، اور یہ احساس ان کے دلوں میں جاں گزیں ہو گیا کہ چاہے جس قیمت پر بھی ہو، ہمیں ہندوستان کو آزاد کرا کے دم لینا ہے، اس مسئلہ میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک تھے، اور دونوں فریق کے نمائندے دانشور، مجاہدین سرفروش اور ملی وسماجی رہنما سر جوڑ کر بیٹھے اور سب مل جل کر اپنے اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی فکر میں لگے رہے۔

حضرات! آزادئ ہند کی جنگ اور اس کی جدوجہد میں مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کی قربانیاں ہیں، مگر اس وقت ہمیں یہ دکھانا ہے اور آپ کو یہ بتانا ہے کہ مسلمان مجاہدین آزادی نے اس ملک کو آزاد کرانے میں کیسا رول ادا کیا، اور ان کے کارنامے کس انداز کے ہیں؟ جنہیں آج ہم نے خود ہی دل سے بھلا دیا ہے، غیروں کی بات کیا کریں؟

جو پڑھا لکھا تھا نیاز نے اسے صاف دل سے بھلا دیا

حضرات! آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں، اس دور میں کرکٹ کے کھلاڑیوں اور فلمی ایکٹر اور ایکٹرس کے نام تو ہمیں خوب یاد ہیں، مگر انبیاء علیہم السلام، صحابۂ کرامؓ، بزرگانِ دین، اور آزادئ ہند کے مسلم سرفروشوں کے نام ہمیں کچھ بھی یاد نہیں ہیں۔

ہماری اس غفلت کوشی اور شرارتوں نیز ہماری اس بدنصیبی پر آسمان بھی ٹوٹ کر ہمارے اوپر گر جائے تو کم ہے، کیونکہ ہم نے اسلاف اور ان کے کارناموں سے یکسر

آنکھیں بند کر لی ہیں، اور کرکٹ کے کھلاڑیوں نیز فلمی دنیا کے فنکاروں اور ان کے شہپاروں سے ہم نے دلچسپی پیدا کر لی ہے، اللہ رب العزت ہمیں اسلاف کے حالات کی جانکاری حاصل کرنے اور ان کے کارناموں کی تفصیلات کو جاننے کی توفیق عطا کرے۔

حضرات! وہ وقت یاد کیجئے جب مغلیہ سلطنت کے ستونوں میں دیمک لگ چکی ہے، ایسٹ انڈیا کمپنی کے سہارے فرنگی لٹیرے ہندوستان کے سیاہ وسفید پر اپنی غاصبانہ حکومت اور قیادت وسیادت کا تانہ بانہ تیار کر رہے ہیں، اور اپنی اس تحریک کو آہستہ آہستہ استحکام کی دولت سے مالا مال کر رہے ہیں، بالآخر فرنگی ۱۸۵۷ء میں اپنی چابک دستی دکھا کر ہندوستان پر قبضہ جما لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

سلطنت مغلیہ جس کے حکمراں مسلمان تھے، اس سلطنت کا خاتمہ اور انگریزوں کی دسیسہ کاریوں سے ہندوستان پر ان کا قبضہ مسلمانوں کو بہت ناگوار ہوا، کیونکہ ایک طرح سے یہی فرنگی یہاں کے آقا اور حکمراں بن گئے، اور یہاں کے عوام وخواص ان کے غلام اور نوکر چاکر، اللہ رب العزت ان علماء اور مسلمانوں پر اپنی رحمت نازل کرے جنہوں نے فرنگیوں سے برسرِ پیکار ہونے کی ٹھان لی، اور اپنے ملک اور یہاں کی اپنی حکومت کو ان فرنگیوں کے قبضہ وتسلط سے آزاد کرانے کا بیڑا اٹھالیا، انگریزوں نے غدر کے نام سے جو ہنگامہ برپا کیا تھا، اور ہندوستان پر قبضہ کر لینے میں جو کامیابی حاصل کر لی تھی، اس موقع پر ہمارے علماء اور مسلمان مجاہدوں نے ان فرنگیوں کی فوجوں سے جنگ و جدال بھی کئے، بقول مولانا انظر شاہ صاحب یہی وہ دور ہے جس میں حضرت حاجی امداد اللہؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حافظ ضامن شہیدؒ نے باقاعدہ شاملی کے میدان میں انگریزوں کے اقتدار کو چیلنج کیا، اور معلوم ہوگا کہ کچھ وقت کے لئے ان مجاہدین کا شاملی کے اطراف پر تسلط بھی رہا، اگرچہ اس جدوجہد میں بظاہر مجاہدین کو ناکامی ہوئی، لیکن بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ:

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میر
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

حضرات! حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، اور ان کا پورا خاندان ہندوستان کی آزادی کے قائدین اور مجاہدین میں سے ہے، جسے تاریخ بھلا نہیں سکتی، حضرت شاہ اسمٰعیل شہید بھی اسی خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں، جنہوں نے معرکۂ بالاکوٹ میں حضرت سید احمد شہید کی قیادت میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

تحریک آزادئ ہند کے مجاہدین اور قائدین میں حضرت حاجی امداد اللہؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے جو قربانیاں دیں یہاں حضرات کا ایسا کارنامہ ہے جو تاریخ کے صفحات پر آب زر سے لکھنے کے لائق ہے، حضرت حاجی صاحب کو فرنگیوں کی زیادتیوں کی وجہ سے ہجرت پر مجبور ہونا پڑا، اور حضرت گنگوہی مظفر نگر کے جیل میں ڈال دیئے گئے، اسی طرح حضرت نانوتویؒ کے تعاقب میں فرنگی دوڑتے رہے۔

حضرات! ہندوستان کو انگریزوں کی ماتحتی سے نجات دلانے اور اس کو آزاد کرانے کی خاطر شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی اور آپ کے دست راست حضرت مولانا عبید اللہ سندھی نے جو ریشمی رومال کی تحریک چلائی، اس تحریک کو تاریخ بھلا نہیں سکتی، اس تحریک سے باز رکھنے کے لئے انگریزوں نے ان بزرگوں کو جو اذیتیں دیں، وہ سن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

جنگ آزادی ہند کی تحریک سے وابستہ مسلمان مجاہدین کی مختلف مرحلوں میں بہت سے اسماء گرامی تاریخ کے صفحات پر روز روشن کی طرح عیاں ہیں، جو ان فرنگیوں سے سینہ سپر نظر آتے ہیں، ان مجاہدین کی ایک لمبی چوڑی فہرست ہے، اس لمبی چوڑی فہرست کو گنانے کے لئے کافی وقت چاہئے، پھر بھی کچھ مسلمان جانبازوں اور آزادئ ہند کے کچھ علمبرداروں کے نام اس طرح ہیں، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد میاں دیوبندی، مولانا نورالدین بہاریؒ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا عبدالماجد دیوبندیؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا ظفر الملک علویؒ، مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا شاہد فاخری اور اس جیسے سیکڑوں بلکہ ہزاروں نام ہیں۔

حضرات! آج جب کسی بھی سیاسی مجلس میں مجاہدین آزادی ہند کا تذکرہ ہوتا ہے، تو مہاتما گاندھی اور سبھاش چندر بوس اور پنڈت جواہر لال نہرو جیسے لوگوں کا ذکر تو ہوتا ہے، مگر بھولے سے بھی کوئی مقرر یا دانشور مسلمان مجاہدین کے نام نہیں لیتا، اور نہ ان کے کارناموں کو گناتا ہے، اور نہ انہیں بیان کرتا ہے حالانکہ بقول مولانا انظر شاہ مسعودی مہاتما گاندھی کو ''مہاتما'' بنانے والے مولانا عبدالباری فرنگی محلی تھے اور ''مہاتما جی'' کا عوامی تعارف اور شہرت علی برادران کی کوششوں کی رہین منت ہیں، اسی طرح مولانا موصوف ہی کے قول کے مطابق سُبھاش چندر بوس نے ملک سے باہر جس جنگ آزادی کا نقشہ بنایا، وہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی تحریک کے تصورات پر ایک عمارت تھی، مگر سبھاش چندر بوس کو ''نیتاجی'' بنا کر ہندوستان کی جنگ آزادی کا روح رواں قرار دیا گیا، جبکہ حضرت شیخ الہند کو اور آپ کی تحریک کو بھول بھلیوں کے گورکھ دھندوں میں الجھا دیا گیا۔

یہی شیخ الہندؒ ہیں، جنہیں ''اسیر مالٹا'' کہا جاتا ہے، ان کے لئے فرنگیوں نے مالٹا کے قید خانہ کو بطور سزا تجویز کیا، اور وہاں ان کو قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار کیا۔

تحریک آزادیٔ ہند کی داغ بیل ڈالنے والا، اس کا روح رواں اور آزادی کا صور پھونکنے والا آخری تاجدار مغلیہ بہادر شاہ ظفر ہے جو اپنے ملک کی راجدھانی دہلی ہی میں انگریزوں کے ظلم و زیادتی اور اس کی روح فرسا اذیتوں سے دوچار ہوا، قید و بند کی

صعوبتوں نے اس کی زندگی اجیرن بنادی اس کی زندگی کے اخیر مرحلہ میں ایک وقت ایسا بھی آیا، جس میں اس کو اپنے وطن اور اپنے محبوب شہر دہلی سے بھی رخصت ہونا پڑا، فرنگیوں نے اس آخری تاجدار کو اس کے وطن سے بہت دور رنگون کی سرزمین میں نظر بند کر کے رکھا، بالآخر اس کی زندگی کے آخری ایام وہیں گذرے، اور اسی سرزمین میں اس مغل شہنشاہ نے اپنی جان جان آفیروں کے سپرد کردی، اور وہیں سپرد خاک کیا گیا، اسی مغل شاعر ظفر ہی نے کہا تھا:

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لئے
دو گز زمین مل نہ سکی کوئے یار میں

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس مغل شہنشاہ نے اپنی جان تک کی بازی لگادی، مگر انگریزوں کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا اور نہ اس نے اپنی آزادی کی تحریک سے سرمو انحراف کیا تھا بعد کے سرفروشوں نے بعینہ اس کو روشن رکھا، جس کے نتیجہ میں سالہا سال کی جدوجہد کے بعد بالآخر جذبۂ حریت کے متوالے اور تحریک آزادی ہند کے علمبردار جو بقید حیات تھے اپنے مقاصد میں کامیاب و کامراں ہوئے، ملک آزاد ہوا، اور انگریزوں کو منہ کی کھانی پڑی، خان عبدالغفار خان جن کو دنیا ”سرحدی گاندھی“ کے نام سے جانتی ہے، تحریک آزادی ہند کے ان بلند ستونوں میں سے ایک ہیں جن کی قربانیاں اور جدوجہد مشعل راہ ہیں۔

اشفاق اللہ خاں اشفاق کی سرگرمیوں سے کون ناواقف ہے جس نے قصر فرنگی میں زبردست زلزلہ پیدا کردیا، جس نے انگریز افسروں کا جینا اور ان کی رات کی نیندیں حرام کردیں، جس نے حق گوئی اور بیباکی کا ایسا نمونہ پیش کیا جو اپنی مثال آپ ہے، اس مرد مجاہد نے پھانسی کے پھندے کو گلے سے لگالیا، مگر انگریزوں کی ایک نہ سنی، اور نہ معافی مانگی۔

حضرات! اس حقیقت کا اظہار کردینا بھی اس جگہ مناسب سمجھتا ہوں کہ سب سے

پہلے جس شخص نے آزادی کامل کا ریزولیشن پیش کیا وہ سید فضل الحسن حسرتؔ موہانی تھے، اور کس ماحول میں جبکہ کانگریس کے سشن میں بڑے بڑے مہاتما حسرت موہانی کے اس اقدام پر کانپ اُٹھے تھے، سالہا سال تک کانگریس مکمل آزادی کے مطالبہ کے قریب نہیں آئی، یہ مسلمانوں ہی کا کارنامہ تھا کہ انہوں نے جماعت کو آزادی کی لڑائی میں جرأت آزما بنایا۔

مولانا محمد علی جوہر ۲۱ر نومبر ۱۹۳۰ء کی منعقد ہونے والی برطانیہ کی گول میز کانفرنس میں اپنی سخت ترین علالت کے باوجود شریک ہوئے اور اس میں ہندوستان کی آزادی سے متعلق اپنی ایسی آخری فکر انگیز تقریر کی، جس سے سربراہانِ مملکت برطانیہ لرز اُٹھے، مؤرخین نے آپ کے لب ولہجہ اور آپ کی خطابت کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ مولانا جب بول رہے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ کوہِ آتش فشاں پھٹ رہا ہے، یا کوئی شیر نر کچھار میں غرّا رہا ہے، یا آسمان کی آغوش میں بادل گرج رہا ہے، مولانا مرحوم نے اپنی اس آخری فکر انگیز تقریر میں فرمایا تھا:

”آج میں جس مقصد سے یہاں آیا ہوں، وہ یہ ہے کہ میں اپنے ملک کو اسی حالت میں واپس جاسکتا ہوں جبکہ میرے ہاتھ میں آزادی کا پروانہ ہوگا، ورنہ میں ایک غلام ملک میں واپس نہیں جاؤں گا، میں ایک غیر ملک میں جو اگر چہ آزاد ہے مرنے کو ترجیح دوں گا اور اگر آپ نے مجھ کو ہندوستان کی آزادی نہیں دی تو پھر آپ کو یہاں قبر کے لئے جگہ دینا پڑے گی“

مولانا مرحوم نے اپنی تقریر کے اختتام پر یہ بھی فرمایا:

”میں نے اپنی تقریر سے آپ کو تھکا دیا، اور میں بھی تھک چکا ہوں، میں اپنی جگہ واپس جاتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ مجھ سے اس کانفرنس کے کھلے اجلاس میں تقریر کرنے کو اس وقت تک نہیں کہا جائے گا جب تک کہ جناب صدر! آپ کی طرف سے یہ اعلان نہ ہو کہ ”ہندوستان انگلستان کی طرح آزاد ہے“

سوئے اتفاق کہیئے یا حسن اتفاق کہ مولانا مرحوم نے پروانۂ آزادی یا غلام ملک میں واپس نہ آنے کی جو بات کہی تھی وہ حرف بحرف پوری ہوئی، طبیعت تو خراب تھی ہی، وہیں مولانا موصوف کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، اور آپ کو بیت المقدس لے جا کر انبیاء علیہم السلام کے جوار میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد ان مجاہدین آزادی میں سے ایک ہیں جنہوں نے اپنی زبان اور قلم سے آزادی کی زبردست تحریک چلائی، اور انگریزوں سے زبردست جنگ کی، اس کے پاداش میں انہیں کئی سال تک احمد نگر کے قلعہ میں قید و بند کی زندگی بسر کرنی پڑی، اسی دوران بیوی کا کلکتہ میں انتقال بھی ہو گیا، تاخیر سے اہلیہ کی وفات کی اطلاع ملنے پر ان فرنگی افسروں نے کلکتہ جانے کی اجازت بھی دی، مگر اس غیور مجاہد نے یہ کہہ کر ان فرنگی افسروں کی بات ٹھکرا دی کہ اب جا کر کیا کروں گا۔

مولانا مفتی عنایت احمد صاحب کاکوروی جن کو فرنگیوں نے بطور سزا کالا پانی بھیج دیا تھا، جہاں مولانا موصوف فرنگی افسروں اور اہل کاروں کی اذیتوں سے دوچار ہوئے۔

حضرات! یہ تھے ہمارے مسلمان مجاہدین آزادیٔ ہند، جنہوں نے ہندوستان کی آزادی کی خاطر اپنی جان و مال کی بازی لگائی، فرنگیوں کے مظالم برداشت کئے، جیل کی صعوبتوں سے دوچار ہوئے، تختۂ دار پر لٹکائے گئے، اور کالا پانی میں قید و بند کی مشقتوں کو جھیلا، ساری صعوبتوں اور دشواریوں کے باوجود ان حضرات کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہیں ہوئی، وہ اپنی زندگی کے اخیر مرحلہ تک آزادیٔ ہند کے لئے جدوجہد کرتے رہے، نیز حق گوئی اور بیباکی کا مظاہرہ کرتے رہے، مگر آج ہمارے برادران وطن کو چند گنے چنے ہندوستان مجاہدین آزادی کے نام تو یاد ہیں، مگر مسلمانوں میں سے ایک کا نام بھولے سے بھی ان کی زبانوں پر نہیں آتا، حالانکہ ملک کی آزادی کی خاطر مسلمانوں نے جتنا خون بہایا، ہندو رہنماؤں نے اتنا پسینہ بھی نہیں بہایا۔

ہمارے مسلمان اور خاص طور سے ہماری نئی نسل تو آزادیٔ ہند کے مسلم مجاہدین کے ناموں سے یکسر ناواقف ہے، کرکٹ کھلاڑیوں، فلمی ایکٹر اور ایکٹرس کے نام اور ان کے کارناموں کی تفصیلات تو ازبر یاد ہیں، مگر نہیں یاد ہیں تو ان بزرگان دین اور مسلمان مجاہدین کے نام، جنہوں نے آزادیٔ ہند کی خاطر اپنی جان ومال کی بازی لگادی۔

ان ہی باتوں پر آج اپنی تقریر ختم کرتا ہوں، یہ موضوع بہت زیادہ تفصیلات کا متقاضی ہے، اگر موقع ملا، تو پھر کسی دوسرے موقعہ پر مزید تفصیلات عرض کرنے کی جسارت کروں گا، اب فرصت دیجئے کافی دیر ہو چکی ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

چھبیس جنوری

خطیب: مولانا محمد نورالدین دربھنگوی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّابَعْدُ!

محترم اساتذۂ کرام، معزز سامعین کرام اور عزیز ساتھیو!

ہندوستان کی تاریخ میں ان گنت ایام ایسے دیکھنے کو ملتے ہیں جنہیں غیر معمولی خصوصیات حاصل ہیں مگر دودنوں کو جو تاریخی حیثیت اور مرتبہ حاصل ہے وہ ہندوستان کی تاریخ میں کسی اور دن کو حاصل نہیں۔

عزیز ساتھیو! آپ کو معلوم ہے وہ دو دن کون سے ہیں جنہیں یہ امتیاز ملا ہے اس عظیم اجلاس میں تھوڑی دیر انہیں دودن سے متعلق چند مفید باتیں آپ کے گوش گذار کردوں جن دونوں کو یہ مرتبہ حاصل ہے ایک پندرہ اگست اور دوسرا چھبیس جنوری جو آج کی تاریخ ہے۔

حضرات سامعین! جب پندرہ اگست کی صبح ہوتی ہے اور افق آسمان پر سورج جلوہ فگن ہوتا ہے تو اس کی حسین کرنوں کی سنہری چادر میں لپٹی ہوئی ایک تاریخ ہوتی ہے جس کے باب باب میں ایثار و قربانی کی طویل و عریض داستان ہوتی ہے، ورق ورق میں فداکاری و جان نثاری کا درس ہوتا ہے، سطر سطر اور حرف حرف میں حریت پسندوں کی وطن دوستی اولوالعزمی، حوصلہ مندی، اعلیٰ ظرفی، صبر و استقامت، جہد مسلسل اور سعی پیہم کا اعلیٰ نمونہ ملتا ہے اور کسی بھی قوم کی تعمیر مستقبل کے لئے ایک جذبہ ابھرتا ہے یہی وہ دن

ہے جس دن سے قبل ہندوستان انگریزوں کی غلامی کی زنجیر میں جکڑا ہوا تھا ہندوستان کا ہر باشندہ امن وامان کا طلب گار تھا، ہر شخص انگریزی ظلم واستبداد سے پناہ ڈھونڈتا تھا، ہندوستانی شہرت پامال تھی، ہندوستانیوں پر جینا حرام تھا، انگریزوں نے پورے ہندوستان پر اپنا تسلط جمارکھا تھا، امن وشانتی کا گلا گھونٹ ڈالا تھا، حیوانیت ودرندگیت کا پرچم لہرایا جارہا تھا، عورتوں کی عزت وناموس کو بے دریغ پانی کی طرح بہایا جارہا تھا، انسانوں کا خون ارزاں ہوگیا تھا، معصوم بچوں کے خون سے انگریزی خونخوار اپنے ہتھیار صیقل کرتے تھے ایسے ماحول میں انگریزوں کے خلاف بولنے کی کسی کے اندر ہمت نہ تھی، ایسا لگتا تھا کہ اگر کسی نے اپنی زبان کھولی تو اس کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوگی، مگر مسلمانان ہند کو، لیڈرانِ مسلم کو، ایمان واسلام کے جذبہ سے سرشار بہادروں کو، علماء وصلحاء کو، مدرسہ میں چٹائی پر بیٹھ کر پڑھانے والوں کو، خانقاہوں میں اللہ کی ضرب لگانے والوں کو، صحراء وبیاں باں میں گشت کرنے والے بوریانشینوں کو اپنی ایمانی آواز پر اعتقاد تھا، اللہ کی نصرت پر بھروسہ تھا، اللہ ورسول کی باتوں پر اعتماد تھا، بیک زبان ہوکر قوم مسلم جاگ اٹھی، خصوصًا علماء کرام میدان جہاد میں کود پڑے، ہزاروں نے اپنی جانیں دے دیں، اپنی بیویوں کو بیوہ کرڈالا، اپنے لاڈلے اور پیارے بچوں کو یتیم کرڈالا بوڑھے والدین کے سہارے کو توڑ کر تحفظ ملک وملت کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا، ہمت وجوانمردی، شجاعت وبہادری کا ریکارڈ قائم کرکے ایمان واسلام وملک کا تحفظ کیا، باطل کے سامنے یہ چیلنج قیامت تک کے لئے چھوڑ دیا۔

مرد حق آگاہ کو حق سے پھرا سکتا نہیں
اور باطل قوت ایماں دبا سکتا نہیں
جبر واستبداد، ظلم د جور ہو تو کیا ہوا
سر کٹا سکتا ہے مومن سر جھکا سکتا نہیں

اسی جذب ومستی میں علمائے حق اور علماء دیوبند نے آزادیٔ ہند کی خاطر اپنا خون

پسینہ بہایا اور اپنا جان و مال جہاد آزادی میں قربان کیا اور ایک عرصہ تک امتحان و آزمائش سے گذرنے کے بعد بالآخر پندرہ اگست ۱۹۴۷ء میں انگریزی سامراج کو یہاں سے خیر باد کہنے پر مجبور کر دیا اور برطانوی بھیڑیے کو یہ ملک چھوڑنا پڑا، دیش کا آزاد ہونا ہی تھا کہ پیکر خلوص و وفاء منبع جود وسخا اور صفات کمالیہ و عالیہ سے متصف علمائے حق سیاست سے کنارہ کش ہو گئے سوائے معدود چند کے سب اپنی اپنی جگہ گوشہ نشین ہو گئے، دن رات میں ہفتہ مہینہ میں اور مہینہ سال میں بدلتا رہا حتی کہ وہ وقت بھی آ گیا جب یہ ہندوستان دو ٹکڑوں میں منقسم ہوا ہندوستانی امتیاز وخصوصیات کا شیرازہ بکھر گیا اور تبھی سے اس ملک کو زوال وانحطاط سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے تقسیم ملک کے وقت سخت ترین فسادات رونما ہوئے، ہزاروں مسلمانوں کو قتل کیا گیا ان کی جائداد کو نذر آتش کیا گیا اور ملک کو آگ کی بھٹی میں جھونک دیا گیا ان سب وجوہات کی بنا پر دانشوران سیاست نے جمہوریت کی داغ بیل ڈالی جس دن ہندوستان میں جمہوریت کی داغ بیل ڈالی گئی وہ ۲۶؍ جنوری کی تاریخ تھی اس وجہ سے ۲۶؍ جنوری کو یوم جمہوریہ کہا اور بتایا جاتا ہے۔

عزیز ساتھیو! آئین ہند کے سینکڑوں دفعات مرتب کئے گئے تھے اور ہندو مسلم دونوں کے حقوق کی پاس داری و ذمہ داری کی گارنٹی اور اس کی حفاظت پر مشتمل قانون بنایا گیا تھا، ہندو مسلم دونوں کو ایک ہی ترازو کے دو پلڑے قرار دیئے گئے تھے اور اس اہم رول ادا کرنے والوں میں سب سے پیش پیش مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی تھے جن کی بدولت آج ہم آئین ہند کے مطابق اپنے حقوق وتحفظ کا مطالبہ کرتے ہیں۔

معزز سامعین کرام! آج کی اس تاریخ میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں باشندگان ہند جشن جمہوریت منا رہے ہوں گے، مجاہدین آزادی کے کارناموں کو سراہا جا رہا ہوگا اور جمہوریت کے نام پر جمہوری ترانہ گنگنایا جا رہا ہوگا اور یہ دعوی کیا جا رہا ہوگا کہ ہندوستان میں جمہوری حکومت قائم ہے، ہر ایک کو چاہے وہ مسلم ہو کہ ہندو، سکھ

ہو یا عیسائی مذہبی ملی اور شخصی آزادی حاصل ہے اور ایسا بتایا بھی جاتا ہے کہ سب کے حقوق برابر ہیں اور سب کے لئے رعایات یکساں ہیں، ہر ایک کے مفاد سے متعلق سوچ وفکر ہو رہی ہے، سب کے حقوق یکساں طور پر دیئے جارہے ہیں اور یہ باور کرایا جاتا ہے کہ ہندوستان کے ہر شہری کو ہر طرح مکمل آزادی حاصل ہے کسی کو کسی سے شکوہ نہیں، یہ دعوی کہیں وزیر اعظم واجپائی کرتے دکھائی دیں گے تو کہیں ایل کے اڈوانی، کہیں یہ دعوی نریندر مودی کرتا ہوا ملے گا تو کہیں پروین توگڑیا اور کہیں یہ جھوٹا راگ الاپتا اشوک سنگھل ملے گا تو کہیں مرلی منوہر جوشی تو کہیں یہ بیان جاری کرتے ہوئے رابڑی دیوی ملے گی تو وہیں مایاوتی الغرض آج کی اس تاریخ میں غالبا اس وقت ہر ادنیٰ سے ادنیٰ سیاسی لیڈر یہی گفتگو کرتا ملے گا، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ آج کے جھوٹے سیاست دانوں نے جمہوریت کے نام پر اس کی دھجیاں اُڑائی ہیں اور جمہوریت کے نام سے مسلمانوں کا ہر میدان میں استیصال کیا ہے۔

اس لئے میں کہتا ہوں کہ........

جمہوریت آئی تو خون ارزاں ہوا۔

جمہوریت آئی تو عورتیں ننگی ہوئیں، جمہوریت آئی تو بچے یتیم ہوئے۔

جمہوریت آئی تو عورتوں کی عزت وآبرو پر ڈاکہ ڈالا گیا۔

جمہوریت آئی تو مسجد ومدرسہ کو برباد کیا گیا۔

جمہوریت آئی تو کالا بل پاس ہوا۔

جمہوریت آئی تو مالیگاؤں کا فساد ہوا۔

ملک کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں وقفہ وقفہ سے ہولناک ہنگامے برپا ہوئے۔

جمہوریت آئی تو گجرات فساد ہوا۔

اللہ اکبر کیا فساد، کیا ہنگامہ، کیسا بھیانک منظر کیسی درد آمیز کراہیں اور چیخ وپکار جس کے محض تصور سے جسم کا رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے، کتنی آنکھیں اشکوں کے سمندر میں

تیر نے لگتی ہیں، کتنی ہی زبانیں بلبلانے لگتی ہیں، اے دانشوران ملک! بتاؤ کہ یہ کس وجہ سے ہوا اس کی اصل وجہ جمہوریت بحال حکومت ہے جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا محسوس منظر ہے اگر اسی کا نام جمہوریت اور اسی کا نام آزادی ہے تو ایسی آزادی و جمہوریت پر کل بھی ہم لات مارتے تھے اور آج بھی مارتے ہیں۔

ہمیں آزادی چاہئے دین اسلام کے تحفظ کی آزادی
ہمیں آزادی چاہئے مذہب ملت کی آزادی
ہمیں آزادی چاہئے عزت و آبرو کی آزادی
ہمیں آزادی چاہئے خانۂ خدا کی آزادی
ہمیں آزادی چاہئے مدارس و مکاتب کی آزادی
ہمیں آزادی چاہئے مساجد و معابد کی آزادی

اب اگر ان چیزوں کی آزادی ملتی نہیں جیسا کہ آج مشاہدات و واقعات اس کی گواہی دیتے ہیں تو یاد رکھو کہ یہ آزادی اور یہ جمہوریت کی بدنامی ہے اور ان دونوں لفظوں کو بے کار استعمال کیا جارہا ہے۔

عزیز ساتھیو! کیا یہ سب ہوتا رہے گا اور ہم خاموش تماشائی بنے رہیں گے، آیئے آج عہد کریں کہ اپنے بزرگوں کی میراث کو بربادی سے بچائیں گے، شرپسندوں کے شر سے وطن کو محفوظ رکھیں گے اور ایک ایسا ماحول بنائیں گے جس کے سایہ میں ہندو مسلم، سکھ عیسائی دستور ہند کے مطابق راحت کی زندگی اور چین وسکون کی سانس لے اور ظالم اپنے ظلم سے باز آئے اور دادخواہوں کو انصاف غریبوں کی آواز سنی جائے، محتاجوں کا درد بانٹا جائے اور ایک صالح معاشرہ وجود میں آئے۔

اے مسلمانو! آؤ ہم اپنے قول وفعل سے نشست و برخواست سے طور وطریق سے آزادی کا صحیح مفہوم واضح کریں اور نفرت و عداوت تعصب و منافرت لاقانونیت و بربریت فرقہ پرستی ودہشت گردی کو ہوا دینے والی جماعتوں سے جم کر مقابلہ کریں۔

اور امن و شانتی کا ہندوستان
خوش حال و پر امن ہندوستان
گنگا جمنا تہذیب کا گہوارہ ہندوستان
ہندو مسلم اتحاد کی علامت ہندوستان
شیخ الہند اور مولانا قاسم کا ہندوستان
مولانا آزاد اور مولانا جعفر کا ہندوستان
مہاتما گاندھی اور نہرو کا ہندوستان
علامہ اقبال اور ٹیگور کا ہندوستان
سبھاش چندر بوس اور جنرل شاہنواز کا ہندوستان
اشفاق اللہ خان اور سردار بھگت کا ہندوستان
نانک و چشتی کا ہندوستان

اور جیسا تھا ہندوستان ویسا ہندوستان بن جائے اور آنکھوں کے سامنے آجائے۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا

وما علینا الا البلاغ.

ہم اور ہندوستان

خطیب: جناب اسیر ادروی صاحب

جو قوم اپنے ماضی سے کٹ جاتی ہے اس کا وجود بحیثیت ایک قوم کے صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا ہے کیونکہ اس کے امتیازات، اس کی خصوصیات و کمالات، غیرت و خودداری کے جذبات اور عظمت و شرافت کا جو سرچشمہ تھا جب اس سے رشتہ ٹوٹ گیا تو اس کی رگوں میں وہ گرم خون کہاں سے آئے گا جو اس کے جسم میں زندگی کی توانائیاں اور اپنی عزت و اقتدار پر کٹ مرنے کا حوصلہ اور جذبہ پیدا کرتا تھا، اسی لئے ہر زندہ اور حوصلہ مند قوم اپنی قومی تاریخ کو حرزِ جاں بنائے رکھتی ہے۔

مسلمان ہندوستان میں تاریخ کے جس دور میں آئے اس وقت یہاں کا ماحول اور حالات آج سے زیادہ امید افزا نہیں تھے، لیکن وہ حالات اور ماحول کی شکایت میں نہیں لگ گئے بلکہ خود عزم و ہمت کو ہمرکاب لے کر انہوں نے حالات کو سازگار بنایا، اپنی عظمت و شرافت، اصول پرستی، عدل و مساوات اور انسانیت نوازی کے کارناموں سے یہاں کے لوگوں کو روشناس کرایا، اپنے بلند اخلاق، رواداری کے مخلصانہ جذبات کا مظاہرہ کرکے اتنا متاثر کیا کہ ہندوستان کی سرزمین نے ان کے لئے اپنی آغوشِ محبت کھول دی اور ان کو عزت و احترام کے بلند مقام پر بٹھایا، تاریخ کی ایک لمبی مسافت ہے جو ہم نے اس سرزمین میں عظمت و سربلندی کے لہراتے ہوئے پرچم کے سایہ میں طے کی ہے، یہاں کی گلریز وادیوں نے ہمارے پاؤں چومے اور سنگلاخ پہاڑیوں نے جھک کر ہمارے قدموں کو بوسے دیئے، مئی ۱۸۵۷ء کی تاریخ ہمارے اس پروقار

سفر کی آخری سرحد ثابت ہوئی اور اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر ہم خون کے دریا میں ڈوب گئے اور پھر اس سے نکلنے کے لئے ہماری کوئی چھلانگ کامیاب نہ ہو سکی۔

ہندوستان ہمارا وطن ہے: تاریخ کے اس پورے دور میں ہم نے اپنے آپ کو یہاں کی آب و ہوا کے موافق بنایا، ہمارے ذہن و مزاج میں ایک جنگ آزما قوم ہونے کی وجہ سے جو درشتی و کرختگی تھی اس میں یہاں کی نرم رو اور گلبار ہواؤں نے اعتدال پیدا کیا، ہم اپنے ساتھ ادب و تہذیب، اخوت و مساوات کا سرمایہ لے کر آئے تھے، اس کو ہم نے یہاں کے باشندوں میں پوری فیاضی سے لٹایا اور یہاں کی زرخیز مٹی نے علم و حکمت کے جو ذخیرے محفوظ رکھے تھے ہمارے قدموں میں ڈال دیئے، ہم نے یہاں کے ذرّے ذرّے سے محبت کی، یہاں کے چپہ چپہ کو اپنے جذبۂ عشق کی سجدہ گاہ بنایا، یہاں کی محبت ریز سرزمین نے ہمارے دلوں کو جیت لیا اور ہم بہت جلد بھول گئے کہ ہم کہاں سے آئے تھے اور کون سی سرزمین ہمارا وطن تھی، ٹھیک ویسے ہی جیسے ہم سے پہلے آنے والی آرین قوم اپنے وطن کو فراموش کر کے یہاں رہ پڑی تھی، ہم کو ہمارے اس نئے وطن نے وہ محبت دی اور شفقت و عنایت کا ہاتھ ہمارے سروں پر رکھا، ہمارے حوصلوں ہماری اُمنگوں کو رعنائیاں اور شادابیاں دیں کہ ہم نے چند ہی دنوں بعد اس کو مادرِ وطن کا پُر عظمت مقام دے دیا، اس کی خدمت ہماری سعادت بن گئی، اس کی حفاظت اور اس کا احترام ہمارے لئے سرمایۂ افتخار بن گیا، اس کی آغوش ہمارے لئے آغوشِ شفقت و محبت بن گئی، آج ان ساری حقیقتوں اور صداقتوں پر ڈیڑھ ہزار سال کی طویل مدت گذر چکی ہے اور ماضی کے اسکرین پر ان مناظر کی تصویریں مُرتسم ہیں جو ہمیں ہمارے سنہرے ماضی کی یاد دلاتی رہیں گی انہیں بھول جانا ہماری قومی زندگی کا سب سے بڑا حادثہ ہوگا۔

عروج کے بعد زوال: قانونِ فطرت کا عمل خاموشی کے ساتھ جاری رہتا ہے، کسی قوم میں زیادہ عرصہ تک اقتدار کا مُرتکز ہو جانا بہت سی کمزوریوں اور خامیوں کا

باعث ہوتا ہے میر جعفر، میر صادق، الٰہی بخش جیسے افراد کا وجود اسی قانونِ فطرت کے تحت تھا، ایک نئی قوم کا نیّر اقبال طلوع ہو رہا تھا، اس کی روشنی بتدریج بڑھتی جا رہی تھی، لوگوں کی توجہ اس کی طرف منعطف ہوتی جا رہی تھی، انگریزوں کے اقتدار کا سورج بنگال کے مطلع سے طلوع ہوتا ہے، چڑھتے ہوئے سورج کی پرستش کرنے والوں کا رخ بہت جلد اس کی جانب پھر گیا، انہوں نے طلوع ہونے والے اور چڑھتے ہوئے سورج کی عظمت، آب و تاب، آنکھوں کو خیرہ کرنے والی چمک دمک کی سمت ایک نگاہ ڈالی اور پکار اٹھے هٰذَا رَبِّیْ هٰذَا اَکْبَرُ ایسے ہی ضمیر فروشوں نے اپنی قوم، اپنے مذہب، اپنے وطن سے غداری کی، انہوں نے سوداگروں کی ایک قوم کے ہاتھوں اپنی قوم، اپنے مذہب اور اپنے وطن کا سودا کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری عظمت و سربلندی نے مئی ۱۸۵۷ء میں زندگی کی آخری ہچکی لی اور ہم جسدِ بے روح ہو کر رہ گئے۔

ہمارے اسلاف: ہمارے آباو اجداد نے ہندوستان کی عظمت اور آزادی کو پامال کرنے والی اس سفید فام قوم کو اپنی رگوں کے خون کے آخری قطرے تک برداشت نہیں کیا، ہندوستان میں بسنے والی ہندوستانی قوم جو مختلف مذاہب اور مکتبۂ فکر کی تہذیب اور تمدن کے مختلف و متضاد عناصر کو لے کر وجود میں آئی تھی اس کی عزت و حرمت بچانے کے لئے پہلے پہل ہم نے خود اپنی ذات کو قربانی کے لئے پیش کیا، ۱۸۵۷ء کے بعد نصف صدی تک انگریزی سامراج کو شکست دینے کے لئے ہم تنِ تنہا جنگِ آزادی کے میدان میں زور آزمائی کرتے رہے اور ہم نے اس راہ میں اپنا خون اتنا بہایا کہ پوری جنگِ آزادی میں دوسروں نے اتنا پسینہ بھی نہیں بہایا ہوگا، لال قلعہ کی فصیلوں سے ۱۸۵۷ء میں ہماری عظمت کا ہلالی پرچم اُتار کر یونین جیک لہرایا گیا، ایک طرف انگریز ہماری عظمت و اقتدار کے قلعہ پر اپنے اقتدار کا پرچم لہرا رہا تھا، دوسری طرف ہم جنگِ آزادی کے میدان میں اس سے مقابلہ کے لئے صف بندی کر رہے تھے ہم نے برطانوی سامراج کا مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھ کر سب سے پہلے جھنڈا بلند کیا، ہم

نے برادرانِ وطن کا انتظار نہیں کیا، جنگِ آزادی کے میدان میں ہماری جگہ ہمیشہ صفِ اول میں رہی اس سے کسی کو مجالِ انکار نہیں۔

غلط قیادت کا تباہ کن نتیجہ: آج ہم جن حالات سے گذر رہے ہیں وہ ہماری جذباتی سیاست، غلط اور غیر مخلص قیادت کا ثمرہ ہے، ہم نے قیادت کے انتخاب میں ہوش کے بجائے جوش سے مشورہ لیا اور اسی کی رہنمائی میں چل پڑے قائد کے خلوص اور صداقت کو پرکھا نہیں اور آگے بڑھ کر زمامِ قیادت اس کے ہاتھوں میں دے دی اور جب کوئی قوم سیاست کے میدان میں ایک قدم بھی غلط اُٹھاتی ہے تو ایک صدی پیچھے چلی جاتی ہے اور اس کو اپنی اس غلطی کا خمیازہ نسلاً بعد نسلٍ بھگتنا پڑتا ہے، ہم نے چالیس سال قبل قیادت کے انتخاب میں جس غلطی کا ارتکاب کیا تھا، آج تک اسی کی سزا بھگت رہے ہیں، یہ سزا قانونِ فطرت کے لازمی نتیجہ کے طور پر ہے، اس صدی کا سب سے بڑا سانحہ مسلمانوں کی قیادت کا غلط ہاتھوں میں پڑنا تھا اور اس نے جذباتی فیصلے کر کے قوم کو ایسی راہ پر ڈال دیا جس راہ میں آگے چل کر تباہیوں اور بربادیوں کے ڈیرے تھے، آفات ومصائب کی کانٹوں بھری وادیاں تھیں، آگ اور خون کے دریا حائل تھے، مسلمان آج اسی راہ کا مسافر ہے جس پر کل اس کی قیادت نے ڈالا تھا، وقت کا دھارا موڑنے کی طاقت اس میں نہیں ہے، کیونکہ یہ قانونِ فطرت کے خلاف ہے کیونکہ جب قوم کوئی غلطی کرے گی تو اس کو پورا پورا خمیازہ بھگتنا ہی ہوگا، اسی وجہ سے ہم آج چالیس سال سے مسلسل آگ اور خون کے دریا میں ڈوبتے اور تیرتے گذر رہے ہیں، اس صورتِ حال نے نئی نسل کو یاس وقنوطیت کا شکار بنا دیا ہے۔

مایوسی کفر ہے: مسلمانوں کے مذہب میں مایوسی کفر ہے، یہ ایسی بیماری ہے جو قوموں کے جسم سے عزم وعمل کی توانائیوں کو سلب کر لیتی ہے، اس قوم کے جذبات حالات کی برفیلی فضا میں ٹھٹھر کر رہ جاتے ہیں، زندگی کی اُمنگیں رخصت ہو جاتی ہیں اور مسلسل احساسِ کمتری میں مبتلا رہ کر بتدریج قعرِ مذلت میں گرتی چلی جاتی ہے کیونکہ

وہ ہمت و حوصلہ ہار چکی ہوتی ہے۔ اور قدرت کا ضابطہ یہی ہے کہ جو قوم اپنی ذلت و نکبت پر راضی رہ کر جدوجہد کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتی ہے تو قدرت کی جانب سے وہ مدد سے محروم ہو جاتی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے مسلمانوں کو اپنے ذہنوں سے احساس کمتری اور مایوسی و ناامیدی کو جھٹک کر دور کردینا ضروری ہے اور پھر حالات اب ایسے مایوس کن بھی نہیں رہے۔ اب بھی ہم میں مدافعت کی توانائیاں موجود ہیں مصائب کو جھیل جانے کی قوت ہمارے اندر ہے، ملک میں ذہنی و فکری انقلاب کی ایک نئی لہر پیدا ہو رہی ہے اور جن طاقتوں سے ہم خوف کھاتے ہیں انہیں سے ہماری حمایت و مدد کی ایک ایسی زبردست طاقت اُبھرنے والی ہے کہ اگر ہم نے اپنی صلاحیت و قوت کو برقرار رکھا اور اس سے کام لیتے رہے تو یقین ہے کہ راستہ کا کہر ہمارے سروں سے بہت جلد چھٹ جائے گا، اگر کچھ دیر ہے تو اس ذہنی انقلاب کے نئے سورج کے طلوع ہونے کی ہے اور اس کا وقت اب بہت قریب آ گیا ہے۔ ہندوستان کے سیاسی اُفق پر سرخی بڑھتی جارہی ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ ایک نئے سورج کے طلوع ہونے کا وقت بہت قریب آ گیا ہے، جس سے ہمارے مستقبل کی راہیں روشن ہو جائیں گی اور اس ملک میں ہمارا ترقی کا سفر قدرتی رفتار سے شروع ہو جائے گا۔ انشاءاللہ۔

تمت بالخیر

ہندوستان کا وفادار کون؟

خطیب: مولانا محمد صدر عالم صاحب قاسمی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ، اَمَّابَعْدُ!

قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّمَا الْعُلَمَآءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ.

وہ سن کے آجائے تاریخ کو پسینہ
تیرا دیا کس نے مرے خون میں سفینہ
بھارت کے شیر کتنے میرے خون میں نہائے
ٹوٹا مرے لہو میں کتنوں کا آبگینہ
کچھ لوگ میرے خوں سے ہولی منا رہے تھے
کچھ لوگ بھر رہے تھے مرے خوں سے آبگینہ
صحرا میں جا کے چھلکا میرے لہو کا ساغر
انصاف مانگنے کی ایسی صدا کہیں نہ

حضرات گرامی قدر اور حاضرین اجلاس! مختلف تہذیبوں کا گہوارہ ہمارا یہ ہندوستان جنت نما ہے، جس کی گود میں گنگا جمنا کی روانی ہے، کوسی اور ستلج کی جوانی ہے، لال قلعہ اور جامع مسجد کی مضبوطی و پاکیزگی ہے، تاج محل کی خوبصورتی ہے، اونچے اونچے پہاڑ ہیں، من موہن جھیل اور آبشار ہیں، مختلف مذہب وملت، دین و دھرم کے ماننے والے

ہیں، کوئی ایک خدا اور پرمیشور کی عبادت کرتا ہے، تو کوئی سینکڑوں دیوی دیوتاؤں کے آگے سر جھکاتا ہے، کوئی پتھروں کو پوجتا ہے تو کوئی درختوں کے آگے اپنا سر بہ تسلیم خم کرتا ہے، کوئی گاؤ ماتا کہہ کر اس کو بھگوان کا درجہ دیتا ہے تو کوئی فوٹو اور تصاویر کے سامنے اپنے رہدے کو شانتی پہنچاتا ہے، اسی دھرتی نے جہاں بڑے بڑے باپوؤں کو جنم دیا ہے وہیں ہزاروں تاریخ ساز علماء، صلحاء، عباد، زہاد کی پرورش و پرداخت کی ہے۔

ہم بھی اسی دیش کے اندر پیدا ہوئے ہیں اسی کی مٹی نے ہماری پرورش و پرداخت کی ہے، تہذیب و شائستگی کا اعلیٰ معیار عطا کیا ہے ہم کو اس ملک کے ذرے ذرے سے پیار ہے اس کی مٹی اور سبزے سے پیار ہے، اس کے اونچے اونچے پہاڑ اور وسیع و عریض صحراؤں سے پیار ہے، اس کے جھیلوں اور آبشاروں سے پیار ہے، اس کے مساجد و مدارس سے پیار ہے، اس کے محلات و قلعات سے پیار ہے۔

اسی لئے اس کی عصمت و عفت کی حفاظت کو ہم اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں اس کی گود کی رکچھا کو اپنا دھرم تصور کرتے ہیں، اس کے ذرے ذرے کی صیانت کو اپنا ایمان گردانتے ہیں، کیوں کہ جس مذہب کے ہم ماننے والے ہیں جن قوانین کے ہم پیرو ہیں اس نے ہمیں بے وفائی نہیں بلکہ وفاداری کا سبق دیا ہے، احسان فراموشی نہیں احسان شناسی کا سبق دیا ہے اس نے ہمیں بزدلی نہیں بلکہ حوصلہ دیا ہے، اس نے ہمیں لومڑی کی عیاری نہیں بلکہ شیر کا دل عطا کیا ہے، اس نے ہمیں تلوار کے سایے میں جینا سکھایا ہے اس نے ہمیں جفاکشی کی مشق کرائی ہے، اس نے ہمیں توپوں اور ٹینکوں سے ٹکرانے کا حوصلہ دیا ہے۔

ارے سرزمین مکہ سے پوچھ لو، سرزمین مدینہ سے پوچھ لو، مصر و شام سے پوچھ لو، روس و ایران سے پوچھ لو، روم و فارس سے پوچھ لو، اندلس و اسپین سے پوچھ لو، کہ کیسی کیسی وفاداری کا ثبوت ہم نے پیش کیا ہے، جب ہم مکہ میں تھے تو مکہ کے ساتھ وفاداری کی تھی، مدینہ میں تھے تو مدینہ کے ساتھ وفاداری کی تھی، مصر میں تھے تو مصر کے

ساتھ وفاداری کی تھی، شام میں تھے تو شام کے ساتھ وفاداری کی تھی، روس وایران میں تھے تو روس وایران کے ساتھ وفاداری کی تھی، روم وفارس کے ساتھ تھے تو روم وفارس کے ساتھ وفاداری کی تھی، اندلس واسپین میں تھے تو اندلس واسپین کے ساتھ وفاداری کی تھی، اور جب ہم اپنے اکابرین کی شکل میں اس ہندوستان اور بھارت میں تھے تو اس وقت ہم نے تو ایسی ایسی وفاداری کا ثبوت پیش کیا کہ دنیا حیران وششدر ہے، اسی بھارت کے عصمت کی حفاظت کی خاطر ہم نے گولیاں کھائیں، توپوں اور ٹینکوں کے نشانے بنے، پھانسی کے پھندوں پر چڑھنا پڑا، جیلوں کی مشقتوں کو برداشت کیا نذر آتش کردیئے گئے۔

اے سرزمین ہند سن! اور غور سے سن، میں اپنی وفاداری کی روداد سنانے جارہا ہوں۔

آج کی بدحال دنیا کے بھی دن پھر جائیں گے
اے مؤرخ ہم اگر تاریخ دہرانے اُٹھے

جب ہندوستان کی سرزمین میں انگریزوں کا ناپاک سایہ پڑا، اور وہ اپنی شاطرانہ وعیارانہ چالوں سے یہاں کے مالک بن بیٹھے، جب باشندگان ہند پر طرح طرح کے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جانے لگے، جب ہندوستان کو غلام بنایا جانے لگا، جب ہندوستانیوں کا خون ان کے پسینوں سے بھی ارزاں ہونے لگا، تو ایسے نازک دور میں سب سے پہلے جس نے علم بغاوت بلند کیا وہ محدث کبیر، نازش وطن شاہ عبدالعزیز بن ولی اللہ محدث دہلویؒ ہیں، شاہ عبدالعزیز کا فتویٰ کیا تھا گویا ایک برق تپاں تھا جو دشمنوں کے نخل تمنا پر گر پڑی، انگریز کی نیندیں حرام ہوگئیں، جگہ جگہ آزادی کے شعلے بھڑکنے لگے، جگہ جگہ آزادی کے پرچم لہرانے لگے، سینوں میں ولولے مچلنے لگے اور حوصلوں نے انگڑائیاں لینی شروع کردیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر ہندوستان کی جنگ آزادی میں علماء کرام شریک نہیں ہوتے تو ہندوستان کبھی آزاد نہیں ہوتا، اگر یہ سرخیل آزادی نہ ہوتے تو تحریک آزادی نہ

چلتی، تحریک بالاکوٹ نہ چلتی، تحریک ریشمی رومال نہ چلتی، تحریک خلافت نہ چلتی، ہندوستان چھوڑو تحریک، نہ چلتی، مقدمہ وہابیان نہ چلتا، انبالہ سازش کیس نہ بنتا، الغرض علماء کرام ہی نے اپنے خون جگر سے عروس آزادی کی حنابندی کی ہے، اور اپنے مقدس لہو سے شجر آزادی کو سینچا اور پروان چڑھایا ہے۔

چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں دو محاذ بنائے گئے، ایک محاذ انبالہ جس کی قیادت مولانا جعفر تھانیسری کے پاس تھی اور دوسرا محاذ شاملی پر، جس کی قیادت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے پاس تھی، اس جنگ میں بڑے بڑے علماء وصلحاء شہید ہوئے، اسی جنگ میں مولانا نانوتویؒ زخمی ہوئے، اسی جنگ آزادی میں مولانا گنگوہیؒ زخمی ہوئے، اسی جنگ میں حافظ ضامن شہید ہوئے، اس ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں دو لاکھ مسلمان شہید ہوئے، جن میں ساڑھے اکیاون ہزار علماء کرام تھے، صرف دہلی کے اندر پانچ سو علماء کو پھانسی کے پھندے پر لٹکایا گیا، ۱۸۶۱ء میں تین لاکھ قرآن کریم کے نسخے کو بدبخت انگریزوں نے جلا ڈالا، اسی کے بعد ہی سے علماء کرام کو ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

انگریز مؤرخ ٹامسن لکھتا ہے کہ ۱۸۶۴ء سے لے کر ۱۸۶۷ء تک اس تین سالوں میں انگریز نے چودہ ہزار علماء کو تختہ دار پر لٹکایا، ٹامسن کہتا ہے کہ دلی کی چاندنی چوک سے لے کر پشاور کی جامع مسجد تک کوئی ایسا درخت نہیں تھا جس پر علماء کی گردنیں نہ لٹکی ہوں، ٹامسن کہتا ہے کہ علماء کے جسموں کو تانبے سے داغا گیا، ٹامسن کہتا ہے کہ علماء کو سوّروں کی کھالوں میں بند کر کے تنوروں میں ڈالا گیا، ٹامسن کہتا ہے کہ علماء کو ہاتھیوں پر کھڑا کر کے درختوں سے باندھ کر نیچے سے ہاتھیوں کو چلا دیا گیا، ٹامسن کہتا ہے کہ لاہور کی جامع مسجد جس کے صحن میں انگریز نے پھانسی کا پھندا بنایا تھا اس میں ایک ایک دن میں اسی اسی علماء کو پھانسی دیدی جاتی تھی، ٹامسن کہتا ہے کہ لاہور کے دریائے راوی میں اسی اسی علماء کو بوریوں میں بند کر کے ڈال دیا جاتا اور اوپر سے

گولیوں کا نشانہ بنایا جاتا۔

انہیں شیدائیان اسلام میں شیخ الہند اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ بھی ہیں، جن کو آج دنیا اسیران مالٹا سے جانتی ہے، انہوں نے انگریزوں کے خلاف عالمی تحریک چلائی کہ عقل انسانی حیران ششدرر رہ جاتی ہے، جسے تحریک ریشمی رومال سے جانا جاتا ہے۔

شیخ الہند کے ہر دل عزیز شاگرد شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ ہیں جنہوں نے خلافت کانفرنس کراچی میں ایسے وقت میں شرکت کی کہ انہیں گولی مار دینے کا حکم مل چکا تھا، لوگوں کا خیال تھا کہ حسین احمد نہیں آئے گا، مگر لوگوں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، جب وہ مرد مجاہد کفن بردوش ہو کر اسٹیج پر آیا اور جلسہ کی صدارت فرمائی، اسی کانفرنس میں حضرت نے انگریزوں کو بلبل اور گولیوں کو گل سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا:

لئے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل

شہید ناز کی تربت کہاں ہے

حضرت نے یہ شعر پڑھا تو لوگ جوش میں آدھے گھنٹے تک مسلسل نعرے لگاتے رہے، اور پھر علماء کی قربانیوں اور اپنے ایک فتوے کی جانب اشارے کرتے ہوئے انگریز کو مخاطب کر کے فرمایا:

کھلونا سمجھ کر نہ برباد کرنا

کہ ہم بھی کسی کے بنائے ہوئے ہیں

فرنگی کی فوجوں میں حرمت کے فتوے

سر دار چڑھ کر بھی گائے ہوئے ہیں

وہ شجر آزادی کے خوں دے کے سینچا

تو پھل اس کے پکنے کو آئے ہوئے ہیں

محترم سامعین! مولانا حسین احمد مدنیؒ، ڈاکٹر احمد انصاری، مولانا ابوالکلام آزاد انہیں لوگوں کی سیاسی رہنمائی میں ۱۹۲۰ء میں آخری جنگ ہوئی، اس میں بھی پانچ سو دلادر

شہید ہوئے، چودہ ہزار علماء جیل گئے، بالآخر ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کا آخری گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن رخصت ہوگیا اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے دور سے چل رہی آزادی کی تحریک اپنی منزل مراد پانے میں کامیاب ہوگئی۔

اے سرزمین ہندوستان! سنا تم نے، یہ ہے ہماری وفاداری کی تاریخ اور اس کی روداد اور آج ہم پورے یقین اور حوصلے کے ساتھ کہتے ہیں کہ آج بھی اگر کوئی ناپاک قدم تیرے سینے پر ڈالے گا تو اس کے لئے پاؤں ہم کاٹ ڈالیں گے، اگر کوئی انگشت نمائی کرے گا تو اس کی انگلیوں کو ہم تراش ڈالیں گے، اگر کوئی تمہاری عصمت وعفت کو داغدار کرنا چاہے گا تو حسین احمد مدنیؒ بن کر اس کی حفاظت ہم کریں گے، اگر کوئی تمہاری عزت وناموس کو تاراج کرنا چاہے گا تو محمود الحسنؒ بن کر اس کی رکچھا ہم کریں گے، اگر کوئی للچائی نگاہ سے تمہیں دیکھنے کی کوشش کرے گا تو حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ بن کر ہم اس کی آنکھیں نکال ڈالیں گے، اگر کوئی تمہاری گود سونی کرنا چاہے گا تو حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ بن کر اس کا کلیجہ ہم چاک کرڈالیں گے، اگر کوئی تم سے تمہارا سنگھار چھیننا چاہے گا تو عبید اللہ سندھیؒ بن کر اس کے سر کے دو ٹکڑے کرڈالیں گے، اگر کوئی تم سے تمہارا ساون غصب کرنا چاہے گا تو اس کی زندگی کو تباہ وبرباد کرڈالیں گے:

زخم کھائیں گے مسکرائیں گے
اور پھر انقلاب لائیں گے

چاہے وہ امریکہ ہو یا روس، فرانس ہو یا برطانیہ، چین ہو یا پاکستان، کسی کی ہمیں پرواہ نہیں، کیوں کہ توپوں اور ٹینکوں سے ٹکرانے کا حوصلہ ہمارے اندر موجود ہے، تیروں اور تلواروں کے سایے میں ہماری پرورش ہوئی ہے، بارودی شعلوں کا ہم نے خوب تجربہ کیا ہے، ایٹمی ہتھیاروں کو ہم نے خوب دیکھا ہے۔

بدر کی تاریخ ہمارے پاس ہے، احد کا معرکہ ہم نے سر کیا ہے، خندق کی پریشانیوں کو ہم نے برداشت کیا ہے، خیبر کے نخلستان پر ہم نے قبضہ کیا ہے، تبوک کے رعب

ودبدبے ہمارے پاس ہیں، ارے فتح مکہ بھی تو ہماری ہی طاقت وقوت کا نتیجہ ہے:

صدائیں آج بھی آتی ہیں طاق کسریٰ سے
ورق ورق ہے مری زندگی کا عبرت خیز

اے سرزمین بھارت! اب ذرا تم اپنے دوسرے لال کی خبر لو کہ اس نے تمہارے ساتھ کیا وفاداری کی ہے، اور تم کو کیا دیا ہے، یہی تو کہ اس نے تم کو ساری دنیا میں رسوا کیا، تمہارے گاندھی کو مارڈالا، تمہارے گلے میں وطنیت کا پھول ڈالنے والے ہزاروں انسانوں کو ذبح کرڈالا، تمہاری گود میں ہنستے کھیلتے قبیلے کو جلا کر راکھ کرڈالا، برطانیہ اور امریکہ کے بزدل شیروں سے دوستی قائم کرلی، ظلم وبربریت کا ساون برسادیا، فتنہ وفساد پھیلا کر تمہارے جسموں کو لہولہان کیا، مسجدوں اور عیدگاہوں کو توڑ کر تمہارا سنگار چھین لیا، تمہاری گنگا میں نہانہا کر اس کو گندہ اور پراگندہ کرڈالا، تمہاری کوسی اور ستلج کی حفاظت کو ختم کردیا، تمہارے سرمایے کا غلط استعمال کیا، گھپلے اور گھوٹالے کئے، رام کے نام پر رتھ یاترا کا استعمال کیا، اور تمہاری پوری گود کو بجائے پھول کے خون سے بھر دیا، رام راج کے سایے میں تمہارے قانون کا غلط استعمال کیا، تمہاری جمہوریت کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا، ایٹمی ہتھیار جو کہ تمہاری رکچھا کے لئے تھے اس کا نشانہ تمہیں کو بنایا تمہارے ان وفاداروں پر گولیاں چلائیں، جنہوں نے تمہاری حفاظت کی تھی، ان کے قرآن پر اعتراض کیا، ان کے دین ودھرم کا مذاق اڑایا، ان کے مسلم پرسنل لاء پر پابندی لگوانے کی کوشش کی، آزادی نسواں کی صدا بلند کرکے ان کی ہزاروں ماؤں اور بہنوں کو بے نقاب کردیا:

جنہیں ہے شوق کہ کھیلیں وطن کی عصمت سے
انہیں کا دعوی ہے کہ ہندوستان ہمارا ہے

اے بھارت کی دھرتی! انصاف اور دیانتداری کے ساتھ بتاؤ کہ وفاداری ہم نے کی ہے، تمہاری عصمت وعفت کی حفاظت ہم نے کی ہے، تمہاری عزت وناموری کی

خاطر خون ہم نے بہایا ہے، تم کو تمہاری من چاہی خوشیاں ہم نے عطا کی ہے، لیکن اب وہ لوگ جو تحریک آزادی میں پیچھے پیچھے تھے وہ دھمکی دے رہے ہیں کہ مسلمانو! ہندوستان چھوڑو! پاکستان جاؤ، حالانکہ:

چمن کو ہم نے خود اپنے لہو سے سینچا ہے
ہمیں بہار پہ دعویٰ ہے اپنے حق کی طرح

ایسا لگتا ہے کہ ہم کو بھول گئے ہیں، ہماری قربانیوں کو بھول گئے ہیں، اور اپنے آپ کو ہندوستان کا ٹھیکیدار بنا کر بیٹھے ہیں، یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ ہندوستان کس کا ہے اور اس کا ٹھیکیدار کون ہے:

چمن میں دیکھتے ہیں اب جیت کس کی ہوتی ہے
ہیں پھول ایک طرف اور خار ایک طرف

دعا کیجئے کہ اللہ تعالی ہم سبھی کو وطن کا خادم بنائے اور اکابرین و مخلصین کا پیروکار بنائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین.
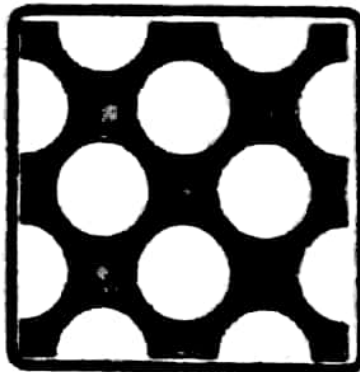
تحریک آزادی اور علماء کرام

خطیب: مولانا محمد صہیب ربانی صاحب کشن گنجوی

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم، اَمَّابَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ . بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. ﴿ولیعلمن اللہ الذین جاھدوا منکم ولیعلمن الصابرین﴾ صدق اللہ العظیم.

جب پڑا وقت گلستاں پہ تو خوں ہم نے دیا
جب آئی بہار تو کہتے ہیں ترا کام نہیں

لائق احترام سامعین کرام اور محترم ساتھیو!

تحریک آزادی کی داستان بڑی طویل اور کربناک ہے عام طور پر ذہن و دماغ میں یہ تصور بٹھایا جاتا ہے کہ جنگ آزادی کی کامیابی کا سہرا کانگریس، گاندھی جی، جواہر لال نہرو اور دوسرے ہندو لیڈروں کے سر ہے، چنانچہ ۱۵ راگست ہو یا ۲۶ رجنوری کی تقریب اس موضوع کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے اور اسکولوں کے نصاب میں داخل کتابوں میں اس مضمون کو اس انداز سے بیان کیا جاتا ہے، جس سے محسوس ہوتا ہے کہ جنگ آزادی میں مسلمانوں کا حصہ آٹے میں نمک کے برابر ہے، بہت ممکن ہے کہ فرقہ پرست طاقتوں کی یہ سازش ہو کہ مسلمانوں کی موجودہ اور آئندہ نسل کو اس کے اسلاف کے کارناموں سے بے خبر رکھ کر ان کے ذہن و دماغ پر اپنے رحم و کرم کے محتاج ہونے کا سکہ بٹھایا جائے، جس کے نتیجہ میں وہ ہندوستان میں اپنے کسی استحقاق کے دعویدار نہ ہو سکیں، نیز ان کا یہ ناپاک منصوبہ ہو کہ اس نسل کو اس کے اسلاف کے کارناموں سے بے خبر کر دیا

جائے اور ان کو ماضی سے کاٹ دیا جائے اس لئے کہ جو قوم اپنے اسلاف سے کٹ جاتی ہے وہ بے حس ہو جاتی ہے، اس کے ذہن و دماغ پر دوسروں کی حکومت ہو جاتی ہے۔

میرے قلب و جگر کے ساتھیو! یہ سب کچھ ہوا اور ہو رہا ہے لیکن میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ قوم جس نے اقوام عالم کو عدل و انصاف کا درس دیا، جس نے قوموں کو حریت و آزادی کے ساتھ جینے کا حق دیا، وہ قوم جو کفر و شرک کے ظلمت کدوں میں قندیل تاباں بن کر چمکی، وہ قوم جس نے ظلم و ستم، جور و جفا، کبر و نخوت کے پنداروں کو توڑا وہ قوم جس نے کبھی غیرت و خودداری کا سودا نہیں کیا انصاف سے بتاؤ کیا وہ شاطر انگریز کی غلامی اختیار کر سکتی تھی۔

اے بتاؤ وہ قوم جس نے قیصر و کسریٰ اور بڑی بڑی طاقتوں کے غرور کو خاک میں ملا دیا وہ انگریز کی تلواروں، توپوں اور ٹینکوں کے سامنے گھٹنے ٹیک سکتی تھی؟

ارے بتاؤ! وہ قوم جس کی رگوں میں عمر بن الخطابؓ، خالد بن الولیدؓ، ابو عبیدۃ بن الجراحؓ، محمد بن قاسم، صلاح الدین ایوبی کا خون دوڑ رہا ہو کیا وہ صلیبیوں کو قبول کر سکتی تھی۔

ہائے افسوس! تمہاری عقلیں کیسی ماؤف ہوئیں، تمہارے عدل و انصاف کا کیسا دیوالیہ نکلا حسد و تعصب نے تمہیں کیسے بھیانک غار تک پہونچایا، تمہارا علم کتنا محدود ہو گیا، تمہارا ذہن کتنا تنگ ہو گیا کہ اس مسلم قوم اور اس کے علماء کے لئے اس میں جگہ نہ رہی جنہوں نے ملک و ملت کی حفاظت کی خاطر طوفانوں کا رخ موڑ دیا، وہ علماء جن کو تختۂ دار پر چڑھایا گیا، جن کو جیل کی سلاخوں میں ڈالا گیا جو بھوکے پیاسے رہے وہ علماء جنہوں نے بچوں کو یتیم اور بیویوں کو بیوہ کیا، جن کو کالے پانی بھیج کر دردناک سزائیں دی گئیں لیکن انہوں نے انگریز کے سامنے سر نہیں جھکایا آزادی کے نشہ کو ذہن و دماغ سے نہیں نکالا:

دنیا نے اپنے آپ کو بدلا گھڑی گھڑی
اک اہل عشق ہیں کہ جہاں تھے وہیں رہے

گلشن قاسمیہ کے نوشگفتہ پھولو!

تحریک آزادی کی پرخار وادی میں مسلمانوں بالخصوص علماء کے قدم لہولہان ہوئے ہیں جنگ آزادی کی تاریخ کا صفحہ صفحہ علماء کے خون سے رنگین ہیں، تحریک آزادی کی تاریخ میں سے اگر علماء کی قربانیوں کا تذکرہ نکال دیا جائے تو تحریک آزادی کی تاریخ ادھوری ہی نہیں بلکہ اس کی صورت بگڑ جاتی ہے۔

بڑے دکھ کی بات ہے کہ تحریک آزادی کو کانگریس سے جوڑا جاتا ہے جو ۱۸۸۵ء میں وجود میں آئی، لیکن یہ بالکل جھوٹ ہے، آؤ ہم بتائیں کہ علماء نے کس طرح اس تحریک کی داغ بیل ڈالی، کیسے خون پسینے سے انہوں نے اس کی آبیاری کی۔

سنئے! کانگریس سے سو سال پہلے اٹھارہویں صدی کے نصف میں اس تحریک کی ابتداء اس وقت ہوئی جب مسلمانانِ ہند نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی قیادت میں آزادی کا پرچم لہرایا، یہ وہ وقت تھا جب یورپ کے تاجروں نے مغلیہ سلطنت کی بنیادیں کھوکھلی کرنے میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ہندوستان میں سامراج کی بنیاد ڈال دی تھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ۱۷۳۱ء میں مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے کہ اپنے ضمیر کی آواز پر دورِ حاضر کے نظام کی دھجیاں بکھیر کر سیاسی وسماجی زندگی کے ہر شعبہ میں ہمہ گیر انقلاب برپا کرنے کا منصوبہ بنایا۔

۱۷۹۹ء میں سری رانگا پٹنم کے میدان میں شہید سلطان ٹیپو کے جنازہ کو انگریز نے خون میں لت پت دیکھا تو بڑے غرور کے ساتھ کہا تھا "آج ہندوستان ہمارا ہے" اس اعلان نے علماء کو چونکا دیا اور مختلف تحریکیں میدانِ عمل میں آئیں۔

۱۸۰۳ء میں سامراجی طاقتوں نے سازشوں کا جال بن کر جب ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت قائم کر کے اعلان کیا "کہ خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا، حکم کمپنی بہادر کا" تو حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے جہاد کا فتوی جاری کرتے ہوئے فرمایا

کہ آج ہمارا ملک غلام ہو گیا ہے غلامی کو مٹانا اور حصولِ آزادی کے لئے جدو جہد کرنا ہمارا فریضہ ہے۔

رفتہ رفتہ یہ جدو جہد بڑھتی گئی، تحریک کا کام تیزی پر ہو گیا مجاہدین کا کارواں بڑھتا گیا، سید احمد شہیدؒ کا دور آیا، آپ نے اس جدو جہد کی قیادت کو قبول فرمایا، پھر ۱۸۱۸ء سے ۱۸۲۱ء تک آپ نے ملک کا دورہ کیا اور آزادی کی امنگ پیدا کی، پھر ۱۸۲۴ء میں صوبہ سرحد کی طرف مورچہ لگا کر چھ سال تک اپنے دو جلیل القدر ارادت مندوں شاہ اسماعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحیؒ اور دیگر مریدین کے ساتھ انگریزوں سے ٹکر لیتے رہے اور بالاکوٹ کے میدان میں جامِ شہادت نوش کیا۔

آگے بڑھئے ۱۸۵۷ء میں دہلی کے ۳۴ علماء کرام نے جہاد کا فتویٰ دیکر مجاہدین آزادی کی رگوں میں جوش وخروش کی لہر دوڑائی ہر طرف بغاوت کا سیلاب اُمنڈنے لگا، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی قیادت میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حافظ ضامن شہیدؒ کی قیادت اور دیگر علماء کرام نے شاملی کے میدانِ کارزار میں انگریز کی تیغ وتفنگ کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔

یہ علماء چونکہ اس تحریک کی قیادت کر رہے تھے اس لئے ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد انگریزوں کی نگاہ میں سب سے زیادہ معتوب علماء کی جماعت تھی، مولویت بغاوت قرار پائی، ایسٹ انڈیا کمپنی نے ڈاڑھی رکھنے والے اور مولویانہ وضع قطع رکھنے والے ہر شخص کو پھانسی پر لٹکانے کا حکم دے دیا اور صرف پندرہ دن کے قلیل عرصہ میں تقریباً دو لاکھ مسلمان شہید ہوئے جن میں ساڑھے اکیاون ہزار علماء کرام تھے۔

میرے عزیز ساتھیو! مؤمن مایوس نہیں ہوتا، مایوسی اور قنوطیت اسلام میں حرام ہے، لہٰذا دل دہلانے والی سزا اور ہنگامہ دار وقید کے باوجود مسلمان اپنے علماء کی قیادت میں عزم وحوصلہ کی چٹان بن کر کھڑے رہے، اور اس تحریک کو مضبوط کرنے کی ممکن کوشش میں لگے رہے، چنانچہ ۱۸۶۶ء میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی گئی، اس کا

جہاں ایک اہم مقصد اسلامی علوم کی نشر واشاعت اور مسلمانوں کے اخلاق و کردار کی حفاظت تھی وہیں آزادی کے لئے مجاہدین کی تربیت بھی، اس کے ایک سپوت اور سب سے پہلے طالب علم حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے اپنے استاذ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے اشارے پر ثمرۃ التربیت کے نام سے ایک انجمن قائم کی جو دراصل مشہور تحریک ریشمی رومال کی ایک اہم کڑی تھی۔

۱۸۸۵ء کا دور آیا کانگریس کا وجود ہوا تین سو سے زائد علماء کرام نے حصول آزادی کے لئے اس میں شامل ہونے کا فتویٰ دیا، پھر ۱۹۰۹ء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے جمعیۃ الانصار قائم کی جس کے پہلے ناظم مولانا عبید اللہ سندھیؒ ہوئے مسلسل چالیس برس کی خفیہ تیاری کے بعد سامراج کو جڑ سے اکھاڑنے کا منصوبہ بنایا اس کے تحت اندرون ملک بغاوت اور بیرون ملک سے حملوں کا پروگرام تھا۔

محاذ جنگ کی تیاری کے لئے مولانا عبید اللہ سندھیؒ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۱۵ء کو کابل پہنچے یکم ر دسمبر ۱۹۱۵ء کو آزاد ہند حکومت قائم کی جس کے صدر مہاراجا مہندر پرتاپ سنگھ بنائے گئے۔

آخر میں تحریک کو جمعیۃ علماء ہند کی شکل میں مستحکم کیا گیا اس میں کوئی شبہ نہیں آخر میں ہمارے دوسرے وطنی بھائیوں نے ہمارا بہت تعاون کیا، ایک دن وہ بھی آیا کہ ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو ہمارے ملک نے انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کر لی۔

محترم حاضرین اجلاس! انگریز نے ہندوستان پر پورے مضبوطی کے ساتھ اپنے پنجوں کو جمایا تھا وہ ہر طرح کی طاقت سے لیس ہو کر اس ملک اور اس کے باشندوں کو لوٹنے کے لئے یہاں داخل ہوا تھا، یہ خوش قسمتی تھی اس ملک کی کہ اس کو مسلمانوں اور بالخصوص علماء کرام کی سرپرستی حاصل تھی، عشق الٰہی میں سرشار بزرگانِ دین دن کو انگریز کے ساتھ قدم آرائی میں گزارتے تو رات کو سجدوں میں خدا کے سامنے گریہ وزاری میں گزارتے اگر ان علماء اور اولیاء کی آہ سحر گاہی اور قیادت تحریک آزادی کو حاصل نہ ہوتی تو آزادی کا خواب بہت مشکل تھا کہ شرمندۂ تعبیر ہوتا۔

لہٰذا دیانت وامانت کا تقاضا ہے کہ جنگ آزادی کی تاریخ کو بیان کیا جائے تو علماء کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جائے، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ذکر کیا جائے، سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ کی قربانیوں کا تذکرہ کیا جائے شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کی جدوجہد اور قربانیوں کا ذکر کیا جائے، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ان کے رفقاء کے کارناموں کو یاد کیا جائے، مولانا عنایت اللہ کا ذکر کیا جائے، مولانا جعفر تھانیسری کا ذکر کیا جائے، اور اس مرد حق جانباز شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنیؒ کا ذکر کیا جائے جس نے عدالت میں ۱۹۲۱ء میں انگریز حکومت کو للکار کر کہا تھا کہ اگر گورنمنٹ کا منشاء مذہبی آزادی کو سلب کرنا ہے تو صاف صاف اعلان کر دیا جائے تا کہ مسلمان غور کر لیں، آیا ان کو مسلمان رہنا منظور ہے یا گورنمنٹ کی رعایا، اور اگر لارڈ ریڈنگ ہندوستان اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ قرآن کریم کے نسخوں کو جلا دیں، احادیث کو مٹا دیں، فقہ کی کتابوں کو تباہ و برباد کر دیں تو اسلام کے نام پر سب سے پہلے جان قربان کرنے والا حسین احمد ہوگا۔

جنگ آزادی کی تاریخ ادھوری رہے گی اگر ملک وملت کے مابین مولانا ابوالکلام آزادؒ کا ذکر نہ کیا جائے، جس نے باشندگان ہند کو یہ کہتے ہوئے آزادی کی جدوجہد کے لئے جھنجھوڑا تھا کہ ہم نے اول دن سے اعلان کر دیا کہ ہماری جدوجہد کی آخری منزل قید خانہ ہے اس جنگ کی فتح وشکست کا فیصلہ میدانوں اور خرمنوں میں ہوگا یا قید خانہ کی کوٹھریوں میں ہوگا۔

بڑا ظلم ہوگا اگر عزم وحوصلہ قیادت واستقلال کے پہاڑ محمد علی جوہر کا ذکر نہ کیا جائے جس نے انگریز کے پایۂ تخت لندن میں گرج کر کہا تھا کہ میں ہندوستان میں اس وقت تک واپس نہ جاؤں گا جب تک آزادی کا پروانہ میرے ہاتھ میں نہ دے دیا جائے، اگر تم مجھے آزادی کا پروانہ نہیں دینا چاہتے ہو تو ایک قبر کی جگہ تو دینی ہی ہوگی، چنانچہ یہ غیور مرد مؤمن اپنی زندگی میں آزادی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوتے نہ دیکھ سکے کہ وہیں لندن

میں مالک حقیقی سے جا ملے اور قسطنطین میں مدفون ہوئے۔

جنگ آزادی کی تاریخ بیان کرتے وقت مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کی قربانیوں کا ذکر بھی کیا جائے، جنہوں نے تحریک آزادی میں زبردست حصہ لیا اور آزادی کے لئے بڑی قربانیاں دیں۔

عزیز ساتھیو! یہ ہے ذرا سا خاکہ جس سے آزادی کی جدو جہد کے لئے علماء کی قربانیوں کا اندازہ ہو سکتا ہے میں آخر میں اپنے احباب ورفقاء سے درخواست کرتا ہوں کہ دوسروں تک بھی میری یہ آواز پہنچائی جائے کہ تاریخ جنگ آزادی کے مطالعہ کا اہتمام کیا جائے اپنی نسلوں اور سبھی مسلمانوں کو اسلاف کے کارناموں سے روشناس کرایا جائے، اللہ تبارک وتعالی ان اسلاف کی قبروں کو نور سے منور کریں اور ہم کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

آزاد ہندوستان اور موجودہ وقت کا ایک جائزہ

خطیب: مولانا سید سعید ضیاء اللہ صاحب

معزز نوجوانان! آج ہندوستان کو آزاد ہوئے ۵۰؍سال سے زائد ہوئے، آج سے ۵۰؍سال پہلے تن کے گورے من کے کالے جنہیں انگریز کہا جاتا ہے، ہندوستان کو چھوڑ کر رخصت ہو گئے، آزادی سے قبل بے شمار دنوں اور لاتعداد راتوں میں ہندوستانیوں نے ہزاروں ماؤں کو بے اولاد ہوتے دیکھا، معصوم سے پھولوں کو گولیوں سے چھلنی ہوتے دیکھا، بہنوں کو بیوہ ہوتے دیکھا، غریبوں پر بے پناہ مظالم ہوتے لاکھوں بیٹیوں پر بے عزتی کے دھبے لگتے تھے، ننھے منے فرشتوں کو بھوک سے روتے بلکتے دیکھا۔

ان تاریک اور غلیظ راتوں کی صبح ہوئی دن کا فرحت بخش اجالا پھیلا، غلامی کا اندھیرا ختم ہوا، ایسا اندھیرا جو ۲۵۰؍سال پر محیط تھا اور ہم نے نہ جانے کتنی تکلیفیں برداشت کر کے ہندوستان کو طویل غلامی سے آزاد کرایا۔

کہ طویل عمر درکار ہے اس کے پڑھنے کو
ہماری داستان اوراق مختصریں نہیں

ہم نے تن من دھن کی قربانیاں دیں، ہم نے بغاوتیں کیں، ہم نے نعرے بلند کئے، پھانسی پر چڑھے اور سینوں پر گولیاں کھا کر ہندوستان کو عیار انگریزوں سے آزاد کرایا، حضرت محمود الحسن صاحب، اسیر مالٹا مولانا حسین احمد مدنی ؒ صاحب، اسیر مالٹا مولانا برکت اللہ صاحبؒ بھوپالی، مولانا عبید اللہ صاحب سندھی، مولانا محمد میاں انصاری، مولانا احمد شاہ صاحب، مولانا قاسم صاحب نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا

ابوالکلام آزاد صاحب، جناب حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا محمد علی جوہر جیسے وطن کے جیالوں نے جان و مال کی قربانیاں دیکر آزادی کا پرچم بلند کیا۔

آج ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم ہندوستان کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگادیں، تاکہ ان کی قربانیاں زندہ رہیں، جنہوں نے اپنے خون پسینے سے ہندوستان کو دنیا کے سامنے عزت دلائی وقار عطا کیا۔

آج اس دھرتی پر شرم ناک کھیل کھیلا جارہا ہے اور مسجد و مندر کے نام پر مذہب کے رکھوالے بن کر غیر ملکوں کے ایجنٹوں نے بھارت کے عوام میں پھوٹ ڈالنی شروع کردی ہے۔

رہزنوں کے ہاتھوں میں ملک کی قیادت ہے
رشوتوں کا پہرا ہے بے تکی سیاست ہے

ہندوستان میں بنگلہ بولنے کی غرض سے مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال دیا جاتا ہے، تو میں سرکار سے کہتا ہوں کہ پنجابی زبان بولنے والوں کو بھی پاکستانی قرار دیکر انہیں بھی ہندوستان سے نکال دینا چاہئے، کیونکہ بنگلہ بولنے والے ہندوستان میں بھی ہیں اور بنگلہ دیش میں بھی، اور پنجابی بولنے والے ہندوستان میں بھی ہیں اور پاکستان میں بھی ہیں اور ان غیر مسلموں کو بھی ہندوستان سے نکال دینا چاہئے جو بنگلہ بولتے ہیں اور سرکار نے شناختی کارڈ کا سلسلہ جاری کیا اور ووٹر لسٹ میں مسلمانوں کے نام درج نہیں کئے اور اگر درج کئے بھی تو وہ بھی غلط، سرکار کی پالیسی ہے کہ اس طرح سے ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال دیا جائے، اور ہندوستان میں کوئی حق نہ رہ جائے اگر ان کے پاس سناختی کارڈ نہ ہو یا نام غلط ہو تو وہ ہندوستانی نہیں کہلائیں گے۔

نوجوان بھائیو! ذرا غور کیجئے اس کے ذریعہ سے لاکھوں مسلمانوں سے ووٹ کا حق چھیننے کا خطرناک پلان جاری ہے، میں آپ لوگوں کے سامنے ایک ثبوت پیش کرتا ہوں، آپ ہمیشہ نئی دنیا پڑھتے ہوں گے، آپ ۲۲ رتا ۲۸ رنومبر ۱۹۹۴ء کا اخبار اُٹھا کر

دیکھئے اس میں یہ بات شائع ہوئی ہے، مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد کو جمہوریت کے سب سے بڑے حق ووٹ سے محروم کیا جارہا ہے، شیشن صاحب خاموش تماشائی بنکر اس منصوبے بند سازش کو دیکھ رہے ہیں۔

لاکھوں مسلمانوں کے نام فہرست رائے دہندگان میں یا تو لکھے ہی نہیں گئے اگر لکھے بھی گئے تو غلط، کسی کی والدیت غلط لکھی گئی ہے تو کسی کا مکان نمبر غلط درج کیا گیا ہے۔

کسی عورت کو مرد لکھا گیا ہے تو مرد کو عورت بنا دیا گیا ہے، شر پسند عناصر جذباتی ماحول پیدا کرنے کے لئے دینی اداروں کو نشانہ بنا رہے ہیں اور فرقہ پرستوں کا مقصد کسی ایک مسلم ادارے کی تباہی نہیں بلکہ ان کی نظر مسلمانوں پر ہر میدان عرصہ حیات تنگ کرنے کی پالیسی پر لگی ہوئی ہے، آزاد ہندوستان میں فرقہ وارانہ فضاء کو زہر آلود کرنے کے لئے ہر سطح پر انتہائی منظم مہم چلائی جارہی ہے، ہر سطح اور ہر مرحلہ پر مسلمانوں کو کمزور کرنے کی تدبیر کی گئی بلکہ ان کو رسوا کرنے کے لئے کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی ہے۔

مسلمانوں کی نوجوان نسل میں خاص طور پر اس رویہ سے مایوسی نظر آتی ہے، علماء کا طبقہ ابتک محفوظ تھا اب وہ بھی مشکلات کا سامنا کرنے پر مجبور ہوگیا ہے، حالانکہ اس طبقہ کی نمائندگی دعویٰ کرنے والے حضرات خود ہی اپنی عافیت کا احساس کھو رہے ہیں، یہ تو میں نے آپ کو ۱۹۹۴ء کا واقعہ بتایا اب آپ لوگوں کو ۱۹۹۹ء ماہ مئی کا ایک واقعہ بتارہا ہوں :

اخبار امراجالا کے مطابق ڈی، آئی، جی نے یہ کہا کہ ہندوستان میں جتنے مسلم ادارے ہیں سب کے سب دہشت گردی کے اڈے ہیں اور تمام مسلم اداروں کو پاکستان کی سرکار تنخواہ دیتی ہے، جس کے ذریعہ بچوں کو حکومت کے خلاف تربیت دی جاتی ہے اور وہاں پر بم وغیرہ بھی بنائے جاتے ہیں تو میں ڈی، آئی، جی، اور حکومت سے سوال کرتا ہوں کہ جب تم نے مسلم اداروں کو دہشت گرد کا اڈا قرار دیا تو بتاؤ تو تم نے ۱۹۹۴ء میں ندوۃ العلماء میں چھاپہ ڈالا تھا تو وہاں پر تم نے کتنے دہشت گرد کو گرفتار کیا تھا؟ اگر نہیں تو پھر ہم کو بتاؤ کہ گاندھی کا قاتل کون تھا؟ اندرا کا قاتل کون تھا؟ راجیو کا

قاتل کون تھا؟ کیا کوئی مسلمان تھا؟ یا کسی ادارے کے اساتذہ اور طلباء تھے؟

قاتل تو گلشن کے مالی بن بیٹھے، پھر تم نے کیسے مسلم ادارے کو دہشت گردی کا اڈا قرار دیا، یہ بات ذہن نشین کرلو کہ جہاں گاندھی نے ہندوستان چھوڑو کا نعرہ بلند کیا تو وہیں مولانا ابوالکلام نے قیادت سکھائی، جہاں نہرو نے جنگ آزادی کے لئے قدم آگے بڑھایا تو اس جنگ کا طریقہ مولانا حسین احمد مدنی نے سکھایا، جہاں پٹیل سیاست کی طرف گیا وہاں سیاست کا طریقہ مولانا محمد علی جوہر نے سکھایا۔

اور وہ قربانی بھی بھول گئے کہ مسند درس پر بیٹھ کر قرآن وحدیث کا درس دینے والے علماء کرام نے خانقاہوں میں بیٹھ کر اپنے خون وجگر سے شمع اسلام کو روشن کرنے والے مشائخ عظام نے اپنے مدرسوں اور خانقاہوں کو چھوڑا اور میدان میں اُتر گئے اور انگریز کے خلاف محاذ بنا کر منزل کی طرف نکل پڑے:

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
راہ رو آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

الغرض علماء کرام حصہ نہ لیتے تو ہندوستان آزاد نہ ہوتا، تحریک آزادی نہ چلتی، تحریک بالاکوٹ نہ چلتی، تحریک ریشمی رومال نہ چلتی، تحریک خلافت نہ چلتی، ہندوستان چھوڑو کی تحریک نہ چلتی، انبالہ سازش کیس نہ بنتا ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں دولاکھ مسلمان شہید ہوئے جن میں ساڑھے اکاون ہزار علماء کرام تھے، صرف دہلی میں ۵۰۰ر پانچ سو علماء کو پھانسی کے پھندے پر چڑھایا گیا اور ایک اور بات آپ لوگوں کو بتاتا چلوں کہ وائسرائے برطانیہ نے اپنے ہندوستانی مشیروں سے رائے طلب کی کہ بتاؤ ہندوستان میں تمہاری حکومت کیسے قائم ہوسکتی ہے، تو انہوں نے جواب دیا ہندوستان میں سب سے زیادہ بیدار مسلمان ہے اور جنگ آزادی صرف مسلمان نے لڑی ہے، مسلمانوں میں جب تک جذبۂ جہاد موجود ہے اس وقت تک ہم لوگ ان پر حکومت نہیں کر سکتے، اس لئے جذبۂ جہاد کو ختم کرنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ ہندوستان سے علماء کرام اور قرآن کو ختم کردیا جائے:

کیا آنکھ دیکھائیں گی گردش دوراں
ہم وہ ہیں جو فولاد کے سانچے میں ڈھلے ہیں

تو ۱۸۶۱ء میں ان کم بختوں نے اس وقت قرآن کریم کے ۳/لاکھ نسخے جلائے اور ۱۸۶۴ء سے لے کر ۱۸۶۷ء تک انگریز نے علماء کرام کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا ان تین سالوں میں ۱۴/ہزار علماء کرام کو تختہ دار پر لٹکا دیا، ایک انگریز ٹامسن کہتا ہے کہ دلی کے چاندنی چوک سے لے کر خیبر تک کوئی ایسا درخت نہ تھا جس پر علماء کرام کی گردنیں نہ لٹکتی ہوں ٹامسن کہتا ہے علماء کرام کے جسموں کو تانبے سے داغا گیا، ٹامسن کہتا ہے کہ علماء کرام کو سوروں کی کھالوں میں ڈال کر جلتے ہوئے تنوروں میں ڈالا گیا، نیز علماء کو ہاتھی پر کھڑا کر کے درختوں سے باندھ کر ہاتھیوں کو نیچے سے چلا دیا گیا اور لاہور کی جامع مسجد کے صحن میں انگریز نے پھانسی کا پھندا بنایا تھا جس میں ایک ایک دن میں ۸۰/۸۰/علماء کو پھانسی دی جاتی تھی، ٹامسن کہتا ہے کہ لاہور کی ندی راوی میں ۸۰/۸۰/علماء کو بوریوں میں بند کر کے ڈال دیا جاتا اور اوپر سے گولیوں کا نشانہ بنا دیا جاتا، وہ کہتا ہے کہ جب میں دہلی میں اپنے خیمہ میں گیا تو مجھے مُردار کی بدبو محسوس ہوئی تو میں پیچھے چلا گیا دیکھتا ہوں کہ آگ کے انگارے دھک رہے ہیں اور چالیس علماء کو لا کر ان کے کپڑے اتار کر انگاروں میں ڈالدیا گیا اور پھر میرے دیکھتے دیکھتے چالیس اور علماء کو بلایا گیا، میرے سامنے ان کے کپڑے اتارے گئے، پھر انگریز نے کہا مولویوں جس طرح ان چالیس کو پکا دیا گیا اس طرح تمہیں بھی پکا دیا جائے گا تم میں سے صرف ایک آدمی یہ کہہ دے کہ تم ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شریک نہ تھے تو ہم تم کو چھوڑ دیتے ہیں۔

ٹامسن کہتا ہے مجھے پیدا کرنے والے کی قسم! کوئی عالم ان میں سے ایسا نہیں تھا سارے آگ میں جل گئے مگر انگریز کے سامنے کسی نے بھی گردنیں نہیں جھکائی، بلکہ آگے آپ کو بتاؤں کہ جب انگریز مولانا ابوالکلام آزاد، گاندھی، نہرو، پٹیل کو گرفتار کرتے تھے تو گاندھی، نہرو، پٹیل کو ایک جیل میں رکھتے تھے، تو ادھر مولانا ابوالکلام آزاد کو دوسری

جیل میں رکھتے تھے، یعنی ان تمام کو بمبئی میں قید کر کے رکھا تو ابوالکلام آزاد کو تنہا رکھتے تھے، ان لوگوں کے لئے سہولتیں تھیں، ادھر مولانا کو ایک اندھیری کوٹھری میں ڈال رکھا تھا، یہی نہیں بلکہ آگے چلئے جب حضرت حسین احمد مدنی دیوبند کے اسٹیشن پر گدڑی ڈال کر سوئے ہیں تو ادھر نہرو ٹرین کے ایر کنڈیشن میں بیٹھ کر ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے نکلے۔

گل نہیں ہم جو مسل دیں گے زمانہ والے
ہم وہ خوشبو ہیں جو فضاؤں میں بکھر جائیں گے

اب میں اپنے مسلم نوجوان بھائیوں سے عرض کروں گا کہ مسلم نوجوانوں بیدار ہو جاؤ، اُٹھو سرکار جو کھیل کھیل رہی ہے ہماری اس دھرتی پر ہماری بہن و بیٹیوں کی عزتوں کو پامال کیا جا رہا ہے، آج اس دھرتی پر وہ جماعت برسر اقتدار ہے جو نہ خدائے واحد کو مانتی اور نہ اس کے رسولوں کو مانتی ہے اور نہ اس کی کتابوں کو مانتی ہے، ہماری صبر کی پیکر ماؤں اور بہنوں کو وہ بے عزت کر رہے ہی کیا ہم ان کی پکار پر محمد بن قاسم کی طرح لبیک نہ کہیں، وہ تو ایک بہن کی پکار پر چلا آیا تھا، یہاں سیکڑوں بہن مصیبت میں گرفتار ہیں اس اندھیرے کو ختم کرنے کے لئے مسلم نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ اس ظلم اور بربریت کا خاتمہ کریں لیکن بڑے ہی افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہم اور آپ غفلت کی چادر اوڑھ کر رنگین خوابوں میں کھو گئے ہیں۔

پھولوں کی سلطنت میں لٹیروں کو دیکھ کر
ہم نے بھی اپنے تاج میں کانٹے سجائے

میرے عزیز بھائیو! ذرا غور کرو ہمارا ماضی کتنا شاندار تھا مگر حال کتنا تاریک ہے، ہمارا ماضی دنیا پر حکمرانی تھا مگر حال محکوم اور غلام ہے، ہمارے اسلاف کے کارنامے آج بھی زندہ ہیں مگر آج ہمارے درمیان سے آہوں اور کراہوں کا دھواں اُٹھ رہا ہے کل ہم اپنی ماؤں اور بہنوں کی عزت کے محافظ تھے، ان کی آبرو کے پاسباں تھے لیکن آج ہماری غیرتیں مر چکی ہیں اور ہماری خودداری سو گئی ہے، ہم نے اپنی عزت کو بیچ ڈالا ہے کل ہم

نے اپنی بہن کی عزت کی خاطر اپنا سر کٹا دیا تھا، کل ہم نے قوم کی بیٹی کی آبرو بچانے پر فاتح سندھ کا معزز لقب حاصل کیا تھا، آج ہم نے اس تاج کو سر سے اُتار کر پھینک دیا ہے، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا ہماری تعداد کم ہیں؟ کیا ہماری قوتیں مضمحل ہیں کیا ہمارے پاس دولت کی کمی ہے؟ کیا ہمارے پاس صلاحیت کی کمی ہے؟ نہیں تو پھر کس نے ماضی سے ہمارا رشتہ توڑ دیا ہے اس کا صرف ایک جواب ہے خود ہماری غفلت اور بے توجہی نے، آج ہم مغرب کی ملمع کاریوں میں کھوئے ہوئے ہیں اور غیر مسلموں کی رسومات کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔

یاد رکھو! اسلام ہی وہ واحد مکمل نظام حیات ہے جو انسانیت کے درد کا درماں بن سکتا ہے، ان لوگوں کی تاریخ کو یاد کرو جن کے ذریعہ اسلام ہم تک پہنچا ہے، وہ مجاہد جن کے دل میں کوئی خوف نہ تھا، ذہنوں میں کوئی وہم دوسوسہ نہ تھا ان کے سامنے تو ایک پاک اور عظیم مقصد تھا، ان کی نگاہوں میں اپنے اللہ اور رسول کے حکم کی تعلیمات کی عظمت تھی اپنی جانوں کی کوئی اہمیت نہ تھی وہ اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کو قربان کر دیتے تھے، اپنی زندگی دیکر وہ اسلام زندہ رکھنے کا عہد کر چکے تھے ان کے شب و روز خاک و خون میں گزر رہے تھے، زمین ان کا بچھونا اور آسمان چادر تھا تلواروں کے سائے میں اللہ کا نام بلند کرتے تھے، باطل سے ٹکرانا دشمنان دین کے عزائم کو کچلنا ان کی عبادت تھی ان کی زبانوں پر اللہ کا ذکر تھا، عقائد ان کی تلوار تھی اور ایمان ان کی ڈھال تھی، اگر ہم نے اس عظیم نعمت کی قدر نہیں کی تو یقیناً انسانیت تباہ و برباد ہو جائے گی اور اس تباہی کے ذمہ دار کوئی اور نہیں بلکہ ہم نوجوان ہی ہوں گے اور آخرت میں بھی ہماری گرفت ہوگی کیا ہم اس تباہی کا جرم اپنے سر لینے کو تیار ہیں، نہیں اگر نہیں تو پھر نماز قائم رکھو، نماز صحیح طریقے پر ادا کرو، مغرب کی ملمع کاریوں اور غیر اسلامی رسموں کو ترک کرو، اللہ کی عبادت میں لگ جاؤ، باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کرو، اپنے اندر اتحاد اور اتفاق پیدا کرو اور اپنے اسلاف کے کارنامے کو یاد کرو، تاریخ اپنے آپ کو دہرانے کے لئے بے چین ہے، اب اس کی حفاظت ہمارا کام ہے۔

علماء ہنداوران کے کارنامے

خطیب: مولانا سید سعید ضیاء اللہ صاحب

عزیز بھائیو! اور دوستوں اور بزرگو! احقر نے جس عنوان کو ترتیب دیا ہے وہ علماء ہند اوران کے کارنامے ہے، امید ہے کہ آپ لوگ بندہ کی حوصلہ افزائی فرمائیں گے اور ساتھ ہی ساتھ اس میں جو غلطی ہوگی اس کو درگذر فرمائیں گے، بندہ آپ کا بہت ہی ممنون اور مشکور ہوگا۔

عزیز بھائیو! آپ لوگوں کو میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ماضی کے مسلمان اپنی زندگی کیسے گذار رہے تھے اور ماضی میں باطل کے مقابلہ کے لئے حق کیسے نمودار ہوا کہ جب باطل پوری طاقت کے ساتھ آیا تو حق بے سروسامانی کے عالم میں آیا، جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات کھل کر واضح ہوجاتی ہے کہ حق اور باطل کا ٹکراؤ روزِ ازل سے جاری رہا ہے حق کس طرح آیا باطل کس طرح آیا، باطل نمرود کی شکل میں آیا تو حق ابراہیم کی شکل میں آیا، باطل فرعون کی شکل میں آیا تو حق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شکل میں آیا، جب باطل بنی اسرائیل کی شکل میں آیا تو حق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں آیا، جب باطل ابولہب اور ابوجہل کی شکل میں آیا تو حق حضرت محمد ﷺ کی شکل میں آیا، جب باطل تاتاری کی شکل میں آیا تو حق ابن تیمیہ کی شکل میں آیا، باطل انگریز کی شکل میں آیا تو حق شاہ عبدالعزیز کی شکل میں آیا، ہر دور میں حق اور باطل کا ٹکراؤ ہوا، باطل قادیانی کی شکل میں آیا تو حق انور شاہ کشمیریؒ کی شکل میں آیا، یادرکھنے کی بات ہیں کہ ۱۶۰۱ء میں انگریز ہندوستان میں آیا اس وقت ہندوستان کا حکمراں احمد شاہ ابدالی

تھا، اس وقت سرکاری زبان فارسی تھی، برطانیہ کی ایسٹ انڈیا کمپنی ایک تجارتی وفد کے ذریعہ بمبئی کے ساحل پر اتری، انگریز نے حکومت ہند سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ تعاون کیا جائے، ہم ہندوستان کی تجارت کو مستحکم کرنے آئے ہیں، احمد شاہ ابدالی انگریزوں کی چالاکیوں کو سمجھ نہ سکا اور انہیں تجارت کی اجازت دیدی اور انہیں ۵۰۰-۵۰۰ مربع میل زمین دیکر کہہ دیا کہ تم یہاں پر کمپنی تیار کرو اور ان کو وہاں کا حاکم بنا دیا، انگریز نے تجارت کرتے کرتے ۱۷۱۷ء میں میسور کے ایک قلعہ پر قبضہ کرلیا، پھر ۱۷۴۰ء میں میسور کے ایک اور قلعہ پر قبضہ کرلیا، پھر ۱۷۴۰ء میں بڑے بڑے صوبوں پر قبضہ کر لیا، ۱۷۰۴ء میں شیخ عبدالرحیمؒ کے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا جنہیں شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں، شاہ ولی اللہؒ نے مکہ مکرمہ کے ایک استاذ طاہر مدنیؒ سے حدیث و قرآن سیکھ کر ہندوستان میں قرآن اور حدیث کا درس دیا، ان کے بعد ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیزؒ نے لوگوں کو حدیث کا درس دیا اور ان کے تیسرے لڑکے شاہ رفیع الدینؒ نے قرآن کا ترجمہ فارسی سے اردو زبان میں کیا اور ان کے چوتھے لڑکے نے بھی قرآن اور حدیث کا درس دیا اور شاہ ولی اللہؒ پہلے انسان تھے جنہوں نے قرآن کا ترجمہ فارسی میں کیا اور باطل کا مقابلہ کیا، شاہ ولی اللہؒ کی وفات ۱۷۶۳ء میں ہوئی ہندوستان کا بلند مرتبہ سپوت شاہ ولی اللہ جن کو تاریخ نے محفوظ رکھا، خصوصیت کے آئینہ دار ہیں، بیشک وہ عالم دین روحانیت فلسفے اور اخلاق کے بہترین نمونہ تھے، شاہ ولی اللہؒ نے انقلابی نظریات کو بھی ترجمہ قرآن شریف کی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیا، شاہ ولی اللہؒ کے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شاہ عبدالعزیزؒ رکھا گیا، جس نے ۱۷۷۲ء میں انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا، اس فتویٰ کے بعد ایک آدمی جس کا نام حیدر علی تھا جو انگریز کا سپہ سالار تھا، اس نے جب سنا کہ انگریز کے خلاف فتویٰ جاری ہوا ہے تو انگریز کی سپہ سالاری سے نکل کر انگریز کے خلاف جہاد کرنے کے لئے نکلا اس کے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ٹیپو سلطانؒ تھا، اس نے جب اپنی قوم کو غلامی کی زنجیر میں جکڑا ہوا پایا تو ۱۷۹۲ء میں انگریز کے خلاف

جنگ شروع کردی اور تن تنہا لڑتا رہا، انگریز نے جب یہ دیکھا کہ اسے ہرانا اور شکست دینا مشکل ہے تو ان لوگوں نے میر صادق کو دولت کا لالچ دیکر خرید لیا، اس فدائے ملک کا خاتمہ شہادت پر ہوا جس کو دنیا ٹیپو سلطانؒ کے نام سے پہنچانتی ہے، ۴؍مئی ۱۷۹۹ء منصوبہ کی کامیابی کی آخری تاریخ تھی، دن کا ایک بج رہا تھا کہ جنگ آزادی کا یہ شیر دل کمانڈر اپنے مخصوص جاں نثاروں کے ساتھ جس میں کچھ وطن پر مر مٹنے والی خواتین بھی تھیں، انگریز پر حملہ آور ہوئے، سب طرف سے گھر جانے کے باوجود ماہ مئی کی دہکتی ہوئی گرمی میں بھوکے پیاسے سات گھنٹے کی جنگ کے بعد غروب آفتاب کے وقت اس بہادر سلطان نے پپڑیاں جمے ہوئے ہونٹوں کو جام شہادت سے تر کیا اور تاریخ جبر وقہر کی پیشانی پر شہادت سے فقرہ لکھ دیا ''شیر کی زندگی کا ایک لمحہ گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے بہتر ہے'' جس کے خون شہادت سے لتھڑے ہوئے جنازے کو دیکھ کر انگریز فاتح کی زبان سے بے ساختہ پکار اٹھتی تھی ہندوستان آج ہمارا ہے۔

کائیسن پارسن اپنی کتاب ''سرنگاپٹنم'' میں لکھتا ہے کہ سلطان کی لاش کے نزدیک بے شمار عورتوں کی لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں، جن کے لباس وضع قطع سے معلوم ہوتا تھا غالباً حرم سلطانی ہیں، انیس جان کنگن کی شہادت سے ایک الم ناک داستان کی طرف اشارہ ہے، واقعہ یہ ہے کہ سلطانؒ کے ساتھی حتی کہ خادم بھی جس کے پاس پانی کا چھاگل تھا، انگریزوں کے ہاتھ بک چکے تھے، دربار کے ذمہ داروں نے نشان دہی کر کے انگریزی فوج کو قلعہ میں داخل کیا اور جب چند ساتھیوں کو لے کر یہ بہادر جرنیل اپنے ملک کی عزت وعظمت پر قربان ہونے کے لئے انگریز فوج کے سامنے سینہ سپر ہوگیا تو باڈی گارڈ کے یہ ساتھی بھی پست ہمت یا غدار ثابت ہوئے، سلطان سپاہانہ جوہر دکھا کر دشمنوں کو کھید کر رہا تھا، مگر جب گرمی کی شدت اور تشنہ لبی سے پریشان ہوکر اپنے خادم سے پانی طلب کرتا تھا تو افسوس ! نہ ساتھی کے ہاتھ ہلتے تھے اور نہ چھاگل انڈلتا تھا، مختصر یہ کہ بہادر سلطانؒ شدید زخمی ہوا، پانی مانگتا ہوا گھوڑے سے گرا اس وقت بھی اس پر

رحم نہ کیا گیا، بہادر اور جری انسان تشنۂ لب ہی میں اس دنیا سے رخصت ہوا اور ہندوستان میں آپس میں خانہ جنگی شروع ہوگئی، ہندوستان کی خانہ جنگی سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے فائدہ اُٹھایا اور اس نے بنگال میں اپنی فوجی طاقت بڑھانی شروع کردی اور بنگال میں انگریزی فوجوں نے سراج الدولہ کو موت کے گھاٹ اتار کر غیر ملکی شاہنشاہیت کا پرچم لہرادیا علمی اور عملی تربیت کا سب سے بڑا مرکز دہلی تھا، جس کو شاہ ولی اللہؒ کے بعد آپ کے فرزند مولانا شاہ عبدالعزیزؒ نے زندہ رکھا، لیکن انتہا یہ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے تسلط کے جواز کو سند دیوانی ضروری سمجھا اور دہلی فتح کرنے کے بعد بھی نصف صدی سے زائد تک تخت دہلی پر مغل بادشاہ کا گڈا بیٹھائے رکھا، فروری ۱۷۳۸ء میں چند گھنٹوں میں یعنی صبح سے دو پہر تک شہر دہلی مردہ لاشوں سے پٹ گیا، مقتولین کی تعداد آٹھ ہزار بتائی گئی ہے اندازہ کیا گیا ہے کہ تقریباً ۷۰ کروڑ کی دولت لوٹی گئی تھی، شاہی محل کے زیورات، جواہرات اور تخت طاؤس وغیرہ کی قیمتوں کا اندازہ مشکل ہے، پھر ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی لڑائی ہوئی، جس میں علی وردی خاں کے نواسہ سراج الدولہ کا خاتمہ ہوا، علی وردی خاں کے غصب کردہ علاقہ پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا جھنڈا لہرانے لگا، اس طرح ایک رقیب وحریف طاقت کے قدم ہندوستان میں جم گئے، بہرحال شاہ ولی اللہؒ کی وفات کے وقت ملک وحدت پارہ پارہ اور ملکی طاقت کو بہت کافی نقصان پہنچ چکا تھا، شاہ ولی اللہؒ کی وفات کے بعد ان کے بڑے فرزند شاہ عبدالعزیزؒ کو ان کا جانشین تسلیم کیا گیا، علماء حضرات شاہ عبدالعزیزؒ کی تربیت گاہ سے تربیت پاکر ہندوستان کے آفتاب و ماہتاب ہوئے۔

پھر جب شاہ عبدالعزیزؒ نے دیکھا کہ ہندوستان انتشار کا شکار ہے تو انہوں نے انگریز کے خلاف اعلان جنگ کیا اور فرمایا کہ ہر محب وطن کا فرض ہے کہ جب تک انگریز کو ملک بدر نہ کردے اس ملک میں زندہ رہنا اپنے لئے حرام سمجھے، شاہ عبدالعزیزؒ کو اذیتیں پہنچانے کی جو روایتیں نقل کی جاتی ہیں ان میں جس کا نام لیا جاتا ہے وہ نجف علی

خاں ہے، جو انگریز کا پرانا وظیفہ خوار اور ان کا لایا ہوا وزیر تھا، فتویٰ کا اثر عام مسلمانوں پر جو انگریز کے تیز رفتار اقتدار سے حیرت میں رہ گئے تھے اور اپنے اندر ایسی صلاحیت نہیں رکھتے تھے کہ مذہب کی روشنی میں فیصلہ کرسکیں ان کے لئے ایک راستہ کھل گیا، جس کا فوری اثر یہ ہوا کہ باہمت جنگ جو طبقہ جابجا اس طاقت سے وابستہ ہوگیا جو اس وقت انگریزوں سے برسر پیکار تھی، یہ طاقت اس وقت صرف مرہٹوں کی تھی اور مسلمان آخر دم تک انگریزوں کے خلاف لڑتے رہے، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ مرکز کے خاص ارکان میں سے تھے، مولانا شاہ محمد یعقوب صاحبؒ دہلوی، مولانا شاہ محمد اسحاق صاحبؒ دہلوی مولانا شاہ حسن علی دہلویؒ، مولانا شاہ حسین محمد دہلویؒ، مولانا شاہ عبدالغنی صاحب دہلویؒ، مفتی رشید الدین صاحب دہلویؒ، مولانا صدر الدین صاحب دہلوی، ان حضرات کو جہاد کا سب سے زیادہ خیال رہتا تھا، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے انقلاب کا جو بیج بویا تھا، وہ حضرت شاہ عبدالعزیز کی آبیاری سے ایک تناور درخت بن چکا تھا، چنانچہ تعلیم اور تربیت اور ایک قسم کی اخلاقی ٹریننگ جو نصب العین اور اس منزل مقصود تک پہنچنے کا بہت ضروری پروگرام تھا، اس کا حلقہ اتنا وسیع ہو چکا تھا کہ پورے ہندوستان میں قرآن و حدیث کا کوئی قابل اعتماد عالم ایسا نہیں تھا جس کا رشتہ ان کے دامن فیض سے جڑا نہ ہو ان کی وفات ۴؍مئی ۱۸۲۴ء میں ہوئی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سکھوں کے خلاف نہیں بلکہ انگریزوں کے خلاف بھی ۱۸۰۶ء میں اعلان جنگ کر چکے تھے، جب آپ نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے ہوئے انگریزی اقتدار سے انخلائے وطن کی جدوجہد کو ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ قرار دیا تھا اس موقعہ پر مولانا عبیداللہ صاحب سندھیؒ کا ایک فقرہ بہت ہی دلچسپ ہے فرماتے ہیں کہ ایسٹ انڈیا کمپنی گذشتہ ڈیڑھ سو برس سے سیاسی اقتدار حاصل کر رہی تھی مگر اس نے ایک تجارتی لباس میں مستور رہنا ضروری سمجھ رکھا تھا، واقعہ بالاکوٹ سے دو سال بعد ۱۸۳۴ء میں صنعت و تجارت کا لبادہ اتار کر وہی حکومت کی مالک بن گئی، مولانا عبدالرحیم صاحبؒ کا بیان ہے آپ نے جہاں جیسی

ضرورت دیکھی مختصر اور عام فہم رسالہ قلمبند فرما کر لوگوں کے حوالے کیے، ایسے رسائل کی تعداد ۱۰۰؍ سے کم نہ ہوگی، سید ضامن شاہ صاحبؒ کی اپیل ایک ایسا عنوان تھا جس پر لبیک کہنے کے لئے ہر ایک مجاہد ۱۰۰؍ سو جان سے تیار تھا، مولانا سید ولایت علی صاحبؒ نے پانچ سو مجاہدین کا ایک دستہ تیار کیا اور مولانا عنایت علی صاحب کی زیر قیادت بالا کوٹ روانہ کر دیا، کچھ دنوں بعد خود بھی رخت سفر باندھا اور ۷ا؍شوال ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۹؍اکتوبر ۱۸۴۶ء جمعہ کے دن بالا کوٹ پہنچ کر کمان اپنے ہاتھ میں لی سید ضامن شاہ صاحبؒ کی ریاست اور بالا کوٹ کے علاقے میں مجاہدین کے اس قتل عام کے بعد مولانا ولایت علی صاحبؒ نے علاقہ سوات کا قصد کیا اور مولانا عنایت علیؒ غازی نے اپنے دور میں براہ راست انگریزوں کے مقابلے پر مہم کی شروعات کی جس کی مدافعت کے لئے ۷؍سال میں ۱۲؍مرتبہ برطانوی فوج بھیجی گئیں، ۱۸۵۷ء میں ایک طرف ہندوستان بالخصوص شمالی ہند انقلاب اور بغاوت کا آتش کدہ بنا ہوا تھا، دوسری جانب مولانا عنایت علی خاں غازیؒ نے علاقہ سرحد سے انگریز پر حملہ کر دیا مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے حضرت مولانا عنایت اللہ غازیؒ نے اس دار فانی سے رخصت ہوئے مگر یہ مٹھی بھر جماعت کسی حال میں انگریز کی قیادت اور غیر ملکی اقتدار قائم کرنے کے لئے تیار نہ تھی، تبلیغی رسالے اور جہادی تنظیمیں بڑی تعداد میں چھاپ کر بانٹی جاتی تھی، تحریک کے یہی نمایہ پہلو اور کارکنان تحریک کے یہی گراں قدر اصحاب تھے جنہوں نے ۱۸۵۷ء کے قیامت خیز ہنگامہ کے طوفان میں بھی اس تحریک کو زندہ رکھا انقلاب ۱۸۵۷ء کے سیلاب نے سیاسی اقتدار کی بڑی بڑی چٹانوں کو نیست نابود کر دیا۔

دریائے گنگا کی وادی میں پٹنہ سے لے کر سمندر تک مسلمان کسان مجاہدین کے لئے امدادی نذرانے مخصوص کرنے کے عادی ہو چکے تھے، مولانا جعفر صاحب فرماتے ہیں یہ ایسا وقت تھا کہ کوئی شخص ہمارے واسطے ذرا بھی کلمۂ خیر کہتے تو اسے قید کر لیا جاتا تھا، آخر ۱۸۶۳ء سے دس برس تک ہندوستان کے مسلمانوں پر قیامت برپا رکھی، جب

مولانا تھانیسری اور مولانا یحییٰ علی کو پھانسی کا حکم سنایا گیا تو یہ حکم سن کر خوش ہوئے اسی دن پولس اور مرد و عورت بکثرت حاضر تھے، پولس کپتان پارسن ان کے پاس آ کر کہنے لگا پھانسی کا حکم ہوا ہے تم کو رونا چاہئے تم کس واسطے اتنا خوش ہو، انہوں نے جواب دیا کہ شہادت کی امید پر جو سب سے بڑی نعمت ہے تم اس کو کیا جانو، جس وقت ان کی پھانسی کے لئے سامان تیار کر رہے تھے تو اسی وقت ان کو دیکھنے کے لئے صدہا لوگ آئے، اکثر لوگ ان سے جب پوچھتے تھے کہ تم بہت جلد پھانسی پر چڑھا دیئے جاؤ گے تم خوش کس واسطے ہو رہے ہو تو وہ جواب دیئے ہمارے مذہب میں خدا کی راہ میں ظلم سے مارے جانے پر درجہ شہادت ملتا ہے اس واسطے ہم کو خوشی ہے۔

جب انگریزوں نے ان کی اس خوشی کو دیکھا تو ان کی سزا تبدیل کر دی اور یہ خیال کیا کہ ایسے دشمنوں کو منھ مانگی موت جس کے واسطے وہ ایسا خوش ہو رہے ہیں نہیں دینی چاہئے بلکہ ان کو کالا پانی بھیج کر وہاں کے مصائب اور سختیوں سے ہلاک کرنا چاہئے، چنانچہ صاحب ڈپٹی کمشنر انبالہ ۱۶ر ستمبر کو پھانسی کے گھر میں آیا اور ان سے بولا کہ چیف کورٹ کا حکم ہے کہ تم کو پھانسی نہیں دی جائے گی کیونکہ تم پھانسی کو بہت دوست رکھتے ہو اور شہادت سمجھتے ہو اس واسطے سرکار تمہاری دل چاہی سزا تم کو نہیں دیوے گی اور انہیں کالا پانی کی سزا سنا دیا گیا، مولانا تھانیسری کے زبان سے نکلا کہ:

مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا
کیا کہوں کیسے رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

اور اخیر میں مولانا کے بڑے بھائی احمد اللہ صاحبؒ جو پورے خاندان کے آخری سہارا تھے وہ گرفتار کر لئے گئے، مولانا احمد اللہ شاہ صاحب کو پھانسی اور ضبطی جائداد کا حکم سنا دیا گیا تھا، پھانسی کی سزا عبور دریا سے بدل دی گئی، انہیں بھی کالا پانی بھیجوا دیا گیا اور مکانات خالی کرائے گئے، بچوں اور عورتوں کو گھروں سے نکال دیا گیا، تمام سامان و اسباب اور تمام کتابیں اور مسودات ضبط کر لئے گئے اور تمام مکان مسمار کرا دیئے گئے۔

خون شہادت کے یہ آرزومند سب کچھ قربان کردینے کا سوچ کر کے گھر سے نکلے تھے، صرف ایک ہی تمنا تھی کہ ان کی یہ قربانی محبوب حقیقی کے نظر میں شرف وقبولیت حاصل کر لے، مولانا احمد اللہؒ نے سید احمد شہیدؒ اور سید اسماعیل شہیدؒ سے تربیت پائی، ۱۸۵۶ء کے آخر یا ۱۸۵۷ء کے شروع کا واقعہ ہے کہ چند ماہ بعد دس مئی ۱۸۵۷ء طوفان انگریز تاریخ آئی جس نے پورے شمالی ہند کی زمین کو ہلا دیا اور اینٹ سے اینٹ بجادی اور حضرت شاہ صاحب اس وقت جیل میں تھے، فیض آباد میں عنان قیادت ایک اور صاحب نے سنبھالی، ان کا اسم گرامی سکندر شاہ صاحب فیض آبادی تھا، آپ نے جیل خانے سے مولانا احمد اللہ شاہ صاحب کو چھڑالیا، لیکن خود انگریزی فوجوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے، مگر احمد اللہ شاہ صاحبؒ کے جھنڈے کو گرنے نہیں دیا، اپنی رہائی کے بعد پورے ہندوستان کی آزادی کے لئے پرچم لہرایا، جنرل ٹامس جو ایک بہادر انگریز تھا اور ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں شریک تھا، شاہ صاحبؒ کی بابت لکھا ہے کہ مولوی احمد اللہ شاہ صاحبؒ بڑی لیاقت وقابلیت رکھتے تھے اور ایسے شجاع تھے کہ خوف اس کے نزدیک نہیں آتا ہے، وہ عزم کے پکے اور ارادے کے مضبوط تھے، باغیوں میں ان میں سے کوئی بہتر سپاہی نہیں تھا یہ فخر ان کو حاصل ہے انہوں نے دومرتبہ سر کالن کیمبل کو میدان سے نامراد لوٹایا، وہ بہ نسبت اور باغیوں کے خطاب شاہ کا زیادہ مستحق تھا، اگر محب وطن ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اپنے ملک کی آزادی کے لئے جو غلطیاں ہوگئی ہوں تحریکات چلائی جائے اور لڑائیاں لڑی جائیں تو مولوی یقیناً اپنے ملک کا محب صادق تھا، اس نے کبھی تلوار کو مخفی اور سازش قتل سے خون آلود نہیں کیا وہ بہادرانہ معجزانہ طور پر ان سے معرکہ آرا ہوا، جنہوں نے اس کا ملک چھین لیا تھا، دنیا کی ساری قومیں اس کو تعظیم وادب کے ساتھ جو شجاعت و صداقت کے لئے لازمی تھیں اور وہ جن کا مستحق تھا، اس کو یاد کریں گے، وہ عالم باعمل ہونے کی وجہ سے مولوی تھا، روحانی طاقت کی وجہ سے صوفی تھا، اور جنگی مہارت کی وجہ سے سپاہی اور سپہ سالار تھا، اس کی طبیعت ظلم سے پاک تھی، ہر انگریز اس کو قدر کی نگاہ

سے دیکھتا تھا۔

اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ اسیر مالٹا جنہوں نے بیسویں صدی عیسوی کے پہلے عشرہ میں ریشمی رومال والی انقلابی تحریک کی بنیاد ڈالی شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنے استاذ محترم حضرت شیخ الہند صاحبؒ کے ہمراہ ریشمی رومال کی تحریک کے سلسلے میں چار سال تک نظر بند رہنے کے بعد جب مالٹا سے رہائی پاکر ہندوستان پہنچے تو یہی علاقہ جس نے اپنی عظمت و برتری کی دستار آپ کے قدموں میں ڈالی اور آپ کی ہر ایک دعوت پر لبیک کہتے ہوئے جنگ آزادی میں آگے بڑھ کر حصہ لیا ملک میں منشی ذکاءاللہ صاحبؒ نے ۱۸۵۷ء کے بعد اگرچہ وہ پالیسی اختیار کی جس کے نتیجہ میں انگریزی سرکار نے شمس العلماء کا خطاب دیا، حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی جن کو امیر اور رہنما منتخب کیا گیا تھا، جو بعد میں شیخ العرب والعجم اور قطب العالم تسلیم کئے گئے، ۱۸۱۸ء میں نانوتہ میں پیدا ہوئے، والدین کا رکھا ہوا نام امداد حسین تھا اور جب آپ ۱۲۶۰ھ میں جب کہ عمر تقریباً ۲۷/سال تھی حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحبؒ نے آپ کا نام بدل کر امداد اللہ رکھدیا، آپ کی وفات بروز چہارشنبہ ۱۳/جمادی الاول ۱۳۱۷ھ میں ہوئی عمر ۸۴ سال ۳/ماہ ۲۰/دن کی تھی۔

۱۸۵۷ء کی تحریک اطراف و جوانب خصوصاً اطراف دہلی میں چلنی شروع ہوئی تو ان حضرات نے جوش حریت میں نئی حرکت پیدا کردی اور حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے محسوس کیا کہ اس انقلاب میں حصہ لینا فرض اور لازم ہے اور لوگوں نے حضرت امداد اللہ صاحبؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی، مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نے حضرت شیخ الہند کی آغوش شفقت میں پرورش پائی، لہٰذا ۱۸۵۷ء کے اس معرکہ کے متعلق مولانا حسین احمد صاحب کا بیان چشم دید شہادت کی حیثیت رکھتا ہے، جہاد کی تیاری شروع ہوگئی اور اعلان کردیا گیا کہ حضرت امداد اللہؒ کو امام مقرر کیا گیا اور حضرت

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کو سپہ سالار افواج قرار دیا گیا اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو قاضی بنایا گیا۔

اور اس وقت ہتھیار پرانے قسم کے تھے، بندوقیں توڑے دار تھیں، کارتوس والی نہیں تھیں اور یہ صرف انگریزی فوجوں کے پاس تھیں، مجاہدین ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوگئے اور یہ خبر آئی کہ توپ خانہ سہارنپور سے شاملی بھیجا گیا ہے، ایک پلٹن آرہی ہے، جو رات کو یہاں سے گذرے گی، اس خبر سے لوگوں کو تشویش ہوئی کیونکہ جو ہتھیار ان مجاہدین کے پاس تھے، وہ توڑے دار بندوقیں اور برچھے وغیرہ تھے، مگر توپ وغیرہ کسی کے پاس نہ تھا، توپ خانہ کا مقابلہ کس طرح کیا جائے، حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا فکر مت کرو پلٹن ایک باغ کے کنارے سے گذرتی تھی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کو تیس یا چالیس مجاہدین پر حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے افسر مقرر کر دیا تھا، آپ اپنے ماتحتوں کو لے کر باغ میں چھپ گئے اور سب کو حکم کیا کہ جب میں کہوں تو ایکدم فائر کر دینا، چنانچہ جب پلٹن مع توپ خانہ باغ کے سامنے پہنچی تو سب نے ایک دم فائر کر دیا، پلٹن گھبرا گئی کہ خدا جانے کس قدر لوگ یہاں چھپے ہوئے ہیں اور توپ خانہ چھوڑ کر سب بھاگ گئے، حضرت گنگوہیؒ نے توپ خانہ کھینچ کر حضرت حاجی امداد اللہؒ کی مسجد کے سامنے لاکر ڈالدیا۔

انگریزی فوج جو شاملی میں موجود تھی اور مجاہدین کا باہر ایک ہجوم میدان میں تھا، جہاں کوئی آڑ نہیں تھا اسی طرح مجاہدین کا جانی نقصان کافی ہوا اتفاق سے تحصیل کے قریب ایک چھپرا تھا حضرت مولانا قاسم صاحبؒ کی نظر اس پر پڑی چھپرا اٹھوا کر تحصیل کے دروازے پر ڈلوادیا اور اس میں آگ لگادی جس سے پھاٹک جل گیا اور اندر گھسنے کا راستہ کھل گیا، اب فوج میں مقابلے کی طاقت نہیں تھی، اس کے کچھ سپاہی کسی طرح بھاگنے میں کامیاب ہوگئے، کچھ مقتول ہوگئے اور باقی گرفتار ہوگئے اور شاملی پر مجاہدین کا قبضہ ہوگیا۔

اس ہنگامہ میں حضرت حافظ ضامن صاحبؒ شہید ہو گئے ان کی شہادت سے پہلے روزانہ خبر آتی تھی کہ آج فلاں مقام انگریزوں سے چھین لیا گیا ہے مگر حافظ صاحبؒ کی شہادت کے بعد سب سے پہلی خبر آئی کہ دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور یہی حال ہر جگہ کی خبر کا تھا۔

اس سے پہلے گورے فوجی چھپے پھرتے تھے ایک ایک سپاہی گوروں کی پوری جماعت کو بھگائے پھرتا تھا مگر بعد میں بالکل برعکس ہو گیا، حافظ محمد ضامن صاحبؒ کی شہادت کے بعد لوگوں کی ہمتیں پست ہو گئیں، سب اپنے اپنے وطن کو واپس آ گئے، ۱۹ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو بہادر شاہ ظفر گرفتار ہوئے دہلی پر انگریزوں کا قبضہ مکمل ہو گیا، دنیا کے وہ علماء ہند جن کو تاریخ کا ہیرو مانا جاتا تھا، جس طرح ان کے کارنامے حیرت انگیز ہوتے ہیں اسی طرح بسا اوقات ان کی عزت و عصمت و وسائل و ذرائع بھی حیرت انگیز و تعجب خیز ہوتے ہیں۔

جو قدرت ان کے لئے وقت پر مہیا کر دیتی ہے ان بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے وظیفہ کی توفیق فرمائی جو نہ صرف ان بزرگوں بلکہ پوری ملت کے لئے نجات دہندہ ثابت ہوئی۔

تحریک ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے اسی مرکز کا رخ فرمایا اور غیر معمولی مشکلات اور پریشانیوں کو برداشت کر کے مکہ معظمہ میں بیٹھ کر آخر تک ہندوستانی تحریک کی قیادت فرماتے رہے، حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ جو ایک سیاست کے شہ سوار تھے، سربراہ مولانا محمود الحسنؒ اور آپ کے ساتھیوں نے مسلمانوں کے لئے شرکت انگریز کا فتویٰ جاری کیا، پھر بیسویں صدی کے شروع میں موتمر الانصار اور جمعیت الانصار کے نام سے ایک نظام قائم کیا، اس نظام کا اندرونی رخ یہ تھا، بقول شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی ۱۹۰۷ء میں حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ نے ریشمی رومال کی تحریک شروع کی اور ۱۹۱۴ء تک اسے اس

حد تک پہنچادیا تھا کہ اگر کچھ ملک کے خائن خیانت نہ کرتے تو اسی وقت ہندوستان آزاد ہو چکا ہوتا، ۱۹۱۴ء میں ریشمی رومال کی تحریک ناکام ہوئی، اس کے رہنما حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حکیم نصرت حسین صاحبؒ گرفتار ہوئے اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مولانا برکت اللہ صاحب بھوپالی، مولانا میاں منصور انصاریؒ وغیرہ جلاوطن ہوئے، جب مولانا محمود الحسن صاحبؒ نے ریشمی رومال والی انقلابی تحریک کی بنیاد ڈالی اور انگریز کے خلاف جدو جہد کی تو انگریز نے ان کو قید کر دیا اور تہ خانہ کے اندر لے جاتا اور ان سے کہتا اے محمود الحسنؒ تو ہمارے حق میں فتویٰ دیدے اور انہیں گرم گرم لوہے سے داغتا، جب ان کو ہوش آتا تو کہتے اے انگریز تو سن لے میں بلالؓ کا جسم ہوں، پگھل سکتا ہوں، میرے جسم کو تو بوٹی بوٹی کر سکتا ہے اور پیٹھ کے چمڑے کو تو اُدھیڑ سکتا ہے، لیکن میں تیرے حق میں ہرگز فتویٰ نہیں دے سکتا، مولانا محمود الحسن صاحبؒ کا انتقال دہلی ہی میں ہوا۔

جب انہیں وہاں سے دیوبند لایا گیا تو انہیں غسل کے لئے چارپائی پر لٹایا گیا تو دیکھتے ہیں کہ مولانا کی کمر میں ہڈی کے سواء گوشت کا نام ونشان ہی نہیں تھا، ان کے شاگرد حسین احمد مدنیؒ جو اس وقت کلکتہ میں قرآن وحدیث کا درس دے رہے تھے، انہوں نے سنا تو فوراً آئے اور لوگوں نے ان سے پوچھا کہ مولانا کی کمر میں ہڈی کے علاوہ کچھ نہیں ہے اس کی وجہ کیا ہے، تو وہ رو پڑے اور کہنے لگے کہ میرے استاذ نے مجھے کہا تھا کہ راز کو فاش نہ کرنا، مگر وہ آج اس دنیا سے کوچ کر گئے ہیں اس لئے میں بتا دے رہا ہوں کہ انگریز ان کو گرم لوہے سے داغ دیتا تھا، اس کے بعد حسین احمد مدنیؒ نے پرچم کو اپنے ہاتھ میں لے کر انگریز کے خلاف نعرہ بلند کیا تو انگریز نے یہ حکم دیا کہ حسین احمد مدنیؒ صاحب جہاں ہوں انہیں گولی ماردو، ایک کانفرنس میں مولانا حسین احمد مدنیؒ صاحب انگریزوں کو خطاب کرتے ہوئے بولے اور اس کے توپ کو بلبل سے اور اس کے کارتوس کو گل سے تعبیر کیا اور فرمایا:

وہ لئے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل

وہ شہید ناز کی تربت کہاں ہے

کھلونا سمجھ کر نہ برباد کرنا

ہم بھی کسی کے بنائے ہوئے ہیں

مصائب میں الجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے

ناکامیوں میں اشک برسانا نہیں آتا

اب میں مولانا ابوالکلام آزادؒ کے بارے میں اختصار کے ساتھ کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں، مولانا کی ولادت مکہ معظمہ میں ہوئی ۱۷ اگست ۱۸۸۸ء میں، مولاناؒ ہندوستان تاریخ کی عظیم ترین ہستیون میں سے ہیں، مولانا آزادؒ ہماری جنگ آزادی کے ہیرو تھے، مولانا آزادؒ ابھی نوجوان ہی تھے کہ ان کے اندر برطانوی حکومت کے خلاف بغاوت کا جذبہ پیدا ہوا، وہ اگر مجاہد آزاد تھے تو مولوی بھی تھے، انہیں قرآن و فقہ اور علم حدیث پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی، وہ فلسفی تھے، مفکر تھے، مدبر تھے، تاریخ پر ان کی گہری نظر تھی، انہوں نے صحافت کے میدان میں قدم رکھا تو انقلاب برپا کر دیا، گاندھی نے مولانا آزاد کے بارے میں لکھا ہے کہ اسلام کے بارے میں ان سے زیادہ معلومات کسی کو حاصل نہیں تھی، عربی زبان کے بہت بڑے عالم تھے، وہ انڈین نیشنل کانگریس کے اعلیٰ ترین سردار تھے، اس اقلیت پسند انسان نے بہت کم عمری میں انگریزوں (میں پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو) کی چال کو سمجھ لیا تھا، انڈین نیشنل کانگریس کے سالانہ اجلاس مارچ ۱۹۴۰ء میں صدارتی خطبے کے درمیان مولاناؒ نے کہا تھا کہ میں مسلمان ہوں اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں مسلمان ہوں، میں تیار نہیں کہ اس کا چھوٹا چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دوں، اسلام کی تعلیم، اسلام کی تاریخ، اسلام کے علوم وفنون، اسلام کی تہذیب میری دولت کے سرمائے ہیں اور میرا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کروں بحیثیت مسلمان ہونے کے میں مذہبی اور حکمراں دائرے

میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں اور میں فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں، ان کی ساری زندگی ہندو مسلم اتحاد کی اعلیٰ ترین نمونہ تھی، انہوں نے اس اتحاد کے لئے جدوجہد کی اور دوسروں کو بھی ترغیب دی، مولانا کی جلاوطنی ان کے دوستوں، عزیزوں اور مداحوں کے لئے بہت شاق گذری، ہزاروں دستخطوں کے ساتھ حکومت میں میمورنڈم پیش کیا گیا، جس میں مطالبہ کیا گیا کہ مولانا پر سے کلکتہ سے باہر رہنے کی پابندی کو ختم کیا جائے ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا میمورنڈم تھا کہ اتنی بڑی تعداد میں لوگوں نے دستخط کی، اس میمورنڈم کا حکومت پر کوئی اثر نہیں ہوا، ۸؍جولائی ۱۹۱۶ء کو حکومت نے مولاناؒ کے نظر بندی کے احکام جاری کردیئے، بنگال میں سب سے پہلے ۱۰؍دسمبر ۱۹۲۱ء کو مولانا اور سی، آر، داس گرفتار ہوئے اور ۶؍جنوری ۱۹۲۳ء کو مولاناؒ کو رہا کر دیا گیا، ۱۹۳۸ء میں گاندھی جی نے مولاناؒ سے کہا تھا کہ کانگریس کی صدارت قبول کرلیں، لیکن بعض اسباب کی بنا پر معذرت پیش کردی، گاندھی جی نے پھر ان کو صدر بن جانے کو کہا تو انہوں نے خوشی سے قبول کرلیا، صورت حال دن بدن نازک ہوتی جارہی تھی اس کے بعد گاندھی جی نے "ہند چھوڑو" کی تجویز پیش کی ۱۴؍جنوری ۱۹۴۲ء کو کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے گاندھی جی کی یہ تجویز منظور کرلی، ۷؍اگست ۱۹۴۲ء کو بمبئی میں کانگریس کا اجلاس ہوا جس میں مولاناؒ کو گرفتار کرلیا گیا، پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا آصف علیؒ، ڈاکٹر محمود، سردار پٹیل وغیرہ کو گرفتار کرلیا گیا، ان سب کو ایک جیل میں قید کردیا گیا، لیکن مولانا آزاد کو احمد نگر کے جیل میں رکھا گیا، ۱۵؍جون ۱۹۴۵ء کو رہا کردیا گیا، لیکن ابھی پورے پانچ سال بھی گذر نہیں پائے تھے کہ انہیں بزرگوں کے ساتھیوں نے جو ہندوستان میں تھے نئی کروٹ لی اور ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کی باضابطہ تشکیل کردی گئی، جس نے انڈین نیشنل کانگریس کے دوش بدوش جنگ آزادی میں حصہ لیتے ہوئے اور کانگریس سے کہیں زیادہ جانی و مالی قربانیاں پیش کرتے ہوئے ۱۹۴۷ء میں مکمل آزادی حاصل کرلی، افسوس کہ آخیر

میں برطانیہ نے جادو کا کام کیا اور ہندوستان کے دو ٹکڑے کر کے اس کی شہ رگ کا خون کھینچ لیا گیا۔

بہر حال آزادی جس عنوان سے بھی آئی اور نجات جس حد تک بھی میسر ہوئی وہ نتیجہ ہے انہیں کوششوں کا جن کا سرِ ورق ان بزرگوں کے مبارک ناموں سے مزین ہے اب میں مولانا آزادؒ کی وفات کے بارے میں کچھ مختصر انداز میں بتانا چاہتا ہوں، مولاناؒ ۱۹رفروری ۱۹۵۸ء صبح جب بستر سے اُٹھ کر غسل خانہ گئے تو ان پر اچانک فالج کا حملہ ہو گیا یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ تین دن تک بے ہوش رہے، اسی دوران ایک دو دفعہ ہوش آیا پاس بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک دو کو پہچانا، ایک دفعہ ہوش آیا تو خدا حافظ کہا، پھر بے ہوش ہو گئے، مولاناؒ مستقل بے ہوش رہے، کچھ دیر کے لئے ہوش آیا تو بولے مجھے پنجرے میں کیوں قید کئے ہوئے ہو، بس اللہ پر مجھے چھوڑ دو، آخر ۲۲رفروری کی صبح ۲رنج کر ۱۰رمنٹ پر ہندوستان اور عالم اسلام کی یہ روشن شمع گل ہو گئی، ۲۲رفروری کہ سہ پہر ۳ربجے مولانا احمد سعید مرحوم نے دہلی کے پریڈ گراؤنڈ میں نماز جنازہ پڑھائی اور اسی گراؤنڈ میں جامع مسجد اور لال قلعہ کے درمیان ان کو دفن کر دیا گیا۔

جنگِ آزادی میں مسلمانوں کی قربانیوں کا تاریخی جائزہ

خطیب: حکیم حضرت مولانا عبداللہ صاحب مغیثی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ نَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَسَلَّمَ، اَمَّا بَعْدُ!

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْکَرِیْمِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ . بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

﴿وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا﴾ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْجِھَادِ کَلِمَۃُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

صدر عالی وقار و مہمانانِ عظام!

بڑی خوشی و مسرت کا مقام ہے کہ آل انڈیا ملّی کونسل نے آزادی کے بعد پہلی بار ملک کی آزادی کی پچاسویں سالگرہ کے موقع پر ۴۸ روزہ کاروان آزادی کی تشکیل دیکر ملک گیر پیمانہ پر سفر کا آغاز مجاہد آزادی ٹیپو سلطان کی آرام گاہ سری رنگا پٹنم (کرناٹک) سے کیا جس کے تحت کیرالہ، تمل ناڈو، پانڈیچری، کرناٹک، آندھرا پردیش، مہاراشٹر، گجرات، مدھیہ پردیش، راجستھان، ہریانہ، آسام، میگھالیہ، مغربی بنگال، اُڑیسہ،

بہار، اتر پردیش اور پنجاب کے اہم شہروں، قصبوں اور دیہاتی علاقوں کا دورہ کیا، جو ۲۱ر ستمبر ۱۹۹۷ء سے شروع ہوا اور ۷ نومبر ۱۹۹۷ء کو دہلی میں ہمایوں کے مقبرہ کے پاس ایک عام اجلاس منعقد کر کے اختتام پذیر ہوگا۔ (انشاءاللہ)

کاروان آزادی کے اس ملک گیر اور تاریخی دورہ نے مسلمانوں میں ایک نیا جذبہ بیدار کرنے کی کوشش کی، بلکہ آزادی جمہوریت اور سیکولرازم کے حقیقی مفہوم سے باشندگان ملک کو آگاہ کیا، کاروان آزادی کے اس طوفانی دورہ کے ذریعہ ملک بھر میں جگہ جگہ جنگ آزادی میں مسلمانوں کی قربانیوں کو اُجاگر کیا، مسلم مجاہدین آزادی کے کارناموں پر پڑے پردوں کو اُٹھایا، ان کی قربانیوں اور کارناموں کے انمٹ نقوش کے مٹانے کی سازشوں کو بے نقاب کیا اور ملک بھر کے مسلمانوں سے ہمت وحوصلہ سے کام لینے اور سر اُٹھا کر چلنے کی تلقین کی، ملی کونسل کی اس کوشش کو ملک بھر کے مسلمانوں نے بہ نظر تحسین دیکھا اور جہاں جہاں بھی کاروان پہنچا اس کا زبردست خیر مقدم کیا گیا۔

الحمد للہ آج اتر پردیش کے قدیم تاریخی اور روایتی شہر سہارنپور کے مشہور اسلامیہ انٹر کالج میں یہ کاروان اپنے مرکزی قائدین کے ساتھ حاضر ہے، میں اس تاریخی اجلاس میں مسلم مجاہدین آزادی کے حالات اور ان کی قربانیوں پر تفصیلی روشنی نہیں ڈالوں گا اور نہ وقت اس کی اجازت دیتا ہے، تاہم مسلم مجاہدین آزادی کی قربانیوں پر تاریخی طائرانہ نظر ڈالنے کی کوشش کروں گا۔

آزادی کی ۵۰رویں سالگرہ کی تقریبات کا سلسلہ ۱۵ر اگست سے شروع ہو چکا ہے، سرکاری ذرائع ابلاغ ہوں یا غیر سرکاری میڈیا مرکزی حکومت ہو یا صوبائی حکومتیں کسی کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں —— کہ ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کا کیا کردار ہے، مثال کے طور پر راجدھانی دہلی میں چراغ لے کر ڈھونڈیے تو آئی ٹی او اور چڑیا گھر کے پاس مولانا ابوالکلام آزاد کی تصویریں دہلی سرکار کی جانب سے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے یا جمنا پار پچھمی نگر کے چوراہے پر اشفاق اللہ خاں کا فوٹو نظر

آتا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ معمولی پیمانے پر ہی آزادی ہند میں مسلمانوں کی خدمات کا اعتراف صرف ایک دو شخصیتوں تک ہی محدود کر دیا گیا ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ملک کا ایسا کوئی گوشہ نہیں جہاں مسلمانوں نے جدوجہد آزادی کے سلسلے میں اپنا کوئی نقش نہ چھوڑا ہو، تقسیم سے قبل برصغیر ہند میں ان کی تعداد ایک تہائی رہی ہے، لیکن اس عددی تناسب سے انہوں نے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر قربانیاں دیں۔

۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی کا نقطۂ آغاز نواب سراج الدولہ تھے، اس کے بعد ہمیں کتنے بڑے بڑے نام دکھائی پڑتے ہیں، جن میں میر قاسمؒ ٹیپو سلطان، شاہ عبدالعزیزؒ، سید احمد شہیدؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، بہادر شاہ ظفرؒ، بیگم حضرت محلؒ، جنرل بخت خاں، عظیم اللہ خاں، رحمت اللہ سیانیؒ، حاجی امداد اللہ مکیؒ، بدر الدین طیبؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد جعفر تھانیسریؒ، علامہ فضل حق خیر آبادی، برکت اللہ بھوپالیؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ، اسیر مالٹا مولانا محمود الحسنؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا حفظ الرحمٰنؒ، حکیم اجمل خاںؒ، ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا شوکت علیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، حسرت موہانیؒ، حسان امامؒ، خاں عبدالغفار خاںؒ، مولانا مظہر الحقؒ، ڈاکٹر سیف الدین کچلوؒ، ملّا جان محمدؒ، سید بدر الدجیؒ، ڈاکٹر سید محمودؒ اور شفیع داؤدیؒ جیسی قد آور شخصیتیں شامل ہیں۔

تاریخ جنگ آزادی کا مطالعہ کرتے وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا شخصیتوں کے بغیر پوری تاریخ ہی ادھوری ہے، یہ تو بڑے نام ہیں جن کی حیثیت مختلف ادوار میں سالار قافلہ یا اکابرین کی ہے، اس قافلہ میں بے شمار ایسے افراد تھے، جنہیں ہم فراموش کر بیٹھے ہیں، اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جنگ آزادی میں عام مسلمانوں نے مختلف وقتوں میں اپنے رہنماؤں کی سرپرستی میں نمایاں رول ادا کیا ہے، جہاں تک جان کی قربانی کا سوال ہے ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ میں انگریزوں اور ان کے اتحادی سکھوں کے خلاف جنگ، ۱۸۵۷ء میں غدر کے نام سے معروف واقعہ، 1919ء میں

جلیانوالہ باغ سانحہ، ۲۲-۱۹۲۰ء میں تحریک عدم تعاون، ۱۹۲۱ء میں موپلا بغاوت، ۱۹۲۲ء میں چوراچوری میں پولس فائرنگ، ۱۹۳۰ء میں تحریک سول نافرمانی ونمک آندولن، ۱۹۴۲ء میں ہندوستان چھوڑو تحریک، ۴۶-۱۹۴۲ء کے دوران آزاد ہند فوج کے جوانوں کی قربانیاں اور ۱۹۴۶ء میں بمبئی میں بحری بیڑے کی بغاوت کی حمایت میں ہونے والے مظاہروں پر پولیس فائرنگ کے دوران ہزاروں مسلمان شہید ہوئے، یہ وہ شہداء ہیں جن کا نام تاریخ کی اوراق گردانی میں تو ملتا ہے، لیکن سرکاری یا غیر سرکاری طور پر اس کا اعتراف کہیں نہیں کیا جاتا۔

سچ تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی یہ وہ عظیم قربانیاں ہیں جن کی بدولت آج آزادی کی ۵۰ر ویں سالگرہ کی تقریبات کے دوران ہر ہندوستانی مسلمان شہری کا سر فخر سے اونچا ہے اور چاہے کوئی ان کی خدمات وقربانیوں کا اعتراف کرے یا نہ کرے وہ اس موقع پر اپنے کو برابر کا شریک سمجھتا ہے، جنگ آزادی کے دوران، مختلف واقعات وسانحات میں مسلمانوں نے جو جانی قربانیاں دی ہیں ان سے یہ بات خود بخود ثابت ہو جاتی ہے کہ برطانوی استعمار کے خلاف ۲۵۰ر سالہ جدو جہد میں سرزمین ہند کی فضائیں مسلمانوں کی قربانیوں سے معمور رہی ہیں۔

۳۱ر دسمبر ۱۶۰۰ء کا دن انگلینڈ اور ہندوستان کی تاریخ میں بہت اہم ہے، اس دن ملکہ الزبیتھ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو مشرقی ممالک سے تجارت کرنے کا چارٹر دیا اور یہ کمپنی مشرق کے ممالک سے تجارت کرنے لگی، جن میں جاوا، سُماترا اور مالوکاس کے جزائر شامل تھے، ۱۶۰۸ء سے ہندوستان سے بھی تجارت کرنے کی کوشش ہونے لگی اور ۱۶۱۳ء میں شہنشاہ جہانگیر نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان میں تجارت کرنے اور فیکٹریاں کھولنے کا فرمان جاری کیا اور سب سے پہلی فیکٹری سورت (گجرات) میں اسی سال قائم ہوئی اور ۱۶۱۹ء تک سورت، آگرہ، احمد آباد، بھروچ، بڑودہ میں انگریزی فیکٹریاں قائم ہوئیں، اور انگریزی تجارت کو اس قدر فروغ ہوا کہ ۱۶۷۸ء تک انگریز

اپنے حریفوں سے بازی لے گئے، ہندوستان کی بگڑی ہوئی سیاسی اور معاشی حالت سے انگریزوں نے بہت فائدہ اُٹھایا، وہ اپنے سامان اور فیکٹریوں کی حفاظت کے لئے چھوٹی چھوٹی فوج رکھنے لگے اور یہاں کے راجہ اور نوابوں سے ساز باز کر کے اپنی پوزیشن کو آہستہ آہستہ مستحکم کرنے لگے۔

اٹھارویں صدی کے وسط میں مغل بادشاہ کمزور ہوگئے، چھوٹے چھوٹے حکمراں اور ریاستی راجہ خودمختار ہوگئے، جس سے مرکزی حکومت کمزور ہوگئی اور اس وجہ سے انگریزوں نے اپنے قدم اچھی طرح جمائے اور ملک میں افراتفری پیدا ہونے لگی، لیکن بعض ایسے حکمراں تھے، جو اپنی اپنی جگہ یہ خوب محسوس کررہے تھے کہ انگریز ان کے ملک پر آہستہ آہستہ حاوی ہورہے ہیں، اور ان کو ملک سے نکالنا ضروری ہے، مشرق میں نواب سراج الدولہ نے سب سے پہلے اس خطرہ کو محسوس کیا اور اس نے انگریزوں سے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی، پلاسی کی جنگ ۱۷۵۷ء اور بکسر کی لڑائی ۱۷۶۴ء کے بعد انگریز بنگال، بہار اور اڑیسہ پر پوری طرح حاوی ہوگئے، زمینداروں کی زمینداریاں انگریزوں کے ہاتھوں ختم ہونے لگیں، اور لوٹ مار کا سلسلہ عام ہوگیا اور لوگ اپنی جان بچانے کے لئے جنگلوں کی طرف بھاگنے لگے، ان حالات کے تحت سب سے پہلا علم بغاوت مجنوں شاہ نے اُٹھایا جو سنیاسی اور فقیروں کا لیڈر تھا، شروع شروع میں اس کے پاس کوئی فوج نہیں تھی، لیکن اپنے بھائی اور دو عزیز ساتھیوں موسیٰ شاہ، چراغ علی اور نور المحمد کی مدد سے اس نے لوگوں کو جمع کیا، مجنوں شاہ چاہتا تھا کہ انگریزوں سے لڑ کر ان کو ملک سے نکال دے، تا کہ عوام سُکھ اور چین کی نیند سو سکے۔

ہندوستان کی تحریک آزادی کی ابتداء میں مجنوں شاہ کا رول بہت اہم ہے، وہ بڑی صلاحیتوں کا مالک تھا اور اپنے ناہموار حالات کے درمیان بھی اس نے برطانوی فوج کا مقابلہ کیا اور جنرل مکنیزی کو کئی بار شکست دی، ۱۷۶۹ء میں اس نے کمانڈر کیتھ کو بھی ہرا دیا، جو زخموں کی تاب نہ لا کر لقمۂ اجل بنا، ۱۷۷۶ء میں مجنوں شاہ نے انگریزوں کی ایک

بڑی فوج پر حملہ کر دیا، جس میں سینکڑوں انگریز تہ تیغ کئے گئے، اور اس کا سالار لفٹیننٹ بری طرح زخمی ہوا، مجنوں شاہ کی فوجی سرگرمیاں بڑھتی گئیں وہ بنگال اور بہار کے ہر حصے سے آدمی اکٹھا کرتا رہا، دسمبر ۱۷۸۶ء میں اس نے لفٹیننٹ برینیاں کی فوج پر حملہ کر دیا، لیکن زخمی ہوا اور چند ماہ بعد اس کا انتقال ہوگیا، مگر وہ اپنے ساتھیوں میں وطنی محبت کا جذبہ چھوڑ گیا، اور اس کے ساتھی موسیٰ شاہ، چراغ علی شاہ اور فردگل شاہ نے لڑائیوں کا سلسلہ جاری رکھا۔

اسی تحریک کے بازو بہ بازو فرائضی تحریک بھی اسی مقصد کے لئے جدو جہد کر رہی تھی، اس کے لیڈر مولوی شریعت اللہ خاں تھے، شریعت اللہ خاں نے انگریزوں کے خلاف اپنی تحریک شروع کی انہوں نے ملک کے ان حصوں کو جن پر انگریز قابض تھے دار الحرب قرار دیا، ان کے صاحبزادے دادو میاں نے اپنی مجلس کو سیاسی شکل دی اور لوگوں میں انگریزوں کے خلاف ماحول بنایا اور ان سے لڑنے کے منصوبے بنائے، اس نے نومبر ۱۸۳۱ء میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کی اور دو جنگوں میں ان کو شکست دی، اپنا بھاری نقصان دیکھ کر انگریزوں نے ایک بڑی فوج کو جو دس رجمینٹ ایک توپ خانہ اور ایک ہزار گھوڑ سوار پر مشتمل تھی روانہ کیا، محمد میر نثار علی عرف ٹیپو میاں جو اس کی فوج کا کمانڈر تھا اس فوج کا سامنا نہ کرسکا اور ۱۸۳۲ء میں اسے شکست ہوئی اور اس کا کمانڈر غلام معصوم علی اپنے تین ساتھیوں کے ہمراہ گرفتار ہوا، باقی فوج کے سینکڑوں سپاہی پکڑے گئے ان کو سزا دے کر انڈمان روانہ کیا گیا، ۴۷-۱۷۴۰ء کے درمیان داد و میاں نے انگریزوں سے مقابلہ کرنے کے لئے ۸۰/اسی ہزار سپاہیوں کی ایک فوج بنالی اور برامت، جیسور، پابنا، مالدہ اور ڈھاکہ کے مقاموں پر جنگ لڑی مگر ناکامیاب ہوکر گرفتار ہوا، علی پور جیل میں اس کو رکھا گیا اور ۱۸۵۹ء میں آزاد ہونے پر چند ہفتوں بعد مر گیا۔

دکن میں مندرجہ بالا تحریکوں کے ساتھ ساتھ میسور کے سلطان حیدر علی اور ٹیپو

سلطان بھی انگریزوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کا مقابلہ کر رہے تھے، ٹیپو سلطان کی جنگیں انگریزوں کے خلاف ملک گیری کے لئے نہیں تھیں بلکہ اس کا مقصد ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے چھٹکارا دلانا تھا، اگر وہ چاہتا تو انگریزوں سے صلح کر لیتا مگر اس نے انگریزوں سے جنگ کرنے کو ترجیح دی، ٹیپو سلطان نے ۸۵-۱۷۸۴ء میں اپنا نمائندہ ترکی روانہ کیا، فرانس سے رابطہ قائم کیا اور ۱۷۹۶ء میں افغانستان کے بادشاہ شاہ زماں کو بھی مدد کے لئے ہندوستان بلایا، لیکن اپنے ملک کے حالات کی وجہ سے ٹیپو سلطان کو بیرونی ممالک سے کوئی مدد نہ مل سکی، اور وہ تن تنہا انگریزوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ۱۷۹۹ء میں شہید ہوا۔

ان کوششوں کے ساتھ ساتھ دہلی میں وہابی تحریک بھی وجود میں آچکی تھی، جس کے بانی حضرت شاہ ولی اللہؒ تھے، ان کے سیاسی مکتوبات آج بھی ہمارے لئے شمع حیات ہیں، ان کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے والد کی تحریک کو بڑھاوا دیا، وہ انگریزوں کے سخت خلاف تھے، انہوں نے ۱۸۰۳ء میں انگریزوں کے خلاف فتویٰ جاری کیا جس میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا اور ان کو ملک سے نکالنا ضروری قرار دیا، وہابی تحریک کے جاں باز مجاہد حضرت سید احمد شہیدؒ نے اس تحریک کو عملی جامہ پہنانے کی زبردست کوشش کی، ان کے لاتعداد معتقد ہوئے اور ان کا سلسلہ اس قدر کثرت سے بڑھا کہ آپ اپنی پگڑی بچھا دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو کوئی بھی میری دستار کو چھولے گا میرا مرید ہو جائے گا، بڑے بڑے امراء و رؤساء آپ کی بزرگی کی خاطر آپ کے دائیں بائیں چلتے تھے، عیسائیوں کی طاقت دیکھتے ہوئے انہوں نے ان کو ملک سے باہر نکالنے کا عزم کیا اور آپ نے برطانوی اثرات کے خلاف جہاد کی آواز بلند کی، راجہ آف گوالیار کو آپ نے خطوط لکھے اور اپنے مشیر خاص حاجی بہادر شاہ کو ان کے پاس روانہ کیا، ان خطوط کا لب ولباب یہی تھا کہ انگریزوں نے ہندوستانیوں کو ہر طرح مجروح کیا ہے، اس لئے ان پر جہاد کرنا اب فرض ہو گیا ہے۔

سید صاحبؒ کو اپنے پلان کو باعمل بنانے کے لئے فوجی تعلیم و مشق ضروری تھی اس لئے انہوں نے راجپوتانہ کے امیر علی خاں کی فوج میں مشق شروع کردی اور وہاں کئی سال رہے اور جب امیر علی خاں نے برطانیہ سے ایک صلح نامہ کرنا چاہا اور ان کے منع کرنے کے باوجود بھی امیر نے صلح کرلی تو آپ نے راجپوتانہ چھوڑ دیا، ۱۸۳۱ء میں مولانا سید احمد شہیدؒ نے سکھوں کے خلاف جن کو انگریزی مدد حاصل تھی جنگ لڑی اور شہید ہوئے۔ بچے کھچے مجاہدوں نے انگریزوں کے خلاف قبائلی علاقوں میں سرگرمی جاری رکھی اور انگریزوں کو ان سے نپٹنے کے لئے ۱۷ مرتبہ بڑے بڑے فوجی دستے سرحد کو روانہ کرنا پڑے، جن میں سب سے بڑا دستہ سر سڈنی کاٹن کی سرکردگی میں روانہ کیا گیا جس میں ۲۱۹/توپیں، ۵۵۱/گھوڑسوار اور ۴۰۱۷/پیادے شامل تھے، پٹنہ صادق پور کے علماء جہاد میں تقریباً پندرہ سو مجاہدین شہید ہوئے اور پھر ۱۸۳۸ء میں جنگ ٹوپی کے دوران سینکڑوں علماء جاں بحق ہوئے۔

ستانہ کالونی کے علاوہ پٹنہ بھی وہابیوں کا مرکز بن چکا تھا، جہاں مولوی عنایت علی اور مولوی ولایت علی ان کے رہنما تھے، مولانا سید احمد شہیدؒ کی وفات کے بعد مولوی عنایت علی اور مولوی ولایت علی نے صوبہ سرحد کے علاوہ راج محل، مالدہ، چٹ گاؤں اور مشرقی بنگال کے دیگر اضلاع میں اپنی سرگرمیاں شروع کردیں، روپیوں کا جمع کرنا اور مجاہدوں کو پہونچانا ان کا کام تھا، اور اس کام کے لئے جگہ جگہ خلیفہ مقرر تھے، مولانا سید احمد شہیدؒ نے بھی پٹنہ میں مولوی محمد حسین، مولوی ولایت علی اور مظہر علی کو خلیفہ مقرر کیا تھا، خلفاء کی کوششوں سے آسام کے علاوہ بنارس، آگرہ، کانپور، دہلی، تھانیسر، انبالہ، امرتسر، جہلم، راولپنڈی، بھوپال، جے پور، اٹک، پشاور، متوسط ہندوستان اور حیدرآباد میں بھی ان کے مراکز قائم ہوگئے، ۱۸۴۸ء کے بعد جب پنجاب انگریزوں کے ماتحت ہوگیا، تب وہابیوں نے پوری طرح انگریزوں سے مقابلہ کرنے کی ٹھان لی، سرکاری ریکارڈ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس درمیان جتنے بھی لوگوں کو پھانسی کی سزا دی گئی وہ سب

وہابی تھے، ۶۳-۱۸۶۴ء میں وہابی سازشوں پر مقدمہ چلانے کا سلسلہ شروع ہوا، جو کئی سال چلتا رہا انبالہ اور پٹنہ میں مقدمات چلائے گئے، مولوی یحییٰ علی، محمد جعفر اور محمد شفیع کو سزائے موت دی گئی، بقیہ ماخوذ مجرموں کو جلاوطنی سے دوچار کیا گیا، اور ان کی جائداد ضبط کرلی گئیں، اور وہ دانہ دانہ کومحتاج کر دیئے گئے، اس کے نتیجے میں جسٹس نارمن کوکلکتہ میں ۱۸۷۱ء میں محمد عبداللہ نے اور لارڈ میو کو شیر علی نے انڈمان میں جو وہابی تھے قتل کردیا اور ان کے خون سے اپنی پیاس بجھائی۔

وہابی تحریک چل ہی رہی تھی کہ میرٹھ، دہلی کی ہندوستانی فوج نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کردی، یہ ہندو اور مسلمانوں کی مشترکہ بغاوت تھی جس میں دونوں مذاہب کے لوگوں نے ملکر انگریزوں کو ملک سے نکالنے کا عزم کیا، اس سے ثابت ہے کہ نانا صاحب کا مشیر خاص عظیم اللہ تھا، اور جھانسی کی رانی نے اپنا پورا توپ خانہ مسلمان توپچیوں کو دے رکھا تھا، بہادر شاہ کا پورا خزانہ اور پولس ڈیپارٹمنٹ ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا، اور اس لئے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ ہندو، مسلمانوں میں ۱۸۵۷ء میں کوئی باہمی اتحاد و اتفاق نہ تھا، دونوں کی یہی خواہش اور کوشش تھی کہ ہندوستان انگریزوں سے آزاد ہو، بہادر شاہ نے اپنے اعلان میں ہندوؤں اور مسلمانوں سے یہ اپیل کی کہ دونوں انگریزوں کو ملک سے نکالنے پر کمر باندھ لیں، شاہی خزانے سے ان کو روزمرہ کے اخراجات دینے کا وعدہ کیا گیا اور آخر میں یہ بھی کہا گیا کہ ہندوستانی اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں، کیونکہ اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو ہمیشہ پچھتانا ہوگا، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اودھ اور دہلی کا خاص مقام رہا ہے، جہاں جس کو موقع ملا اس نے ہتھیار اُٹھا لئے، علماء نے اس جنگ میں جس قدر بڑھ چڑھ کر حصہ لیا وہ اپنی مثال آپ ہے، وہ حب الوطنی سے سرشار تھے، ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں سب سے پہلا شخص جس نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، وہ مولوی احمد اللہ شاہ تھے جو گولکنڈہ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، انہوں نے یورپ اور مشرقی وسطیٰ کا دورہ کیا، اور سیاست میں ان کی نظر وسیع

تھی، گوالیار سے آپ دہلی آئے اور وہاں سے آگرہ مفتی انعام اللہ خاں کے یہاں جو بڑے بڑے بزرگوں کا مرکز تھا قیام کیا، اسی مجلس میں علماء کی تشکیل کی گئی، اور انگریزوں سے مقابلے کی تیاریاں شروع ہوئیں اور ہزاروں مجاہدین جنگ آزادی کے جھنڈے تلے آ گئے۔

اودھ (لکھنؤ) میں بیگم محل نے انگریزوں کا زبردست مقابلہ کیا، انہوں نے اعلان مشتہر کیا کہ انسان کے لئے چار چیزیں بہت ضروری ہیں، پہلا مذہب، دوسرا عزت، تیسرا زندگی، چوتھا دولت اور یہ چار چیزیں موجودہ حکومت میں محفوظ نہیں رہ سکتی ہیں اس لئے انگریزوں سے جنگ ضروری ہے، مولوی احمد اللہ شاہ فروری ۱۸۵۷ء میں لکھنؤ آئے اور کھلے عام انگریزوں کے خلاف تقاریر شروع کر دیں، انہوں نے ایک بڑا لشکر ہندو اور مسلمانوں کا جمع کر لیا اور فیض آباد کی طرف کوچ کیا مگر گرفتار ہوئے اور سزا پا کر جیل گئے، اس درمیان ۱۸۵۷ء کا انقلاب شروع ہوا اور ہر طرف آگ پھیلنے لگی، مولوی احمد اللہ شاہ کے سپاہی جیل پر ٹوٹ پڑے، مولوی احمد اللہ کو آزاد کرا لیا گیا، انہوں نے فوراً اس لشکر کی مدد سے فیض آباد فتح کر لیا، انگریزی فوج پسپا ہو گئی اور لوگوں میں وہ مولوی آف فیض آباد کے نام سے مشہور ہوئے، فتح و نصرت کے ڈنکے پیٹتا ہوا یہ لشکر لکھنؤ پہونچا اور چونکہ مولوی احمد اللہ شاہ اور بیگم حضرت محل کا نقطہ نظر ایک ہی تھا اس لئے وہ بیگم حضرت محل کے مشیر خاص بن گئے، بیگم حضرت محل بہت ہوشیار قابل اور دور اندیش خاتون تھی، بیگم حضرت محل اور مولوی احمد اللہ شاہ کی موجودگی ہی اودھ فوج کے لئے باعث تقویت تھی۔

مولوی احمد اللہ شاہ مجاہدوں میں سب سے زیادہ ذہین اور قابل شخص تھا، اس میں دنیاوی اور روحانی دونوں خصوصیتیں شامل تھیں، لکھنؤ کے عالم باغ کے قریب اودھ اور انگریزی فوجوں کا سخت مقابلہ ہوا جس کی قیادت بیگم حضرت محل نے کی، مگر دیسی فوجوں کو شکست ہوئی، لکھنؤ میں اور بھی کئی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں، جن میں شکست ہندوستانیوں کی قسمت بن گئی تھی، انگریزوں نے مولوی احمد اللہ شاہ کے سر قلم کرنے کی

قیمت ۵۰ ہزار روپیہ لگادی تھی، انگریزوں کے ایک وفادار راجہ آف پوین نے موقع پاکر مولوی احمد اللہ شاہ کو اپنی گولی کا نشانہ بنایا ان کے سر کو دھڑ سے جدا کیا اور انگریز افسروں کو روانہ کر کے ہرطانیہ سے ۵۰ ہزار روپیہ اور خوشنودی حاصل کی، ساتھ ہی ساتھ مولانا عظیم اللہ خان کی بھی سرگرمیاں جاری تھیں، وہ بہت قابل سیاست داں تھے، وہ سیاسی داؤ پیچ سے خوب واقف تھے، نانا راؤ کے مشیر خاص تھے اور نانا صاحب کا مقدمہ لے کر ولایت گئے تھے، اور واپسی پر یورپ اور روس کا دورا کیا، روس پہونچ کر مولانا عظیم اللہ خاں سے زار روس سے ہندوستانیوں کی فوجی مدد کا معاہدہ بھی کیا، انہوں نے اٹلی اور مصر سے بھی فوجی امداد مانگی۔

اسی طرح بہادر شاہ ظفر نے جے پور، جودھ پور، بیکانیر، الور اور دیگر راجاؤں کو پیغام روانہ کئے کہ وہ انگریزوں کے خلاف دہلی کی مدد کریں، بہادر شاہ ظفر نے بخت خاں کو سپہ سالار اعظم مقرر کیا، جس نے انگریزوں سے زبردست جنگ کی تیاریاں کیں، بریلی میں خاں بہادر خاں نے ایک نئی فوج کا قیام کیا اور انگریزوں سے جنگ کرنے کا اعلان کیا، اعلان میں کہا گیا تھا: ”اے ہندوستان کے رہنے والو! آزادی کا پاک دن جس کا انتظار تھا آ پہنچا ہے، ہندو مسلمان بھائیو، آپ سب کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر انگریز ہندوستان میں رہ گئے تو ہم سب کو قتل کر دیں گے اور آپ لوگوں کے مذاہب کو مٹا دیں گے۔

۱۸۵۷ء میں جب میرٹھ سے علم بغاوت بلند ہوا تو بہادر شاہ ظفر نے قائدانہ رول ادا کیا اور اودھ کی بیگم حضرت محل اور رضیہ سلطانہ نے بھی کمان سنبھالی، بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری اور ان کے تین بیٹوں مرزا خضر سلطان، مرزا مغل اور مرزا ابوبکر کی دہلی گیٹ کے پاس خونی دروازہ پر کرنل ہڈسن کے سپاہیوں کے ذریعہ شہادت انہیں دنوں ۲۲ رستمبر ۱۸۵۷ء کو ہوئی۔

اس تحریک میں ریواڑی کے سپہ سالار غازی مسعودؒ کے خاندان کا بڑا حصہ ہے اس خاندان کے ۱۹ رانیس آدمیوں کو پھانسی دی گئی، اس خاندان میں صرف ایک کمسن

بچہ تھا، جس کا نام فخر الدین تھا، فیض آباد کے رحمت اللہ کو بھی اس سازش کے جرم میں پھانسی دی گئی۔

الہ آباد میں جب دہلی کی فوجی تیاریوں اور مقابلے کی خبر پہونچی تو مولانا لیاقت علی نے بغاوت کا اعلان کردیا، خسرو باغ میں ان کے مریدوں کی فوج جمع ہوئی اور الہ آباد کے قلعہ پرانہوں نے قبضہ کرنے کی کوشش کی اس میں کچھ کامیابی ہوئی مگر بعد میں ناکامی ہوئی، اور وہ لکھنؤ آکر مولوی احمد اللہ شاہ کے ساتھ انگریزوں سے لڑے، مولانا احمد اللہ شاہ کی شکست کے بعد مولانا لیاقت گرفتار کئے گئے، مقدمہ چلا اور انڈمان بھیج دیئے گئے۔

شہزادہ فیروز شاہ جو شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا ۱۸۵۷ء میں جب وہ حج سے واپس ہندوستان آیا تو ہندوستان کے شمال میں جنگ آزادی شروع ہو چکی تھی، شہزادہ اس میں شامل ہوگیا، اس نے ایک بڑی فوج تیار کی اور انگریزوں کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی، خستہ حالی اور پریشانیاں اس کا مقدر بن گئی تھیں، اخیر میں وہ ناناراؤ اور تاتیاں ٹوپے سے کانپور میں ملا اور ان کی فوج سے مل کر انگریزوں سے مقابلہ کیا مگر دوبارہ شکست کھائی، ۱۸۶۱ء میں وہ سرحد پار کرکے طہران چلا گیا اور وہاں سے سمرقند اور کابل پہونچا تاکہ فوجی مدد لے کر ہندوستان پر حملہ کرے، لیکن کامیابی نہ ہوئی، وہاں سے وہ قسطنطنیہ چلا گیا جہاں سے پھر مکہ پہونچا اور انتہائی غربت کے عالم میں وہیں اس کا انتقال ہوا، اے-او- ہیوم انگلینڈ گئے اور وہاں ممبران پارلیمنٹ سے مشورہ کرنے اور اپنی تجویز کی حمایت حاصل کرنے کے بعد ہندوستان واپس آئے اور ۱۸۸۵ء میں بمبئی میں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد ڈالی، شروع شروع میں یہ ایک وفادار اور حامی سلطنت کی جماعت تھی اس نے جلد ہی اپنا موقف بدل دیا اور اپنی مانگوں کا سلسلہ تیز کیا، مسلمانوں کی کانگریس مین شمولیت قابل تعریف تھی، مسلمانوں کے بیدار مغز کوشاں تھے کہ ان کو جلد از جلد مغربی تعلیم دے کر ہندوؤں کے ساتھ کاندھے میں کاندھا ملا کر ملکی ذمہ داریاں سنبھالنے کے قابل بنایا جائے، ۱۸۷۷ء میں سرسید احمد خاںؒ

نے علی گڈھ میں اسی مقصد کے پیش نظر محمڈن اینگلو اورینٹل کالج قائم کیا، بنگال میں اسی سال رائٹ آنریبل جسٹس امیر علی نے سنٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن بنائی جس کی شاخیں کلکتہ سے پشاور تک تھیں اور بمبئی میں جسٹس بدرالدین طیب جی نے انجمن اسلام قائم کی، جو مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات کو دیکھتی تھی۔

سرسیدؒ ہی وہ شخص تھے جنہوں نے ہندوستانیوں کی لاج رکھنے کے لئے ۱۸۶۶ء میں آگرہ دربار کا بائیکاٹ کیا، جس میں ان کو خدمات کے سلسلے میں خلعت اور تمغہ وائسرائے صاحب دینے والے تھے۔

مسلمانوں کی پسماندگی کے باوجود کانگریس میں ان کی نمائندگی خاصی رہی پہلے اجلاس میں ۲/مسلمانوں نے، دوسرے اجلاس میں ۳۱/مسلمانوں نے اس میں شرکت کی جب کہ تیسرے اجلاس کا صدارتی خطبہ ایک مسلمان بدرالدین طیب جی نے دیا، چوتھے اجلاس میں ۲۲۱/مسلمانوں نے جب کہ ۹۶۵/ہندوؤں نے اس میں شرکت کی، مسلمانوں کی تعداد برابر بڑھتی رہی تھی کانگریس کے چھٹے اجلاس میں ۶۷۷، رجسٹرڈ ڈیلیگیٹس میں ۱۱۶/مسلمان تھے، مسلمانوں کے اس رجحان کو سراہا گیا، اور گیارہویں سالانہ جلسے کی افتتاحی تقریر میں راؤ بہادر بھنڈے چیرمین استقبالیہ کمیٹی نے مسلمانوں کے رجحان کی تعریف کی اور کہا کہ مسلمانوں نے اپنے ہندو بھائیوں کی طرح قومی کاموں میں حصہ لیا، کانگریس کے چودھویں اجلاس جو مدراس میں ۱۸۹۸ء میں ہوا مسلمانوں نے اپنا پچھلا ریکارڈ توڑ دیا اور ۷۳۹/ڈیلیگیٹس میں سے ۳۱۳/مسلم ڈیلیگیٹس نے شرکت کی۔

علی گڈھ کالج نے مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کرنا شروع کردی اور یہاں کے فارغ التحصیل طلباء میں برطانیہ سرکار کے خلاف نفرت کا جذبہ بڑھنے لگا، ان طلباء میں مولانا حسرت موہانیؒ، مولانا محمد شوکت علیؒ، ڈاکٹر محمودؒ سب سے آگے رہتے تھے، مولانا حسرت موہانیؒ نے سرکاری نوکری نہیں کی، اردو میں اردوئے معلیٰ ایک اخبار نکالا، زندگی

بھر کھدر پہنا اور رسل گنج میں کھدر کی دکان کھولی، تلک مہاراج اور گاندھی کے اصولوں کے سچے پیرو ہوئے، ان کی شاعری نے قومی تحریک میں ایک نئی جان پھونکی۔

مولانا حسرت موہانی نے کہا:

مجھے اسیر کرو یا میری زبان کاٹو
میرے خیال کو بیڑی پہنا نہیں سکتے

۱۹۲۱ء میں انہوں نے کانگریس کے اجلاس میں سب سے پہلے مکمل آزادی کا ریزویشن پیش کیا لیکن گاندھی جی اور کانگریس کے دیگر لیڈروں نے اس کی مخالفت کی کہ ابھی وقت نہیں آیا۔

ایک دوسرا مجاہد آزادی جنہوں نے مدار وطن کو انگریزوں کے چنگل سے چھڑانے کا بیڑہ اُٹھایا وہ مولانا محمد علی، شوکت علی تھے جن کو علی برادران کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، محمد علی کی انگریز دشمنی زمانہ طالب علمی سے ہی آشکارا تھی، ۱۹۰۷ء میں انہوں نے اپنے موقف کی وضاحت کی۔

۱۲-۱۹۱۱ء میں بلقان کی جنگ چھڑ گئی اور اس سے مسلمانوں میں اور بھی نفرت کی لہر دوڑ گئی، فرنگی محل لکھنوَ کے مولانا عبدالباریؒ نے انجمن خدام کعبہ کی تشکیل کی جس میں علی برادران کے علاوہ ڈاکٹر انصاری مشیر حسن قدوائی ان کے ساتھ ساتھ تھے، مولانا محمد علیؒ نے اپنی نوکری سے استعفیٰ دیدیا، اور بڑودہ سے کلکتہ پہنچ کر اخبار نکالنا شروع کر دیا جس کی شعلہ بیانی پر برٹش سرکار نے اس کو ضبط کر لیا اور علی برادران کو حراست میں لے کر پہلے مہرولی میں پھر بتول میں نظر بند کر دیا، مولانا محمد علی جوہر جیسے ہی کراچی جیل سے رہا ہوئے تو ان کو انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس کی صدارت دی گئی اور کناڈا میں انہوں نے ۳۸ رویں اجلاس کو خطاب کیا۔

اسی وقت مولانا آزاد بھی ہندوستانی سیاست میں داخل ہوئے اور الہلال اخبار نکالنا شروع کیا، جس نے عوام میں اور بھی انگریزوں کے خلاف نفرت کا جذبہ بھر دیا،

مولانا آزادؒ نے قرآن کی آیات سے یہ ثابت کیا کہ انگریزوں کی مدد کرنا مذہب کے خلاف ہے اور ان کو ملک سے نکالنا مذہباً جائز ہے، پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۸ء میں ختم ہوئی اور ملک کے بڑے بڑے مسلمان لیڈر یا تو جیل میں رہے یا جو بچ گئے وہ ہندو مسلم اتحاد ہوم رول اور سوراج کا نعرہ بلند کئے رہے، مولانا مظہر الحق، محمد علی جناح، سید امیر علی، سر علی، امام بی اماں، مولانا حسرت موہانیؒ اور ظفر علی، اخلاق خان، شیروانی، اے، ایم خواجہ، ڈاکٹر محمد اشرف ملک کی آزادی کے لئے لڑتے رہے، دوران جنگ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے سعودی عرب کا دورہ کیا وہاں برطانیہ کے خلاف سازش کی اور گرفتار کر کے مالٹا لائے گئے اور اسیر مالٹا کہلائے۔

۱۹۲۱ء میں موپلا بغاوت میں سرکاری رپورٹ کے مطابق ۲۲۸۸ر موپلا مسلمان ہلاک ہوئے، ۱۶۳۰ر زخمی ہوئے اور ۵۷۱۲ر مسلمان گرفتار کئے گئے اور ۱۷۰۴ کے خلاف مقدمہ چلایا گیا، انگریزی اخبار کے مطابق ۲ر دسمبر ۱۹۲۲ء کو ایک سو موپلا مسلمانوں کو گرفتار کر کے مال گاڑی کے ایک تنگ ڈبے میں بند کر کے جانوروں کی طرح ٹھوس دیا گیا ڈبے میں بمشکل ۴۰ر افراد آسکتے تھے، لہٰذا بند ڈبے میں ان افراد کا دم گھٹنے لگا جس کے سبب ۴۱ر افراد کا دم گھٹ کر ریل ہی میں وصال ہو گیا، اسی سال ان کے یتیم بچوں کے لئے ایک یتیم خانہ کھولا گیا جس میں ان کے بچوں کی پرورش کی گئی۔

۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ شائع ہوئی اور اس میں مسلمانوں کی نمائندگی پر بہت تکرار ہوئی، ۱۹۳۰ء میں جب گاندھی جی نے تحریک سول نافرمانی شروع کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کا آغاز نمک آندولن سے کیا اور ۲۹ر رفقاء کے ساتھ دو سو میل کی دوری پر ڈانڈی میں واقع سمندر جانے کے لئے روانہ ہوئے ۵ر اپریل کو وہاں پہنچ گئے اور اگلے دن قانون کی نافرمانی کرتے ہوئے سمندر کے پانی سے نمک بنایا اس سے برطانوی حکومت سخت برہم ہوئی اور گاندھی جی اور دوسرے لیڈروں کو گرفتار کر لیا اور بڑے پیمانہ پر گرفتاریاں شروع ہو گئیں اور نوے ہزار لوگوں کو گرفتار کیا، جس میں مسلمانوں کی تعداد ۴۴۵۰۰ر تھی

جن میں پنجاب کے ۵۰۰۰؍، یوپی سے ۱۰۰۰؍ بہار سے ۳۰۰۰؍ بنگال سے ۴۰۰۰؍ آسام سے ۳۰۰۰؍ بمبئی سے ۳۰۰۰؍ سینٹرل پروانس سے ۱۵۰۰؍ سندھ سے ۳۰۰۰؍ مدراس سے ۱۰۰۰؍ اڑیسہ سے ۱۰۰۰؍ اور شمالی مغربی سرحد صوبہ سے ۱۰۰۰۰؍ افراد تھے اور ۳۰۰۰؍ افراد ہلاک ہوئے۔

سول نافرمانی کے تحت ۲۳؍ اپریل ۱۹۳۰ء کو خدائی خدمتگاروں کا جلسہ ہوا، جلسہ ختم ہونے پر خان عبدالغفار خان کو گرفتار کرلیا، پبلک میں ہنگامہ ہوا پولیس نے گولی چلائی جس کے نتیجہ میں بہت بڑی تعداد مسلمانوں کی شہید ہوئی جن میں صرف پشاور میں شہید ہونے والوں کی تعداد ۴۰؍ چالیس ہے۔

خان عبدالغفار خان گاندھی جی کے زبردست حامی و مددگار تھے، اور زندگی کے آخری لمحات تک کانگریس سے جڑے رہے، ان کی تحریک سُرخ قمیص نے صوبہ سرحد میں فرنگیوں کے دانت کھٹے کردیئے اور انگریزوں کے ہاتھوں بڑی سختیاں جھیلیں، اپنی قومی خدمات کے صلے میں ہندوستانی قوم نے ان کو ''سرحدی گاندھی'' کے خطاب سے ہمیشہ یاد کیا، سول نافرمانی تحریک میں خان عبدالغفار خان، تصدیق حسین خاں شیروانی، رفیع احمد قدوائی اور عبدالمجید خواجہ کاندھے سے کاندھا ملا کر کام کرتے رہے۔

برطانیہ سرکار اس سے پریشان ہوگئی اور اس نے ہندوستانیوں کے لئے ایک گول میز کانفرنس لندن میں بلائی جس میں ہر پارٹی کے ممتاز لیڈران نے شرکت کی، مولانا محمد علی نے بھی اس کانفرنس میں شرکت کی، اور ہندوستان کی آزادی کی پرجوش اپیل کی، اپنی آخری تقریر میں انہوں نے کہا کہ میں ایک غلام ملک میں واپس نہ جاؤنگا، گورنمنٹ برطانیہ یا تو ہندوستان کو آزادی دے گی یا میری قبر کے لئے جگہ دے گی، مولانا محمد علی نے دوران کانفرنس میں ہی انتقال کیا اور وہ واپس نہیں آئے۔

مولانا محمد علی کی وفات کے بعد جدوجہد آزدی میں کمی نہیں آئی، مولانا آزاد، خان عبدالغفار خان، رفیع احمد قدوائی، ڈاکٹر محمد اشرف انصار ہروانی، ڈاکٹر سید محمود، عبدالمجید

خواجہ ایسی مشہور شخصیتیں ہیں جو حصول آزادی کے لئے دوسری قوموں کے ساتھ شانہ بشانہ چل کر جدوجہد کرتے رہے، سنتی مے رے نے ایسے چار سو مسلمان شیدائیوں کے نام لکھے ہیں جنہوں نے ملک کی آزادی میں اپنا سب کچھ قربان کیا، جنگ آزادی کے یہ ایسے ستون ہیں جن کو نظر انداز کرنا تاریخی حقائق سے منھ موڑنا ہے۔

بہر حال آج کی اس مبارک تاریخی اور بامقصد کانفرنس میں آزادی سے متعلق یہ ضروری گزارشات آپ حضرات کے گوش گزار کی ہیں، جن سے اندازہ ہوا کہ آزادی کی تحریکات میں مسلمانوں کی ناقابل فراموش قربانیاں ہیں، جنہیں کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

مسلمانوں میں یہی احساس اجاگر کرنے کے لئے پورے ملک میں آل انڈیا ملی کونسل نے یہ کاروان آزادی نکالا ہے، جس سے مسلمانوں میں احساس اجاگر ہوا ہے اور اپنے بڑوں کی قربانیوں سے واقفیت ہوئی ہے، حق تعالیٰ مسلمانوں میں حوصلہ پیدا فرمائے، ہندوستان میں عزت اور اسلامی تشخص کے ساتھ زندگی گذارنے کے اسباب پیدا فرمائے، تمام حاضرین کی جائز تمناؤں اور دلی مرادوں کو پورا فرمائے۔ آمین۔ یارب العالمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

عظمتِ ہندوستان

خطیب: حکیم حضرت مولانا عبداللہ صاحب مغیثی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدِنَا وَ نَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ط صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَسَلَّمَ، اَمَّابَعْدُ!

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ انزل آدم علیه السلام بالهند ط وعن ابن عباسؓ قال اهبط ادم بدجنا ارض الهند، ونزل معه الحجر الاسود وقبضة من ورق الجنة فبثه بالهند، وقال سعید بن جبیرؒ خلق اللّٰہ ادم من ارض یقال لها دجنٰی.

بزرگانِ محترم! حق سبحانہ وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ ہمیں مسلمان بنایا اور ہماری چاہت وطلب اور درخواست کے بغیر دولتِ ایمان سے مالا مال فرمایا اور مزید برآں جنت نشاں، مہبط آدم اور انسانیت کا سب سے پہلا دار الخلافہ ہندوستان میں ہمیں پیدا فرمایا، اس کو محض اللہ ربُّ العالمین کے خاص فضل وکرم کے علاوہ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

آج کے اس عظیم الشان اور پُر رونق اجلاس میں ہندوستان کی عظمت وتقدس اور اس کی فضیلت کے بارے میں مختصر سی لب کشائی کرنے کی کوشش کروں گا، حق تعالیٰ صحیح

صحیح توفیق عطاء فرمائے، آمین۔

حضرت آدمؑ اور ہندوستان:

ہندوستان کی فضیلت احادیث رسولؐ اور آثار صحابہؓ کی روشنی میں بالکل واضح طور پر ثابت ہوتی ہے، جس سے ہندوستان کی قدر و منزلت اور اس کی قدر دانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور حبّ الوطنی من الایمان کا نعرہ بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے۔

ہندوستان کی عظمت و رفعت کے لئے یہی کیا کم ہے کہ ابوالبشر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام بھی جنت سے ہندوستان میں اتارے گئے، یہ بات اہل ہند کے لئے باعثِ فخر اور خود ہندوستان کے مقدس و محترم ہونے کی بین دلیل ہے۔

بلا شبہ مدینہ منورہ، مکۃ المکرمہ اور بیت المقدس وہ متبرک مقامات ہیں جن کا احترام ہر ایک مسلمان پر فرض ہے، اسلامی عقائد کے بموجب ان کے برابر تقدس دنیا کے کسی رقبہ یا کسی علاقہ یا کسی خطہ کو حاصل نہیں، لیکن اسلامی تعلیمات ہی نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ ہمارا وطن ہندوستان بھی بہت سی عظمتوں کا سرچشمہ ہے۔

حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، حضرت انس، حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے کبار صحابہ اور حضرت حسنؒ اور حضرت عطاءؒ جیسے جلیل القدر تابعینؒ کی روایات کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کو ہندوستان کے مشہور جزیرہ سرندیپ میں اتارا گیا اور حضرت حواؑ کو جدہ میں، حضرت آدمؑ ہندوستان ہوتے ہوئے سراندیپ سے جدہ تشریف لے گئے اور جنت سے اتارے جانے کے بعد یہ دونوں حضرات ایک عرصہ تک ایک دوسرے سے جدا رہے، جنگلوں اور بیابانوں میں بھٹکتے پھرنے کے بعد مکہ مکرمہ کے قریب مقام مزدلفہ میں جمع ہوئے۔

واخرج ابن سعد وابن عساکر عن ابن عباسؓ قال اھبط ادم بالھند وحوا بجدۃ فجاء فی طلبھا	حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضرت آدمؑ کو ہندوستان میں اور حضرت حواؑ کو جدہ میں اُتارا گیا تھا، آدمؑ حواؑ کی تلاش میں چلے

حتی اتی جمعا فازدلفت الیه حوا فلذلك سمیت المزدلفة واجتمعا بجمع. (فتح القدیر/۱۷) تو دونوں (ایک جگہ) پہنچے پھر حوا، آدمؑ سے قریب ہوگئیں، اسی لئے اس جگہ کا نام قرب کی جگہ (مزدلفہ) رکھا گیا۔

اور یہ بھی ایک روایت ہے کہ میدان عرفات میں دونوں کی ملاقات ہوئی جہاں ایک دوسرے کو پہچاننے اور جنت سے آنے کے بعد سب سے پہلا تعارف ہوا۔

(سرزمین ہندوستان کے فضائل از مولانا محمد میاں دیوبندی)

یہاں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ کوہ سراندیپ پر (سری لنکا) میں ایک بہت بڑے پیر کا نشان موجود ہے جس کو بہت سے مذاہب کے پیرو متبرک اور محترم مانتے ہیں مسلمان اور عیسائی اسے حضرت آدمؑ کے پیر کا نشان بتاتے ہیں، بدھ مذہب کے پیرو اُسے گوتم بدھ کے پیر کا نشان بتاتے ہیں اور ہندو شیوجی کے پیر کا نشان مانتے ہیں۔

یہ عجیب وغریب روایات بالکل بے بنیاد بھی نہیں ہیں بلکہ ان کی کڑیاں ہمیں عربوں کی تاریخ میں بھی ملتی ہیں اہلِ عرب کا دعویٰ ہے کہ ہندوستان سے ان کا تعلق صرف چند ہزار برسوں کا نہیں ہے، بلکہ پیدائش کے شروع سے ہی یہ ملک ان کا پدری وطن ہے احادیث وتفاسیر میں حضرت آدمؑ کا واقعہ متعدد روایتوں سے بیان کیا جاتا ہے، حضرت آدمؑ جب جنت سے نکالے گئے تو وہ اسی زمین کی جنت میں جس کا نام ہندوستان (جنت نشاں ہے) اتارے گئے، چنانچہ سراندیپ (سری لنکا) میں انہوں نے پہلا قدم رکھا جس کا نشان اس کے ایک پہاڑ کے پتھر پر موجود ہے اور اس جگہ کا نام (آدم پے) یعنی آدم کی جگہ یا آدم کی نشانی ہے۔

انجینئر جہانگیر اولڈ ٹاون قصہ مادم پے (شری لنکا) نے بتایا کہ اس پیر کی لمبائی ایک میٹر اور چوڑائی آدھا میٹر ہے اور وہ پتھر پانچ میل اونچے پہاڑ پر رکھا ہوا ہے اس کی چہار دیواری کرادی گئی ہے اور بدھ مذہب والے حضرات اس کی پوجا کرتے ہیں اگر اس پیر کی زیارت کے لئے وہاں جایا جائے تو تقریباً چار گھنٹوں میں وہاں پہنچا جا سکتا ہے۔

ادم علیه السلام بالھند	اتارے گئے تو انہوں نے اجنبیت محسوس کی
فاستوحش نزل جبرئیل فنادی	تب جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور
بالاذان فلما سمع ذکر محمد	اذان کہی آدم علیہ السلام نے حضرت محمد
قال له ومن محمد هذا؟ قال هذا	ﷺ کا ذکر سن کر معلوم کیا یہ محمد کون ہیں؟
آخر ولدك من الانبیاء.	جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ انبیاء علیہم السلام میں سے
(رواہ الطبرانی وابونعیم فی الحلیہ/۱۷)	آپ کے آخری فرزند ہیں۔

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے فرمایا کہ اسلامی کتابیں ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان ہی میں اتارے گئے اور یہیں انہوں نے سکونت کی اور یہیں سے ان کی نسل دنیا میں پھیلی، اسی وجہ سے انسانوں کو آدمی کہا جاتا ہے۔ (ہمارا ہندوستان اور اس کے فضائل جلد دوم)

چنانچہ سبحۃ المرجان فی تاریخ ہندوستان میں متعدد روایات اس کے متعلق مذکور ہیں تفسیر ابن کثیر جلد اول/۸۰ میں مرقوم ہے:

ونزل ادم بالھند ونزل معه	آدم علیہ السلام ہندوستان میں اُترے اور
الحجر الاسود وقبضة منورق	ان کے ساتھ حجر اسود اور جنت کے ایک
الجنة فبثهٔ بالهند فنبت شجرة	مٹھی پتے (بھی) اترے انہیں ہند میں
الطیب فانما اصل مایجاء به من	ڈالدیا گیا، جن سے بہترین درخت اُگے،
الطیب من الھند من قبضة الورق	اور ہندوستان سے آنے والی خوشبو کی
اللتی ھبط بھا ادم وانما قبضھا	اصل اسی مٹھی (بھر پتوں) سے ہے جو
اسفا علی الجنة حین اخرج منها	آدمؑ کے ساتھ اتری تھی، اور آدم علیہ
وقال عمران بن عیینه من عطاء	السلام نے یہ مٹھی جنت سے نکلتے وقت
بن السائب عن سعید بن جبیرؒ	بحالت افسوس بھری تھی۔ عطاء بن سائب
عن ابن عباسؓ قال اھبط ادم	کے واسطہ سے ابن عباسؓ سے منقول ہے

بلدجنا ارض الھند الخ. (تفسیر ابن کثیر) کہ آدمؑ کو ہندوستان کی زمین دجنی میں اُتارا گیا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں آتا ہے کہ اس زمانہ میں خانہ کعبہ کی جگہ ایک سرخ ٹیلا تھا، حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس مقام پر بیت اللہ (خانہ کعبہ) بنائیں اور جس طرح آسمان پر فرشتوں کو بیت المعمور کا طواف کرتے ہوئے دیکھا اسی طرح اس خانۂ خدا کا طواف کریں، چنانچہ سیدنا حضرت آدمؑ نے اسی حکم کی تعمیل میں مقام ابراہیمؑ پر اپنے طرز کے بموجب نماز پڑھی اور پھر یہ دُعاء مانگی : خداوندا تو میرے ظاہر و باطن سے واقف ہے میری معذرت قبول فرما، تو میری ضرورتوں کو جانتا ہے لہٰذا میری درخواست کو منظور فرما جو کچھ میرے دل میں ہے تو اس سے آگاہ ہے لہٰذا میرے گناہ بخشدے، میں ایسا ایمان چاہتا ہو جو میرے قلب میں پیوست ہو اور ایک ایسے سچے یقین واذعان کی درخواست کرتا ہوں جس کے بعد مجھے یقین ہو جائے کہ مجھے وہی ملے گا جو تو نے میرے لئے لکھ دیا ہے اور میں استدعا کرتا ہوں کہ ان چیزوں پر راضی وخوش رہوں جو تو نے میرے حصہ میں لگادی ہیں، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ، نے اس مضمون کی حدیث سرکار دو عالم ﷺ سے بھی نقل کی ہے۔

اس کے بعد حضرت آدمؑ حضرت حوّاؑ کو لے کر ہندوستان واپس ہوئے اور یہیں بود و باش اختیار کی ہیں آپ کے اولاد ہوئی اور یہیں آپ کی اولاد نے قیام کیا، قتل ہابیل کا مشہور واقعہ ہندوستان ہی میں پیش آیا، پھر جب ہابیل جو صالح اور نیک تھے شہید ہو گئے اور قابیل اس کام کی وجہ سے مردود ہو گیا، تو خداوند عالم نے حضرت آدمؑ کو ایک اور بیٹا عنایت فرمایا جس کا نام شیث رکھا گیا اس لئے کہ شیث علیہ السلام کے معنی ھبۃ اللہ (یعنی عطائے خداوندی) کے ہیں، فیض آباد کے قریب اجودھیا کے قبرستان مین ایک بہت لمبی قبر ہے اس کو حضرت شیثؑ کی قبر بتایا جاتا ہے بعض روایتوں میں طائف اور مکۃ المکرمہ کا بھی تذکرہ آتا ہے۔

واخرج ابن ابی حاتم عنه انه اهبط الی ارض بین مکة والطائف.

(سرزمین ہندوستان کے فضائل از مولانا محمد میاں دیوبندیؒ)

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو کعبہ کی جگہ پر اُتارا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے فرمایا کہ اے آدمؑ قدم بڑھاؤ چنانچہ حضرت آدمؑ نے قدم بڑھائے تو انہوں نے اپنے آپ کو ہندوستان کی سرزمین میں پایا اور پھر جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ یہاں (ہندوستان) میں رہے اور پھر یہاں سے دہشت زدہ ہوکر انہیں کعبہ کی یاد ستانے لگی جہاں انہوں نے جنت سے اُتر کر قدم رکھا تھا۔

چنانچہ ان کو حکم دیا گیا کہ اے آدمؑ! حج کو جاؤ، چنانچہ وہ روانہ ہوئے اور انہوں نے قدم بڑھانا شروع کئے، انہوں نے جہاں جہاں بھی قدم رکھے وہاں نشان بن گئے اور ان کے قدموں کے درمیان کا حصہ صحراء بنادیا گیا، یہاں تک کہ وہ مکۃ المکرمہ پہنچ گئے۔

مولانا محمد میاںؒ نے فرمایا کہ حضرت آدمؑ نے ہندوستان سے پیادہ پا چالیس حج اور سات سو عمرے کئے ہیں۔

مولانا محمد نعیم صاحب استاد تفسیر دارالعلوم دیوبند نے کمالین میں رقم فرمایا ہے، حضرت آدمؑ کے نازل ہونے کا مقام بعض حضرات نے ایران بعض نے مصر اور اکثر مؤرخین نے سرزمین ہند میں مقام سراندیپ کو بتایا ہے۔ (کمالین ج ۱/ ۵۸)

سیدنا حضرت آدمؑ تقریباً ایک ہزار برس زندہ رہے اور زندگی کی ضروریات سے متعلق تمام صنعتیں اور حرفتیں آپ کے ذریعہ وجود میں آئیں، جن کی تعداد تقریباً ایک ہزار بتائی گئی ہے، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو جنت سے اتارا تو جنت سے پھلوں کا توشہ بھی ان کو عنایت فرمایا اور انہیں ہر ایک صنعت کی تعلیم دی۔

علماء تاریخ نے صحابۂ کرامؓ کے اقوال وآثار کی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت آدمؑ کے ساتھ چند دیگر مقدس چیزیں بھی نازل فرمائی گئی تھیں، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی

روایت میں آتا ہے کہ حجر اسود جنت کا ایک یاقوت ہے جو حضرت آدمؑ کے ساتھ نازل کیا گیا، صحیح السند روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ پتھر اس قدر روشن تھا کہ آفتاب کا نور بھی اس کے سامنے ہیچ تھا، اس کو ابن آدمؑ کی خطاؤں نے رفتہ رفتہ سیاہ کردیا، نیز یہ بھی روایتوں میں آتا ہے کہ عصائے موسیٰ اور بنی اسرائیل کے اس مشہور تابوت کو بھی (جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے) جنت کی انہیں یادگاروں میں شمار کرایا ہے جو حضرت آدمؑ کے ساتھ ہندوستان میں نازل کی گئیں۔ (ابن سعد طبری)

اسی مفہوم کو الہامی زبان میں حضرت سُدی نے یوں روایت کیا ہے کہ آدمؑ جب دنیا میں تشریف لائے تو ایک ہاتھ میں جنت کا وہ یاقوت تھا جس کا نام حجر اسود ہے اور دوسرے ہاتھ میں جنت کے درختوں کے کچھ پتے تھے، چنانچہ ہندوستانی درختوں کی خوشبو انہیں پتوں کے اثرات باقیات میں سے ہے۔ (دلائل نبوت بیہقی)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نقل فرماتے ہی کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت سے آدم علیہ السلام کو اُتارا تو جنت کے پھلوں کا توشہ عنایت فرمایا اور ہر ایک صنعت سکھادی۔ (بزار ابن ابی حاتم طبرانی)

قال علی بن ابی طالبؓ الطیب ریح الارض الھند، ھبط بھا ادم فعلق شجرھا من ریح الجنة.(رواہ ابن جریر والحاکم والبیھقی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ بہترین خوشبو ہندوستانی علاقہ کی خوشبو ہے جس میں آدم علیہ السلام کا نزول ہوا کہ ہند کے درختوں نے جنت کی خوشبو کا حصہ حاصل کرلیا۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی روایت میں ہے کہ ہندوستان میں تمام دنیا سے زیادہ خوشبو اسی لئے پیدا ہوئی ہے کہ جنت سے حضرت آدمؑ کو یہیں اتارا گیا۔

ابن جریر و ابن عساکر و بیھقی و قلوری عن جماعة من الصحابه ان

آدم اهبط الی الارض الهند.

(رواہ ابن ابی الدنیا وابن المنذ روابن عساکر وابن عمر وطبرانی)

مولانا محمد میاں صاحب دیوبندیؒ نے فرمایا کہ یہ حقیقت ہے لونگ، الا ئچی، کیوڑا گلاب، دار چینی، کافور، چنبیلی، بیلا، مشک، عنبر، زعفران وغیرہ ہندوستان میں پیدا ہوتی ہیں، مشک، عنبر کا تذکرہ تصریح کے ساتھ بعض روایات میں بھی وارد ہوا ہے اور ظاہر ہے حبوب اور غلّے اسی خاک دامن ارضی کو حضرت آدمؑ کے ذریعہ سے ہی عطاء ہوئے ہیں حضرت ابن عساکرؒ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ سونا چاندی حضرت آدمؑ کی درخواست پر پیدا کیا گیا، اسی طرح یاقوت، ہیرا، زمرد اور موتی وغیرہ ہندوستان کے پہاڑوں اور سمندروں میں بکثرت ہوتے ہیں، الہامی روایات ان سب کو حضرت آدمؑ کے ورودِ مسعود کی برکات ثابت کرتی ہیں۔ (رسالہ شمامۃ العنبر)

مؤرخین نے یہ بھی بتایا کہ حضرت آدمؑ چونکہ ایک ہزار سال تک دنیا میں زندہ رہے اس طویل عرصہ میں لامحالہ ہزاروں ضرورتیں پیش آئیں جس کے سبب اولادِ آدمؑ کے لئے سینکڑوں صنعتوں کا ذخیرہ پیدا کر دیا، چونکہ آپ کے فرزند شیثؑ ہندوستان ہی میں رہے، لہٰذا ہندوستان کو تمام دنیا کی صنعت وحرفت میں استاد اول کی حیثیت حاصل ہے۔

علماء کرام کا ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت آدمؑ کی وفات ہندوستان ہی میں ہوئی اور یہیں دفن کئے گئے، اس روایت کی بناء پر ہندوستان ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ ابوالبشر اور وہ اولین نبی جس کے دور حیات کا اولین گہوارہ خاکِ ہند تھی، اس کی آخری آرام گاہ کا فخر بھی اسی سرزمین کو حاصل ہے۔

حضرات انبیاء کرامؑ اور ہندوستان:

سیدنا حضرت آدمؑ کا ہندوستان میں آنا اور ہندوستان کو اپنا مسکن بنانا ہی ہندوستان کی عظمت وتقدس کے لئے کیا کچھ کم ہے؟ اس کے باوجود بہت سے انبیاء کرامؑ بھی ہندوستان تشریف لائے اور اس کو اپنا مسکن بنایا اور ان کے مبارک مزارات سرزمین

ہندوستان میں موجود ہیں۔

فیض آباد اجودھیا میں منی اور کبیر پربتوں کے درمیان مسلمانوں کا ایک مذہبی مقام ہے جو مشرق سے مغرب تک ۶۴ / فٹ اور ۴۷ / فٹ ہے اور اس میں دو مزار ہیں، جن کو حضرت شیث علیہ السلام اور حضرت ایوبؑ کے مزارات بتائے جاتے ہیں، حضرت شیثؑ کے مزار کو آج بھی ہندو شیش ناگ کا لنجر کا مزار کہتے ہیں (مسلم انڈیا اردو ۱۹۸۸ء / ۱۸)

وہیں پر حضرت ایوبؑ کی بیوی جو حالت مرض میں ان کے ساتھ تھیں (کا مزار ہے) اور سیدنا حضرت نوحؑ کے پوتے حضرت حام کے لڑکے ہند کا بھی مزار ہے جو نوگزی کے نام سے مشہور ہے۔ (بابری مسجد)

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ اور مرزا مظہر جان جاناں جیسے بزرگ جو عقائد میں بڑے متشدد تھے وہ بھی ہندوستان میں بعثت انبیاءؑ کے قائل تھے اور ان کو خود یہاں (ہندوستان) کے بعض شہروں میں نورِ نبوت نظر آیا تھا، ان کی تصانیف میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔ (مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر / ۲۹۵ بحوالہ اسلام میں دوسرے مذاہب کی حیثیت از شاہ معین الدین احمد ندویؒ)

تاریخی حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ گجرات علم وفضل کے اعتبار سے خطہ یونان ہی نہیں بلکہ روحانیت کی نسبت سے پیغمبروں کا مدفن بھی ہے وہاں بہت سے پیغمبروں کے مزارات موجود ہیں۔

قاضی سلطان محمود نے علم کشف القبور کے ذریعہ گجرات کے آس پاس متعدد مزارات کی نشاندہی کی ہے ان کا دعوی ہے کہ تمام قبریں ان تمام انبیاءؑ بنی اسرائیل کی ہیں جو حضرت موسیٰؑ اور عمران کی اولاد میں سے تھے۔ (آئینہ گجرات)

روال شریف کے مقام پر ایک مزار موجود ہے جس کی لمبائی عام قبروں سے کئی فٹ زیادہ ہے ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت شیثؑ کی اولاد میں سے کسی بزرگ کی قبر ہے پسیر نگر میں ہمسایالان کی ایک قبر ہے جو بخت نصر کے حملہ کے دوران

اپنے بیٹے سمیت قید ہو گئے تھے۔اور بابل میں اسیری کے ۷۰ رسال گزرنے کے بعد ہندوستان کی طرف چلے آئے تھے ان کے جدامجد حضرت ہارونؑ ہیں اسی طرح دریائے تومی کے کنارے پر سلطان فینوس اور فنانوس کی قبریں ہیں یہ دونوں حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے افراہیم کی اولاد میں سے بتائے جاتے ہیں، سلطان سنیادوش کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ حضرت داؤدؑ کے فرزند کی قبر ہے۔

اسی طرح ان صدیوں پرانی قبروں نے اگر اپنے تقدس واحترام کو باقی رکھا ہے تو اس بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ پیغمبروں کے معجزات ہیں۔

(روز نامہ قومی جنگ رام پور ۱۳ر مارچ ۱۹۸۸ء)

جہاں تک حضرت نوحؑ کا ہندوستان سے تعلق کا مسئلہ ہے وہ بھی ایک کھلی کتاب ہے،قرآن پاک نے بتایا کہ طوفان نوحؑ کے بعد حضرت نوحؑ کی کشتی جودی پہاڑ پر رُکی تھی جو کہ عراق کے علاقہ کردستان میں ہے،قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوحؑ کے وقت تنور سے پانی اُبلنا شروع ہوا تھا اور یہیں سے طوفان کی ابتداء ہوئی تھی۔

ارشاد باری ہے:﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ (سورہ ھود) یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور سے پانی ابلنا شروع ہوا تو ہم نے کہا اس (کشتی) میں ہر قسم کے جوڑوں سے دو کو چڑھالو، حضرت نوحؑ کے اسی تنور کے بارے میں حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ وہ تنور پتھر کا تھا اور حضرت حواؑ اس میں روٹیاں پکاتی تھیں، پھر وہ حضرت نوحؑ کے پاس آگیا اور ان سے کہدیا گیا تھا کہ جب تم دیکھو کہ تنور سے پانی اُبل رہا ہے تو اپنے ساتھیوں کو لے کر کشتی میں سوار ہو جانا۔(لباب التاویل ج ۳/۱۷۹)(لغات القرآن)

اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے صاف واضح ہو گیا کہ حضرت آدمؑ کا تنور ہند میں تھا ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ طوفان سے پہلے ہندوستان میں تھے، گجرات کے ایک قانون داں اور محقق ایم زماں نے تحقیق کے بعد انکشاف کیا ہے

کہ آدم ثانی حضرت نوحؑ گجرات میں محواستراحت ہیں، بعض مورخین نے حضرت نوحؑ کے بیٹے یا پوتے کا مزار بتایا ہے مگر ایم زماں کھوکھرا نے علم کشف القبور کے دو علماء کی روایت سے ثابت کیا ہے کہ یہ خود حضرت نوحؑ کا مزار ہے، جو گجرات کے ایک گاؤں موضع بڑیلہ شریف کے نواح میں ایک فرلانگ جنوب میں گھنی جھاڑیوں اور درختوں کے سایہ میں نوگزی قبر موجود ہے۔

تاریخی حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ طوفان نوحؑ کے بعد حضرت نوحؑ نے اپنے تینوں بیٹوں سام، یافث، حام کا از روئے کھیتی باڑی اور کاروبار کا حکم دیکر دنیا کے چاروں اطراف میں روانہ کیا، حضرت نوحؑ کے بڑے بیٹے اور جانشین سام کے ۹۹ ر ننادے لڑکے تھے، جن میں ارشد، ارفحشد کئے، نود، یود، ارم، قبطہ، عاد، قحطان مشہور ہیں اور عرب کے تمام قبیلے انہیں کی نسل سے ہیں اور فحشد کا دوسرا بیٹا کیمورث شایان عجم کا مورث اعلیٰ ہے، کیمورث کے چھ ۶ بیٹے تھے: سیامک، عراق، فارس، شام، تورا، دمغان انہیں کے ناموں کی مناسبت سے وہ جگہ بھی موسوم ہوئیں، حضرت نوحؑ کے بیٹے یافث مشرق اور شمال کی طرف گئے ان کا مشہور اور نامور بیٹا ''ترک'' نام کا ہے، ترکستان کی تمام قومیں یعنی مغل، ازبک، ترکمان اور ایران وروما کے ترکما اسی کی اولاد میں سے ہیں، یافث کے دوسرے بیٹے کا نام چین تھا ملک چین کا نام اسی کے نام پر ہے۔

حضرت نوحؑ کا بیٹا حام دنیا کے جنوبی حصہ کی طرف گیا، حام کے چھ بیٹے تھے، ہند، سندھ، حبش، افرنج، ہرمز، بوبیہ ان تمام بیٹوں کے نام پر ایک ایک شہر آباد ہوا، حام کے سب سے مشہور بیٹے ''ہند'' نے ملک ہندوستان کو اپنایا اور اسے خوب آباد اور سرسبز و شاداب کیا، دوسرے بھائی سندھ نے سندھ میں قیام کیا اور تھت (ٹھٹھ) اور ملتان کو اپنے بیٹوں کے نام سے آباد کیا، ہند کے چار بیٹے پیدا ہوئے، پورب، بنگ، دکن، نہروال جو ملک اور شہر ان کے ناموں سے مشہور ہیں وہ انہیں کے آباد کئے ہوئے ہیں۔ ہند کے بیٹے دکن کے تین لڑکے تھے ''مرہٹ، کنہڑا، تلنگ'' آج دکن میں ان ناموں کی

تین قومیں جو آباد ہیں وہ انہیں تینوں کی نسل سے ہیں، ہند کے بیٹے نہروال کے تین بیٹے تھے "بھروج، کنباج، مالراج" ان تینوں کے نام پر بھی تین شہر آج بھی آباد ہیں ان کی نسل آج تک ان شہروں میں آباد ہے، ہند کے بیٹے بنگ کے بہت سی اولاد ہوئی جنہوں نے بنگالہ آباد کیا، تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں جو شہر سب سے پہلے آباد ہوا وہ اودھ ہے۔ (تاریخ فرشتہ)

آئینہ گجرات میں لکھا ہے کہ گجرات کے باشندے حضرت نوحؑ کے بیٹے حام کی اولاد ہیں اسی طرح یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ حام کی اولاد میں ہند، سندھ دو بھائی تھے انہیں کے ناموں سے یہ دونوں ملک یعنی ہند اور سندھ مشہور ہیں۔ (خلافت راشدہ اور ہندوستان/۲۵) اور عرب مؤرخین کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ میو اور جاٹ سیدنا حضرت نوحؑ کے بیٹے حام کی اولاد ہیں۔ (تذکرہ صوفیائے میوات)

مولانا محمد میاں دیوبندیؒ نے تاریخی حوالوں اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے بموجب بتایا کہ ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ﴾ کا مشہور عہد بھی ہندوستان ہی کی سرزمین بمقام دجنی میں ہوا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت حق جل مجدہٗ نے ان تمام روحوں کو جو قیامت تک دنیا میں پیدا ہوں گی پشت آدمؑ سے برآمد کیا اور ان کو خطاب کر کے فرمایا: ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ﴾ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ تمام روحوں نے متفقہ طور پر حضرت حق جل مجدہ کی ربوبیت و پروردگاری کو تسلیم کرتے ہوئے جواب دیا ﴿بَلٰی﴾ ضرور آپ ہمارے رب ہیں، اس روایت کے بموجب ہندوستان ہی وہ مقدس سرزمین ہے جہاں بندوں نے اپنے رب کی ربوبیت کا سب سے پہلے اعتراف کیا جس سے تمام روحانی ترقیات و معارف کے سلسلے کا افتتاح ہوا، نیز قرآن حکیم کی اطلاع کے بموجب عہد ﴿اَلَسْتُ﴾ کے موقع پر ایک دوسرا عہد بھی جملہ انبیاءؑ سے لیا گیا تھا جس میں ہر نبی نے آنے والے نبی کی تصدیق و اعانت کا میثاق کیا تھا اور تمام انبیاءؑ و رسلؑ نے حضور ﷺ کی تصدیق اور آپ ﷺ پر ایمان لانے اور امداد کرنے کا عہد اسی سرزمین

ہند ہی میں کیا تھا۔

بہر حال ارض ہند ہی وہ ارضِ مقدس ہے جہاں سلسلہ رشد و ہدایت خداوندی، معرفت قرب الٰہی ونجات اخروی اور فوز وفلاح ابدی کے استحصال کے لئے عہد وپیا ہوا۔

حضور ﷺ اور ہندوستان:

ہندوستان کی عظمت وتقدس اور قدر ومنزلت کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ محسنِ انسانیت حضرت رسول کریم ﷺ کو ہندوستان سے بہت محبت اور خاص تعلق تھا، حتی کہ حضورؐ ہندوستانیوں کو ان کے حلیہ اور وضع قطع سے بھی پہچان لیتے تھے، جیسا کہ تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ھ میں حضرت خالد بن ولید نجران سے بنو حارث کا ایک وفد لے کر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، رسول اللہؐ نے ارکانِ وفد کو دیکھ کر ارشاد فرمایا، یہ کون لوگ ہیں جو گویا ہندوستان کے آدمی ہیں۔ (طبقات ابن سعد، سیرت ابن ہشام، تاریخ طبری، خلافت راشدہ اور ہندوستان از قاضی اطہر مبارکپوریؒ)

اس روایت سے یہ بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ ہندوستانیوں کو اتنی اچھی طرح جانتے تھے کہ غیر معروف لوگوں کا حلیہ بیان کرنے کے لئے آپؐ نے ہندوستانیوں کی مثال دی۔

یوں تو عہد رسالت میں ہندوستان کی مختلف قومیں دیار عرب میں موجود تھی مگر ان میں سے زط (جاٹ) بڑی تعداد میں عرب کے مشرقی سواحل اور ان سے متصل آبادیوں میں رہتے تھے اور پورے عرب کے لوگ اسے اچھی طرح سے واقف تھے، خود رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرامؓ ان کو خوب جانتے پہچانتے تھے، جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ کچھ لوگ میرے قریب آئے وہ جسم اور بال میں جاٹوں کے مشابہ تھے۔ (جامع ترمذی ابواب الامثال خلافت راشدہ اور ہندوستان از قاضی اطہر مبارکپوریؒ)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت موسیٰؑ کو رنگ اور جسامت

میں جاٹ سے تشبیہ دی ہے۔ (بخاری شریف باب المعراج)

ایک حدیث میں آتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا میں نے حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا، عیسیٰؑ وسرخ رنگ گھونگھریالے بالوں اور چوڑے سینہ والے تھے، اور موسیٰؑ تو وہ گندمی رنگ اور سیہ بالوں والے تھے گویا وہ جاٹوں میں سے تھے۔ (بخاری شریف کتاب الانبیاء باب واذکر فی الکتاب مریم)

حضور ﷺ کا تعلق اہل ہندوستان سے صرف واقفیت تک ہی محدود نہیں تھا، بلکہ خصوصی تعلق، محبت اور لگاؤ بھی آپ کو اس ملک سے تھا جیسا کہ تاریخی حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عربوں کو ہندوستان سے ہمیشہ بڑا لگاؤ رہا ہے، دونوں ملک جغرافیائی اعتبار سے بھی ایک دوسرے سے جڑے ہوئے بلکہ ایک دوسرے میں پیوست تھے اور وقت کے طویل سلسلہ میں جو تغیرات رونما ہوئے ان میں یہ دونوں ملک بھی ایک دوسرے سے جدا ہوگئے، قدیم نقشوں سے واضح ہوتا ہے کہ ہندوستان پہلے موجودہ برّ اعظم افریقہ میں جڑا ہوا تھا، ہندوستان کے الگ ہونے اور غیر معمولی تبدیلیوں کے بعد اس جگہ نے موجودہ عرب کی شکل اختیار کی، حتیٰ کہ عربوں کا خیال ہے کہ حضرت آدمؑ دنیا میں (دجنا) کے مقام پر اتارے گئے جو ہندوستان میں واقع ہے اور نور محمدیؐ حضرت آدمؑ کی پیشانی میں امانت تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا ابتدائی ظہور بھی اسی سرزمین (ہندوستان) میں ہوا۔ (درمنثور از علامہ سیوطیؒ /۵۵)

اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ حضور ﷺ نے ہندوستان میں غزوہ کی بھی خوشخبری دی ہے اور غزوہ بھی ایسا جس میں شرکت کر لینے پر ہی دوزخ کی آگ سے حفاظت کی بشارت دی گئی ہے۔

جیسا کہ امام نسائی نے روایت بیان کی ہے :

عَنْ ثَوْبَانَ مَوْلٰی رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِصَابَتَانِ مِنْ اُمَّتِیْ اَحْرَزَھُمَا اللّٰہُ مِنَ النَّارِ عِصَابَۃٌ تَغْزُ

الْهِنْدَ وَعِصَابَةٌ تَكُوْنُ مَعَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ.

(رواہ نسائی باب غزوۃ الہند ۲/۶۳، ورواہ الطبرانی)

اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم میں سند جید کے ساتھ بیان فرمایا ہے، حضرت ثوبانؓ مولیٰ رسول اللہ حضور ﷺ سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے نار جہنم سے محفوظ رکھا ہے ایک وہ گروہ جو ہندوستان میں جہاد کرے گا، اور دوسرا گروہ وہ جو حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ رہے گا۔

ایک دوسری حدیث میں ہندوستان کے غزوہ کی فضیلت اور اس کی اہمیت کے بارے میں سیدنا حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ وَعَدَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ الْهِنْدِ فَاِنْ اَدْرَكْتُهَا اُنْفِقُ فِيْهَا نَفْسِیْ وَمَالِیْ فَاِنْ اُقْتَلَ كُنْتُ مِنْ اَفْضَلِ الشُّهَدَآءِ وَاِنْ اَرْجِعُ فَاَنَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ الْمُحَرَّرَ. (رواہ نسائی ۲/۶۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے ہندوستان میں غزوہ کا وعدہ فرمایا ہے اگر میں اس میں شریک ہوا تو اس میں جان و مال خرچ کروں گا اگر مارا گیا تو بہترین شہید ہوں گا اور اگر زندہ واپس ہوا تو جہنم سے آزاد ابو ہریرہ ہوں گا۔ (نسائی شریف، احمد، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ سبحۃ المرجان، خلافت راشدہ)

جہاد ہندوستان: جہاں تک ہندوستان میں جہاد کا تعلق ہے وہ ایک الگ مستقل بحث ہے تاہم اتنا ضرور عرض کروں گا کہ مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں ہندوستان ہر دور میں مرکز جہاد رہا ہے، اور ہندوستان میں غزوہ کرنے والی سپہ سالار حضرت مسعود غازیؒ کی جماعت ہے، سید سپہ سالار مسعود غازیؒ سب سے اولیں امیر قطب الدین حسنی تھے، جو محمد ذوالنفس الزکیہ کی نسل سے تھے اور قلعہ کڑامانکپور کے فاتح تھے آپ کی اولاد سادات قطبی سے مشہور ہے، بڑے بڑے اہل کمال پیدا ہوئے ہیں، سید علم اللہ نقشبندیؒ، سید ابو سعید قطبیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ کے شاگرد و مرید اور سید احمد شہید

بریلویؒ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد وتربیت یافتہ۔

اور ہر دور میں اولیاء کاملین ومشائخ عظام نے باطل طاقتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے اور عالمی نقشہ میں انقلابی تحریکات، حریت پسندی، جذبۂ آزادی، صرف اور صرف ہندوستان ہی کی دین ہے اور یہ حق و باطل کی جنگ آج نئی نہیں بلکہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے آج تک برابر چلتی آرہی ہے، حضرت آدمؑ کا مقابلہ شیطان سے رہا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقابلہ نمرود سے رہا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ فرعون سے رہا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ بنی اسرائیل سے رہا، اور حضور ﷺ کا مقابلہ کفار مکہ اور قیصر وکسریٰ سے رہا، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا مقابلہ حجاج ابن یوسف سے رہا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مقابلہ خلیفہ منصور سے رہا، امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کا مقابلہ معتصم باللہ سے رہا، امام غزالی رحمہ اللہ کا مقابلہ شاہ سلجوقی سے رہا، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مقابلہ فتنۂ تاتار سے رہا، حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا مقابلہ فتنۂ اکبری سے رہا، حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا مقابلہ فرقۂ اثنا عشریہ سے رہا، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، سید احمد شہیدؒ کا مقابلہ راجہ رنجیت سنگھ سے رہا، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا مقابلہ انگریز سے رہا اور آج کے حالات میں مسلمانوں کا مقابلہ عالمی سطح پر یہودی اور عیسائی لابیوں اور ہندوستان میں فرقہ پرست ملک دشمن عناصر سے ہے، غرض یہ ہے کہ حق و باطل کی آویزش اور ٹکر ہر دور میں رہی ہے، خصوصاً ہندوستان کی تاریخ تو جہادی حالات سے خوب لبریز ہے اور ہر دور میں مسلمانوں کے ساتھ ظلم وستم، جبر وتشدد اور ناانصافی کے پہاڑ توڑے گئے ہیں اور ملک مین افرا تفری فتنہ وفساد قتل وغارتگری، لڑائی جھگڑوں کے واقعات رات دن رونما ہوتے رہتے ہیں۔

مگر میں مسلمانوں اور اپنے اکابرین کی ہمت کو داد دیتا ہوں کہ انہوں نے توپوں اور نیزوں پر اپنی گردنیں لٹکائیں اپنی لاشوں سے سولیوں کو زینت بخشی اور اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ الْحَقِّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ کا پورا پورا حق ادا کیا، موجودہ دور میں بھی

مسلمانوں کو حراساں اور گھبرانا نہیں چاہئے، بلکہ حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کریں، سرزمین ہندوستان پر حوصلہ مندی، حکمت و دانائی، خودداری اور خود اعتمادی سے رہنا چاہئے، احساس کمتری کو ختم کر کے جواں مردی اور بہادری کے ساتھ رہنا چاہئے اور فرقہ پرستوں کے فتنوں فسادات سے گھبرا کر کم ہمتی پژمردگی کا شکار نہ ہونا چاہئے، کیونکہ الحمدللہ مسلمان ہندوستان میں کرایہ دار نہیں ہے، بلکہ مالک کی حیثیت رکھتا ہے۔

حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ ؕ اس کا نعرہ ہے وہ کسی بھی قیمت پر وطن عزیز کی بیخ کنی کو برداشت نہیں کر سکتا اس نے وطن عزیز کی تعمیر میں اپنا خون لگایا ہے۔

کیا مسلمان اپنے آباء واجداد کی تاریخ کو بھول گیا ہے، کیا وہ نہیں جانتا کہ اس کے آباء واجداد کے لئے دہلی کا چاندنی چوک ہی نہیں بلکہ ہر شہر، ہر چوراہے پر سولیاں نصب کر دی گئی تھیں، درختوں پر پھانسی کے پھندے پڑے ہوئے تھے، کیا وہ نہیں جانتا کہ اس کے آباء واجداد کو ہاتھی پر بٹھا کر پھانسی کا پھندہ اس کی گردن میں ڈال کر ہاتھی کو آگے بڑھا دیا جاتا اور لاش پھندے میں جھول جاتی، آنکھیں اُبل پڑتیں، زبان منھ سے باہر آجاتی، ذبح کئے ہوئے پرندے کی طرح جاں کنی کا وہ ہیبت ناک منظر، الایمان الحفیظ، تاریخ شاہد ہے کہ بسا اوقات ان پھانسیوں پر لٹکائے جانے والوں کی لاشیں تڑپ تڑپ کر انگریزی ہندسہ کا آٹھ بن جایا کرتی تھیں، لاہور کی جامع مسجد میں روزانہ اسی ۸۰ اسی ۸۰ علماء کو پھانسی دی جاتی اور منظم طور پر ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۷ء تک تین لاکھ قرآن کے نسخے نذر آتش کئے گئے ان تین سالوں میں چودہ ہزار علماء کرام کو پھانسی پر لٹکایا گیا اس زمانہ میں دہلی چاندنی چوک سے خیبر پاکستان تک کوئی بڑا درخت ایسا نہ تھا جس پر علماء کی لاشیں نہ لٹکی ہوں اور کھلم کھلا علماء کو خنزیر کی کھالوں میں بند کر کے تندوروں اور دریاؤں میں ڈالا جاتا تھا مگر علماء کرام اکابرامت نے نہایت جسارت وجرأت سے ہر محاذ پر باطل کا مقابلہ کیا اور نتیجۃً باطل کو ہر موقع پر ہزیمت وشکست کا منھ دیکھنا پڑا۔

غرض میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہندوستان کی عظمت وتقدس کے لئے یہی کیا کم ہے

جس کے جہاد میں شرکت کے لئے جنت کی خوشخبری دی گئی ہے، اس سرزمین ہندوستان میں ہزاروں اولیاء اقطاب، ابدال، شہداء، صلحاء وعلماء مدفون ہیں، یہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، خواجہ صابر علی کلیریؒ کا ملک ہے، جن کے خداداد فیوض و برکات سے لاکھوں لوگ مشرف باسلام ہوئے، جن کا وجود امت کے عقائد واعمال کی اصلاح کا سبب بنا، اس سرزمین نے مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ عبدالغنیؒ، شاہ عبدالقادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ، سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ، جیسی علمی عملی اور تاریخی شخصیات کو جنم دیا، جنہوں نے ہندوستان کی تاریخ کو نیا موڑ دیا، ہندوستان کے مستقبل کو آزادی کا خواب دکھلایا اور ملک کو قربانی دینا سکھایا اور تاریخ ہند میں سب سے پہلے حریت کا بگل بجایا۔

اسی سرزمین ہند نے قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ، شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، مولانا حفظ الرحمٰنؒ وغیرہم جیسے جیالے بہادروں کو جنم دیا، جنہوں نے ہندوستان کی آزادی میں تن من دھن کی بازی لگادی اور فرنگی محلوں اور قلعوں کو ہلا کر رکھ دیا اور تختۂ دار کو اپنی زندگی سمجھے۔

اسی سرزمین ہندوستان نے مولانا محمد الیاسؒ، حضرت تھانویؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مولانا محمد یوسفؒ، شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ، حضرت حافظ محمد حسین اجراڑویؒ کو جنم دیا، جن کے زہد وتقویٰ دُعاء نیم شبی اور علمی عملی ہمہ گیر زندگیوں سے امت کی اصلاح وفلاح اور دین حنیف کی ترویج واشاعت میں چار چاند لگے، جن کی تصانیف وتالیفات امت کی ہدایت کا ذریعہ بنیں۔

بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ حضور ﷺ کو ہندوستان سے بہت لگاؤ اور بہت تعلق تھا اور آپؐ اہل ہند کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے اور اہل عرب اور اہل ہندوستان کا تعلق قدیم تعلق تھا، ہندوستانی مختلف قومیں دیار عرب اور عرب کے مشرقی

ساحلی آبادیوں میں آباد تھیں، اسی نسبت پر آنحضرت ﷺ اہل ہندوستان کو جانتے تھے، جہاں تک باقاعدہ ہندوستان میں دین متین کی شمع لے کر مسلمانوں کا تعلق ہے، اس سلسلہ میں اگرچہ ہندوستانی اور یورپین مؤرخین کا کہنا ہے کہ مسلمان سلطان محمد بن قاسمؒ کے ہندوستان پر حملہ کے وقت ۹۳ھ میں داخل ہوئے، مگر حقیقت اس کے بالکل مختلف ہے، اصل امر واقعہ یہ ہے کہ مسلمان اس سے پہلے آنحضرت ﷺ کے زمانہ حیات ہی میں ہندوستان آچکے تھے اور اس کی بنیاد یہ تھی کہ حضورؐ کی پیدائش مبارک سے پہلے ہی ہندوستان اور عرب کے درمیان زمانہ دراز سے تجارتی تعلقات قائم تھے، یہاں تک کہ بہت سے عربوں نے ہندوستان ہی میں بود و باش اختیار کرلی تھی۔

چنانچہ عرب لوگ دولتِ اسلام سے مالامال ہونے کے بعد حسب سابق ہندوستان میں بغرض تجارت برابر آتے رہے اور اپنے ساتھ اسلامی تعلیمات کو بھی ہندوستان لے آئے اور ہندوستان میں دین رفتہ رفتہ پھیلنے لگا اور سندھ میں مسلمانوں کی فاتحانہ پیش قدمی سے بہت سے جنوبی ہندوستان اور دوسرے حصوں میں تبلیغ اسلام خاموشی کے ساتھ برابر جاری رہی، چنانچہ ۱۵ھ میں جب حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کو عمان اور بحرین کا گورنر بنا کر بھیجا تو حضرت عثمانؓ نے اپنے بھائی حکم بن ابی العاص کو فوج دیکر ہندوستان کے مشہور علاقہ گجرات روانہ کیا، اور بمبئی کے قریب تھانہ اور بھروچ کو فتح کرکے یہ سب سے پہلی اسلامی فوج سالم و غانم ہوکر واپس ہوئی، پھر دوسری مرتبہ حضرت مغیرہ بن العاصؓ ہندوستان آئے اور بہت سے علاقے فتح کئے جن میں سندھ اور بھروچ کے ساحلی علاقے شامل ہیں، پھر ۳۹ھ میں حضرت علیؓ نے جہاد اور تعلیمات نبوی کو عام کرنے کے لئے حضرت حارث بن مرّہ کو ہندوستان بھیجا انہوں نے بھی بہت سی فتوحات کیں، پھر ۴۴ھ میں امیر معاویہؓ کے دور میں حضرت مہلب ابن ابی صفرہؓ نے ہندوستان میں جہاد کیا اور برابر جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ ۵۳ھ میں سندھ اور کچھ کو فتح کرتے ہوئے گجرات کی بندرگاہ قندھار تک پہنچ گئے، جبکہ ان حضرات سے

بہت پہلے حضرت تمیم داریؓ جو ۹ھ میں مسلمان ہوئے تھے، وہ جنوبی ہندوستان میں تبلیغ دین متین کے لئے تشریف لا چکے تھے اور ہندوستان میں ہی ان کا وصال بھی ہوا، جیسا کہ تاریخی حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ نواحی مدراس میں ان کی قبر موجود ہے۔

(خلافت راشدہ اور ہندوستان از قاضی اطہر مبارکپوریؒ، مطبوعہ ۱۹۷۲ء/۴۷)

مذکورہ بالا تمام روایات و واقعات سے واضح ہوگیا کہ محسن انسانیت حضرت رسول کریم ﷺ کو ہندوستان سے کتنی محبت اور کتنا پیار تھا، اور ہندوستان سے حضور ﷺ کو علم و ایمان کی بو آتی تھی، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے اپنا چہرۂ انور جانب مشرق کیا اور ارشاد فرمایا کہ اے میرے صحابہؓ مجھے ادھر سے ایمان کی بو آرہی ہے اور اہل عرب میں یہ روایت بہت مشہور ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے ہندوستان کی طرف ربانی خوشبو آتی ہے، سیدنا حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پاکیزہ اور خوشبودار مقام ہندوستان ہے، اسی سرزمین عرب سے میر عرب کو روحانیت کی ٹھنڈی ہوائیں محسوس ہوئیں۔

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:

میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

اسی لئے ہندستان میں بے شمار علماء، صلحاء، اولیاء اللہ و مجاہدین پیدا ہوئے اور لاکھوں دینی مراکز قائم ہوئے اور قرآن و حدیث کی شمعیں جلائیں، پس وہ سرزمین ہندوستان ہے جس کے چپہ چپہ پر چشتیؒ، قادریؒ، نقشبندیؒ، سہروردیؒ اولیاء اللہ مدفون ہیں اور ان کے نورانی مادی جسموں کی آرام گاہیں ہندوستان میں توحید و نبوت کی روشنی قائم رہنے کی ضمانت ہیں۔

بہر حال یہ مختصر غیر مرتب اور منتشری گفتگو ہندوستان کی عظمت تقدس پر کی ہے جس سے آپ حضرات کو اندازہ ہوا ہوگا کہ ہندوستان مسلمانوں کا خالص مذہبی نقطۂ نظر

ہی سے محبوب نہیں ہے بلکہ خلیفۃ اللہ فی الارض کا مہبط ہونے کی وجہ سے بھی انسانیت کا پہلا دار الخلافہ اور تمام انسانوں کا روحانی و مادی اصل و اصول کا خمیر اور توالد وتناسل کا اصل اصول ہونے کی وجہ سے بھی عزیز ہے۔

حق تعالیٰ ہمیں ہندوستان کی تعمیر و ترقی اور اس کی فلاح وصلاح کے لئے قبول فرمائے اس کی خدمت کے مواقع نصیب فرمائے، اس کی تعمیر و ترقی میں مزید ترقی عطاء فرمائے، یہاں ہر ایک انسان کو پُر امن اور باعزت طریقہ پر زندگی گزارنے کے مواقع فراہم فرمائے، جمہوریت کو مضبوط سے مضبوط تر بنائے، فرقہ پرستوں اور ملک دشمن عناصر کی شرارتوں سے ملک کی حفاظت فرمائے، تمام حاضرین کی جائز تمناؤں اور دلی مرادوں کو پورا فرمائے، آمین، یارب العالمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

جشنِ جمہوریت اور موجودہ تقاضے

خطیب: مولانا انعام صاحب قاسمی

اسے ہم اپنی محبت کا کھوٹ سمجھیں گے
اگر مزاج زمانہ پہ ہم نہ بار ہوئے

سال بھر کے بعد ہندوستان کی فضا میں ایک دن ایسا آتا ہے جس سے ہمارے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں، آزادی کے میٹھے نغمے کانوں میں رس گھولنے لگتے ہیں، ہندوستانی اس دن کو اپنی نئی زندگی کا آغاز، اپنے خوابوں کی حسین تعبیر اور اپنے مستقبل کا حسین تاج محل سمجھنے لگتا ہے ــــــ یوں تو تاریخ کے سفر میں ماہ و سال وصدی کے آغاز وانجام کا کوئی دن مقرر نہیں کیا جا سکتا، لیکن مطالبے اور احتساب کے لئے زمانہ کو عہد میں تقسیم کرنے کا رواج ہم کو لمحہ بھر رک کر جائزہ لینے کا موقع فراہم کرتا ہے، کہ اس مدت میں بنی نوع انسان پر کیا گزری، کیا بیتی، اور پھر ماضی کا جائزہ لے کر نئے طریقے سے جینے کا عزم اور نئے انداز سے رہنے کا جذبہ لے کر کھڑے ہوتے ہیں، اسی لئے اس دن کی اہمیت ہوتی ہے، اسے اہتمام سے منایا جاتا ہے۔

ہندوستان میں جس دن کو بڑے اہتمام سے منایا جاتا ہے اسے یومِ جمہوریہ یا ری پبلک ڈے Republic Day یا گن تنتر دِوس کہا جاتا ہے، اس دن ہندوستان میں تمام لوگوں کو جمہوری حقوق ملے، آئینی طور پر ملک آزاد ہوا، اور یہ آزادانہ ومساوی حقوق ہندوستانی باشندوں کو تقسیم ہند کے بھیانک نتائج کے بعد ہر ایک کی قربانی دیکھ کر ملے، جس میں انہوں نے انگریز حکومت کی آنکھوں میں آنکھیں لڑا کر باتیں کیں، اور ہر

طرح کا بلیدان پیش کیا، اسی کی خوشی میں ہم جمہوریت کا جشن مناتے ہیں اور ترنگا جھنڈا لہرا کر اسے سلامی دیتے ہیں، اس خوشی کے دن میں ہم احتساب کریں ماضی کا، غور کر کے دیکھیں دستور و قانون کو اور اپنے طرزِ عمل کو، جائزہ لیں ماضی کا اور تعمیر کریں مستقبل کی عمارت —— یہ یومِ جمہوریہ برطانوی تسلط سے آزادی کا جشن ہے —— آیئے —— ہم ماضی کے دریچوں سے جھانک کر دیکھیں کہ یہ ہندوستان انگریز کا غلام کیسے بن گیا اور برطانوی سامراج نے اسے اپنا اصیل و خدمت گار کیسے بنایا، تاریخ بتاتی ہے کہ پرتگال کے ملاح واسکوڑی گامانے ہندوستان اور چین وغیرہ کی طرف آنے کا بحری راستہ ۱۴۹۸ء میں دریافت کر لیا تھا، یہ وہ زمانہ تھا جب شمالی ہند اور مغربی پاکستان میں سکندر لودھی کی حکومت تھی اور دکن میں بہمن سلطنت کے زوال کے بعد پانچ چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم ہو گئی تھی۔

پرتگالیوں کے بعد انگریز اور فرانسیسی بھی مشرقی ملکوں میں آنا شروع ہو گئے تھے، یورپ کی ان قوموں کا سب سے بڑا مقصد تجارت تھا، یہ تاجر مشرقی ملکوں کا بنایا ہوا سامان سوتی اور ریشمی کپڑے اور جزائر کا گرم مصالحہ یورپ سے لے جاتے تھے، تیموری سلاطین کے زمانے میں انگریزوں نے تجارت کی اجازت لے لی تھی اور کلکتہ، بمبئی، مدراس وغیرہ اپنی تجارت کی کوٹھیاں قائم کر لی تھیں، پھر آہستہ آہستہ ان کوٹھیوں کو قلعوں میں تبدیل کر لیا، اور یہاں ہر قسم کی لڑائی کا سامان جمع کرنے لگے، شاہ جہاں کے زمانے میں انہوں نے ہنگامہ کرنے کی بھی کوشش کی تھی، لیکن شاہی فوجوں نے انہیں وہاں سے نکال دیا، اور انگریز کے زمانے میں بمبئی میں لڑائی کرنا چاہی، لیکن مغل شہنشاہ نے اپنی سادہ لوحی رواداری اور روایتی خیر سگالی کے جذبہ کے پیش نظر ان کو معاف کر کے انہیں رہنے کی اجازت دیدی۔

لیکن جب تیموری سلطنت کو زوال ہوا اور ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گیا تو انہوں نے سر ابھارا اور اپنی حکومت کی تخم ریزی شروع کی، تجارتی قلعوں میں

فوجوں کی تعداد بڑھائی، سمندر کے راستے میں بنگال پر حملہ کر کے ۱۷۵۷ء میں پلاسی کے مقام پر نواب سراج الدولہ کو شکست دی اور پھر ۱۷۶۴ء میں بکسر کے میدان میں میر قاسم اور اودھ کے نواب کو شکست دے کر الٰہ آباد پر قبضہ کر لیا، اب ان کو میسور کی خداداد سلطنت کے علاوہ کوئی مضبوط حکومت دکھائی نہیں دیتی تھی جس کی باگ ڈور حیدر علی اور اس کے بیٹے ٹیپو سلطان شہید تھامے ہوئے تھے، اسلامی تاریخ میں انہیں مقام بلند حاصل ہے، انہوں نے ہمارے دور زوال میں بے مثل شجاعت اور سمجھداری سے مقابلہ کیا اور ۳۵؍ سال تک انگریزوں کے مقابلے میں تنہا ڈٹے رہے، لیکن اپنے ہی لوگوں کی در پردہ غداری سے ۱۷۹۹ء کو لڑتے ہوئے شہادت پائی، آپ کی شہادت کی اطلاع جب انگریز جنرل ہیرس کو پہنچی تو وہ چیخ اُٹھا اور ایک نعرہ لگایا اب ہندوستان ہمارا ہے، گرجوں کے گھنٹے بجا کر اور مذہبی رسوم ادا کر کے سلطان کی موت پر اظہار مسرت کیا، اور ایسٹ انڈیا کمپنی سے اپنے ملازمین کو انعام و اکرام سے نوازا، یہ اس بات کا اعلان تھا کہ اب ہندوستان پر برطانوی اقتدار مستحکم ہوگا، ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد برِ صغیر میں کوئی ایسی طاقت نہیں رہی جو انگریزوں کا مقابلہ کر سکے، نظام دکن اور مرہٹوں نے بھی انگریز کی بالادستی تسلیم کر لی، شاہ عالم بھی ان کی حفاظت میں چلا گیا، اب مغل بادشاہ صرف لال قلعہ کے حکمراں رہ گئے، اور انگریز کی پنشن خوار، آخری مرتبہ برطانوی فوج کے ہندوستانی دستہ نے غداری کی اور دہلی پر قبضہ کر کے بہادر شاہ ظفر کو جنگ آزادی کی قیادت سپرد کرنا چاہی، لیکن یہ کام بوڑھے بادشاہ کے بس کا نہ تھا، بغاوت یا جنگ آزادی ناکام ہوگئی، بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے اس پر مقدمہ چلایا گیا، اور بغاوت کے جرم میں مارچ ۱۸۵۷ء میں رنگون جلاوطن کر دیا گیا، اب ہندوستان پر برطانوی پرچم لہرانے لگا، انقلاب ۱۸۵۷ء کا انگریز نے مسلمانوں سے بڑا سخت انتقام لیا، دہلی میں ان کے محلے کے محلے اجاڑ دیئے گئے، ان کی جاگیریں چھین لیں، ظلم و ستم کا نیا ریکارڈ قائم کیا، بے شمار علماء کو پھانسی کے پھندوں پر لٹکایا، ناحق گولیاں چلائیں، کوڑے مارے، کالا پانی

بھیجا، ٹرینوں سے اٹھا کر باہر پھینک دیا، بوروں میں بھر کر توپ کے منھ پر باندھ دیا اور توپ داغ دی گئی، جس سے اس کے پرخچے فضا میں کاغذوں کے ٹکڑوں کی طرح اڑنے لگے، جگہ جگہ پھانسی کے پھندے لٹکا دیئے اور ہاتھیوں پر مسلمانوں کو بٹھا کر پھندے کے نیچے لے جاتے اور پھندہ گلے میں ڈال کر ہاتھی کو آگے بڑھاتے، اس خونی انقلاب کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، وحشت و بربریت کا ایک ایسا ننگا ناچ ناچا گیا کہ انسانیت اس پر نفرتیں بھیجنے لگی، چشم فلک نے ہلاکو و چنگیز، ہٹلر واسٹالن کے زمانہ میں بھی یہ منظر نہ دیکھا ہوگا، مسلمانوں کو اس خون کی ہولی سے گزرنا پڑا جس کی وجہ سے مایوسی اور احساس شکست خوردگی ان کے خمیر میں سرایت کر گئی، کشمکش کے مہیب اور ڈراؤنے خیالات نے انہیں پابندِ طوق وسلاسل بنا دیا، اور وہ خود اپنی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہو گئے، خودداری جس پر حرکت، جدو جہد اور کشمکش زندگی موقوف ہے، اس پر ضرب لگا کر بے گوروکفن لاش میں تبدیل کر دیا، اور ان کی اولوالعزمی، مہم جوئی، شجاعت اور جذبۂ جہاد کو انگریزی سامراج نے چوس لیا، مشرقی تہذیب مغربی کلچر وثقافت میں گم ہو کر رہ گئی، انگریز کے ان لرزہ خیز مظالم نے ہندوستانیوں کو اپنا غلام بنا لیا، ان سے بیگاریں لی جانے لگیں، لوٹ کھسوٹ ہوتی رہی، نسلی امتیاز اور کھوکھلے نظام نے عظمت و شرافت کی دھجیاں بکھیر دیں، انگریزوں کے ان آئے دن ہونے والے مظالم سے ہندوستانی گھبرا گئے، ان میں بغاوت، آزادی کا جوش ان کے سمندر میں تلاطم پیدا ہوا، اور اہل فکر ونظر نے اس طاغوتی چنگل سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے باہم مشورے کئے، اخوت، اتحاد عمل اور حب الوطنی کے جذبہ سے لوگوں کو سرشار کیا، اور وہ برٹش گورنمنٹ کے خلاف صف آرا ہو گئے، میٹنگیں ہوئیں، تحریکیں وجود میں آئیں، تقریریں ہوئیں، کتابچے اور پمفلٹ شائع ہوئے، حریت پسندی اور آزادی کے فکر کے جذبہ نے انہیں میدان میں لا کھڑا کیا، جس کے نتیجے میں ان پر مقدمے چلے، انہیں پس دیوار زنداں کیا گیا، جیل کی سلاخوں کے پیچھے ان کا امتحان لیا، انہیں قید و بند کی صعوبتوں میں ڈالا گیا،

ایسا ہنگامہ رست وخیز بپا ہوا جس سے انسانیت تھرااٹھی۔

لیکن شمع آزادی کے پروانے، گردو پیش کے حالات سے ٹکراتے رہے، اور ان کے قلوب میں حریت کی چنگاری شعلہ جوالہ بن کر بھڑک اٹھتی اور سامراج کے ایوانوں کو جلا کر خاکستر کر جاتی، انہوں نے انگریزوں کا چین وسکون درہم برہم کردیا، اس انتہائی نازک، ہوش ربا، اور اضطراب انگیز ماحول میں یہ دیوانے اپنے درماندہ قافلے کو لے کر نکل پڑے:

خرد کہتی تھی کہ رک جاؤ بہت نازک ہے زمانہ
سفینہ کو مگر طوفان سے ٹکرا دیا تو نے

انہوں نے معاہدہ کیا کہ ہر دشواری و پریشانی، امتحان وابتلا، صعوبت ومشقت، آلام ومصائب، رنج ومحن کو خندہ پیشانی سے برداشت کر کے عزمِ صمیم سے شمع آزادی کو روشن کرتے رہیں گے، پسینہ کی جگہ اپنا خون بہادیں گے، ہندوستانیوں نے اس شکست وریخت ماحول میں مایوسی وناامیدی سے نکل کر امید وآرزو، پیہم جدوجہد، پیش بندی، مسلسل کاوش، پیش بینی اور بلند کرداری سے ایک ایسا انقلاب برپا کیا جس سے انگریزی ایوانوں میں رخنہ پیدا ہوگیا، اس جدوجہد کے لئے انہوں نے اپنا آرام وسکون تج کردیا، راحت وعیش کو ٹھوکر مارلی، انہیں گرفتار کیا گیا، جیل کی صعوبتوں میں ڈالا گیا، ان کی لاشوں کی بے حرمتی کی گئی، داڑھیوں کو نوچا گیا، حاملہ عورتوں کے پیٹ میں نیزے گھونپے گئے، ان کے سامنے ان کی بہو بیٹیوں کی عزتوں پر حملے کئے گئے، ان کے جوان بیٹوں کو تختہ دار پر لٹکایا گیا، گرفتاری وتعذیب کی یہ داستان بڑی دلگداز بھی ہے اور زہرہ گداز بھی، لیکن قلب کی حرارت، صبر وایمان کی طاقت، جذبۂ حریت وآزادی نے انہیں چٹانوں میں تبدیل کردیا، اس پرآشوب ماحول میں انہوں نے کسی کے آگے سرخم نہیں کیا، ایک کسی مجاہد کو انگریز جب گرفتار کر لیتے، اور معافی مانگنے کے لئے کہتے تو بیباکی وجرأت سے ان سفید فام درندہ صفت انسان کو جھڑک دیتا، ان مجاہدین آزادی

کے راستہ میں پھانسی کے پھندے، خون کی ندیاں، توپوں کی گھن گرج، تلواروں کی جھنکار، لاشوں کے انبار، بندوقوں کی نالیں، جیل کی سُلاخیں، قید و بند کی سختیاں، تیغ و تفنگ کے ہولناک مناظر، جبر واستبداد کے ہتھکنڈے، ظلم وستم کی بوچھاریں، نیزوں اور بھالوں کی دھاریں، برچھیوں کی اَنی، بم اور گولہ باری تھی۔

لیکن ان کے بڑھتے ہوئے قدموں کو نہ پہاڑ روک سکتے تھے اور نہ دریا ان کی راہ میں حائل ہوسکتے تھے، ان کا نعرہ تھا کہ:

ہم راہ وفا کے رہرو ہیں منزل ہی پہ جا کر دم لیں گے

مجاہدین آزادی کی تلوار ایک بار بے نیام ہوکر اب میان میں جانا نہیں چاہتی تھی، حریف جب زخم کھالیتا ہے تو پھر اس کا جذبۂ انتقام اس سانپ کی طرح بل کھاتا ہے جس کی دم کچل دی گئی ہو، اس لئے انہوں نے بہت سی تحریکوں کے ذریعہ اس کارواں کو آگے بڑھایا، کانگریس، مسلم لیگ، جمعیۃ علماء ہند، مجلس احرار اسلام، جمعیۃ الانصار، تحریک خلافت، مدارسِ اسلامیہ کی تحریک، ریشمی رومال کی تحریک، بنگال کی متعدد تنظیمیں، انجمن وطن بلوچستان سب اسی سلسلہ کی اہم کڑیاں ہیں۔

یہ آزادی کے متوالے مجاہدین، ان کی داستانِ دردوالم طویل بھی ہے، عبرت انگیز، جرأت انگیز بلکہ حیرت انگیز بھی، اس کی فہرست میں شیر خوار بچے بھی ہیں، بزرگ بوڑھے بھی، بانکے کڑیل جوان بھی ہیں اور غیور، نڈر بیباک عورتیں بھی، ان میں برادرانِ وطن کی بھی ایک لمبی فہرست ہے، اور کلمہ گو صداقت شعار انسانوں کا ایک کاروان مسلسل بھی، ہر ایک نے محبت وصداقت اور حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار ہوکر، کندھے سے کندھے ملا کر سمندر پار سے آئی ہوئی غاصب وجابر قوم کو وہیں دھکیل دیا اس سے نفرت کا اظہار کیا، اور بھارت کی زمین کو آزادی کا تاج پہنایا۔

اس آزادی کی دوڑ میں مسلمانوں نے جو کردار ادا کیا، انگریز کے سامنے سینہ سپر ہوکر جو اعلان جہاد کیا، اور سرفروشی کی تمنا کا نعرہ لگا کر زور بازوئے قاتل کو چیلنج کیا، وہ در

اصل ان کے دل کی تڑپ اور ان کے ضمیر کی آواز تھی، ۱۸۵۷ء کے خونی انقلاب سے بہت پہلے ولی اللّٰہی خاندان کے ایک عالم و مصلح، داعی ونقیب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے سب سے پہلے جہاد کا فتوی دیا تھا، اس وقت کسی کے حاشیۂ خیال اور وہم وگمان میں بھی نہ تھا، کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ اقتدار باختہ قوم کا پھر کچھ مستقبل ہو سکتا ہے؟ اور پھر سید احمد شہید، شاہ اسمٰعیل رحمہم اللہ کی مقدس جماعت نے سکھوں کے پس پردہ انگریز سے لڑائی کا جو منصوبہ بنایا تھا، ظاہر نظر اسے کہاں دیکھ سکتی ہے، کاش یہ تحریک بالاکوٹ کے میدان میں دفن نہ ہوتی، لیکن اس پودے کو مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی جو اسی مدرسہ کے فیض یافتہ تھے سیراب کرتے رہے اور ان کے پیروؤں نے اس ملک کی خاطر اسے پروان چڑھایا، اور تاریخ کے اس طویل سفر میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، سید احمد شہید، ٹیپو سلطان، بہادر شاہ ظفر، بیگم حضرت محل، شہید اشفاق اللہ خان، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا محمد علی جاندھری، مولانا حبیب اللہ لدھیانوی، حکیم اجمل خان، مولانا صادق علی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، شیخ الہندؒ، حاجی امداد اللہ صاحب، مولانا فضلِ حق خیرآبادیؒ، مولانا شوکت علی، مفتی کفایت اللہ اور نہ جانے شمعِ آزادی کے کتنے پروانے ہیں جنہوں نے انگریزوں کے ابتدائی دور سے لے کر ۱۹۴۷ء تک انگریزی سامراج کی جڑیں اکھاڑنے میں نمایاں کردار کیا ہے، اس جدوجہد اور قربانی کی اس طویل ترین تاریخ میں ۱۹۱۹ء تک انگریزی استبداد اور سامراجی خونی پنجوں سے تنہا مسلمان نبرد آزما دکھائی دیتا ہے، ۱۸۸۶ء میں کانگریس کی بنیاد پڑی لیکن اس کے دستور میں انگریز سے مکمل آزادی کا منشور نہیں ہے، اس نے ۲۹-۱۹۲۸ء میں مکمل آزادی کا نعرہ لگایا، جب کہ مسلمانوں نے روزِ اول ہی سے اسے اپنا منشور بنالیا تھا، اور وہ اسے اپنا منشور کیوں نہ بناتے اس ملک کی خاطر تن من دھن کی بازی کیوں نہ لگاتے؟ ملک تو انہیں سے چھینا گیا تھا، آشیانہ تو انہیں کا اجڑا تھا، ڈاکہ انہیں کے گھر میں ڈالا گیا تھا، تنکے انہیں کے بکھیرے گئے تھے انہوں نے اپنا فرض منصبی ادا کیا۔

بعد میں بلکہ بہت بعد میں برادرانِ وطن نے بھی اس پُر خار وادی میں قدم رکھا، بلیدان دیا، اور اس رِشی مُنی، رام کرشن کی دھرتی پر قربانی کی بھینٹ چڑھاتی ہیں، اور مسلمانوں کی شانہ بہ شانہ اس جنگ آزادی کی جدو جہد میں حصہ لیا، آخری دور میں اگر ایک طرف شیخ الہند، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، نواب ظفر الملک، مولانا نانوتوی، مولانا گنگوہیؒ، رفیع احمد قدوائی، مولانا آزاد، مولانا حسین احمد مدنی وغیرہ حضرات نے استخلاصِ وطن کے لئے قربانیاں دیں تو دوسری طرف ہمارے برادرانِ وطن مہاتما گاندھی، چندر شیکھر، موتی لال نہرو، پنڈت جواہر لال نہرو، رام پرشاد بسمل، سبھاش چندر بوس، سردار پٹیل وغیرہ سر بکف ہو کر انگریز کا قلع قمع کرنے میں پیش پیش تھے، اور آج ہندوستان آزاد نظر آرہا ہے، یہ سب ان حضرات کی مشترکہ جدو جہد کی ایک فصلِ بہار ہے۔

۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہو گیا، اسے اس کے حقوق مل گئے، غلامی کا جوا کندھوں سے ہم نے اتار پھینکا، لیکن اس درماندہ قافلے کے ساتھ حالات کی ستم ظریفی نے کھلواڑ کیا، کچھ اپنوں کچھ بیگانوں نے آزادی کے سورج طلوع ہونے سے قبل ہی ہمیں خون میں نہلا دیا، اور ایک خونی لکیر سے اس کا استقبال کیا، جسم و روح کے ٹکڑے کر ڈالے، میں اس بحث میں نہیں جانا چاہتا کہ غلطی کس کی ہے، حالات کے رخ کا دھارا کس کا رہینِ منت ہے، اگر اس پر سے پردہ اُٹھایا جائے تو نہ معلوم حمام میں کتنے ننگے نظر آئیں گے، غرض یہ ہے تقسیمِ ہند عمل میں آئی، اور مسلمان و ہندو کے درمیان ایک خلیج پڑ گئی، اور اس کا اثر ہر میدان میں نظر آنے لگا، تعجب ہوتا ہے کہ اس کا اثر تعلیم و معاش، اقتصادیات، کلچر و روایات، بلکہ حد یہ کہ تاریخ پر پڑنے لگا، اور آج ایسی تاریخ ہندوستان کی قسمت بن گئی، کہ مسلمانوں ہی سے ہند کی حب الوطنی کا سرٹیفکیٹ مانگا جانے لگا، فراموش نہیں بلکہ جان بوجھ کر درس سے نکال دیا، مسلمانوں کی قربانی کے اسباق کو، اور داستانِ پارینہ بنا دیا، ہندوستان کی دھرتی میں ان کے لہو کو، تاریخ کے ساتھ

یہ ناانصافی بلکہ ظلم چشمِ دہر نے کبھی نہ دیکھا ہوگا، ہم نہیں کہتے کہ ۱۸۵۷ء کے خونی انقلاب سے ہماری داستان معلوم کرو، یہ بھی ہم نہیں کہیں گے کہ پانی پت وشاملی کے میدان سے ہمارے خون کو کھرچو، اس کا بھی ہم مطالبہ نہیں کرتے کہ جلیانوالہ باغ کے شہیدوں کے لئے تحقیقاتی کمیشن بٹھا کر حقیقت معلوم کرو، احمد نگر اور رانچی کے زندان خانوں سے بھی ہم اپنی گواہی نہیں دلوائیں گے، مالٹا کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے جو بربریت کا مظاہرہ ہوا اسے بھی سامنے نہیں لائیں گے، انبالہ کی عدالتوں میں شہادت کے سرمست دیوانوں نے انگریز جج کو چین بہ جبیں کر ڈالا، اس سے بھی ہم اپنی صفائی نہیں دینا چاہتے، کالے پانی میں ملت کے برگزیدہ افراد سے جو بیگاریں لی، خون کی قے کرائی، اس سے بھی دوسروں پر احسان نہیں رکھنا چاہتے، ہماری جائدادیں نیلام کی گئیں، ملی تشخص تباہ کیا گیا، برق وباد کے تھپیڑوں سے نبرد آزما ہونا پڑا، حوادثات کے پہاڑ راہ میں حائل کئے گئے، خونِ ناحق کے چھینٹوں اور تڑپتی لاشوں جن میں ہمارے معصوم بچے بھی تھے، بزرگ باپ تھے، عصمت وعفت کی مقدس مائیں بھی تھیں اور نو بیاہتا عورتوں کا لٹتا سہاگ بھی، ان لاشوں کے سمندر پر گزرتے ہوئے ہم یہاں پہنچے ــــ اس کا بھی ہم کسی پر احسان رکھنا نہیں چاہتے، کہ ہم نے اس ملک کے گیسوئے برہم کو ہزاروں برس تک سنوارا ہے، ہندوستان کو تہذیب وتمدن سے مالا مال کر کے ظلم وستم کے ہیکل مسمار کئے ہیں، وحشیانہ رسم ورواج کے تاروپود بکھیرے ہیں، گنگا وجمنا کو روانی وشادابی، جہلم کو حسن دیا، محبت کرنے والوں کو تاج محل عطا کیا ہے، عظمت کا قطب مینار اور پرچم لہرانے کے لئے لال قلعہ عطا کیا ہے، ہم نے ہر طرح سے اس سرزمین کو لالہ زار، جوئبار بنایا ہے، لیکن یہ کوئی احسان وفخر نہیں، یہ ہمارا عقیدہ ہے، یہ وطن سے محبت ہمارے خمیر میں پلائی گئی ہے، یہ ہمارے دل کی دھڑکن اور ضمیر کی آواز ہے، مسلمان کسی دھرتی کا خون چوسنے کے لئے نہیں آتا، بلکہ اپنے مقدس عقیدے، واضح تعلیمات اور اپنے پاکیزہ وجود کی بنا پر ملک وقوم کی خدمت کرنے کے لئے آتا ہے، ہم

کسی سے اپنی وفاداری کا سرٹیفکٹ لینا نہیں چاہتے، ہم تو سرٹیفکٹ دینے والے ہیں، ہم اپنے ملک میں رہ کر، اپنی تعلیمات اور اپنے عقیدے سے انحراف کرنے والے نہیں ہیں، ہمارا خون جگر تو یہاں کے پتے پتے، بوٹے بوٹے میں شامل ہے، اس دھرتی کے ریت کے ہر ذرے، سنگریزے، گلریزے، پھول کی پنکھڑی لہراتی فضاؤں میں ہماری محبت رچی بسی ہے، عجیب بات ہے:

جس کو ہم نے آشنا لطف تکلم سے کیا
اس حریفِ بے زباں کی گرم گفتاری بھی دیکھ

ملک کی آزادی پر چار (چھ) دہائیاں گزر گئیں، اس یومِ جمہوریہ کے موقعہ پر جب ہم احتساب کرنے بیٹھتے ہیں اور ماضی کے نقشوں میں ہندوستان کی تصویر کا رخ دیکھتے ہیں تو ہمیں ان مجاہدین کی روحوں سے شرم آنے لگتی ہے، ندامت ہوتی ہے ان قانون بنانے والوں اور اس پر دستخط کرنے والوں کی آتماؤں سے، انہیں کیا معلوم تھا کہ اس چالیس برس کے مختصر عرصہ میں اس ہندوستان پر شیطان کی حکمرانی ہوگی، ابلیس کا رقص ہوگا اور حیوانیت و بربریت، کھلے عام اپنی شیطنت وفرعونیت کا تخت بچھا کر قتل وغارت گری کی ہولی کھیلے گی، نفرت، عداوت، بدامنی، تشدد، جبر وستم اور خوں ریزی کا ماحول ہوگا، وہ بلیدان پیش کرنے والے کیا جانتے تھے کہ انسانیت کے لئے ہم اپنی جانیں نچھاور کر رہے ہیں کل ہمارے اس بلیدان کا بدلہ انسانیت کا استیصال ہوگا، آج ہم جمہوری قانون بنا رہے ہیں، کل ہمارے اس آئین کی دھجیاں بکھر دی جائیں گی، انہیں ردی کا پلندہ سمجھ کر نذرِ آتش کر دیا جائے گا، اس جمہوریت کا باغی، عدلیہ کی آزادی، خود مختاری کو چیلنج کرنے والے سپریم پاور کے پرخچے اڑانے والے اور قانون کی دھجیاں بکھیرنے والے، آج ہندوستان کے پرامن شہری، یہاں کی حکومت، انتظامی مشینری، عدلیہ، قانونی ڈھانچہ اور اکثریتی فرقہ ایسے درندہ صفت انسانوں کو، وفادار، ہندوستانی کلچر کی علامت اور باعزت ہندوستانی کا سرٹیفکٹ پیش کرتے ہیں، جو ہندوستان کے

ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے درپے ہیں، جو اس کے وقار پر بدنما داغ ہیں، جو یہاں آگ لگا کر نفرت کا الاؤ تیار کر رہے ہیں، جنہوں نے تڑپتی لاشوں، سسکتی بلکتی آہوں پر اپنا تخت سجا رکھا ہے، جنہیں معصوموں کی چیخ و پکار، بے بس انسانوں کی فریاد اور مضطرب بے خانماں لوگوں کی آنکھوں کے آنسو اور خون میں لت پت لاشوں میں لطف سرمدی ملتا ہے، وہ آج سیاہ وسفید کے مالک ہیں، وہ وفادار نہیں، ہندوستان کی قسمت ان کے ہاتھوں میں ہے، جو ہندوستان کی عظمت پر نچھاور ہو رہے ہیں، قربانیاں پیش کر رہے ہیں، بہترین صلاحیتوں سے جگر کاوی میں مصروف ہیں، ان کے ساتھ سوتیلا سلوک ہے، ان کی عزت وناموس برسرِ عام نیلام ہو رہی ہے، ان کے املاک و جائداد پر اپنا حق جتا کر دن کی روشنی میں انہیں لوٹا جا رہا ہے، انہیں دوسرے درجہ کا شہری قرار دینے کی کوشش ہو رہی ہے، جن کے ساتھ یہ ناروا سلوک ہیں جو خون میں نہا کر اور نکھر رہے ہیں، انہیں غدار، ملک دشمن اور ایجنٹ قرار دیا ہے:

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اس آزاد ہندوستان کا پورا نقشہ ہمارے سامنے ہے، غریب و پسماندہ طبقات اور خاص طور پر قوم مسلم کا جو استیصال کیا گیا ہے، انگریز کے دورِ جبر و استبداد میں ایسے لرزہ خیز مظالم کی داستاں ہمیں نہیں ملتی، محسوس نہیں ہوتا کہ یہاں انسانی قانون ہے یا وحشی قانون ہے، ساتویں صدی کی تاتاری وحشی قوم کے طوفانِ بدتمیزی سے بالکل ملا جلا نقشہ ہے، لیکن اس دورِ بربریت اور آج کل متمدن کہلانے والے زمانہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

آج کا مسلمان ایسے نازک حالات سے دوچار ہے، ایک ایسے چوراہے پر کھڑا ہے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ وہ کیا کرے، اس کے ایک طرف آگ کی گہری خندق ہے، دوسری جانب لرزتا، سمٹتا نفرت انگیز ماحول، اس کے ایک طرف خون کی

سرخ لکیر اور زر دار جھگڑوں میں اُٹھتا ہوا تعفن ہے، دوسری طرف تعصب کی لو میں جلتی ہوئی انسانیت اور ان پر منڈلاتے ہوئے حریص ولالچی گدھ، عید سعید کی بے پناہ مسرتوں میں ڈوبے ہوئے ذبح کردیئے جاتے ہیں، ہمارے بچے، لاشوں کو دفن کرکے بودیئے جاتے ہیں ان پر سرسوں کے کھیت، سروں کو نیزوں پر اچھال کر اجاڑ دیا جاتا ہے، ہمارا سہاگ، ممتا کی آغوش سے معصوم بچے کو فصیل سے ٹکرا کر خشک کردیئے جاتے ہیں، ہمارے آنسو، املاک و جائداد میں پٹرول ڈال کر انہیں تباہ کرکے تماشہ دیکھتے ہیں، ہماری بے بسی، مقدس سیتاؤں پر دست درازی کرکے امتحان لیا جاتا ہے ہماری عزت کا، حرمت و ناموس پر حملہ کرکے چیلنج کرتے ہیں ہماری حمیت کو ـــــ پاکیزہ مقامات پر صنم پرستی کی دعوت دے کر قرآن وحدیث کی عظمت کو تار تار کرکے، ہمارے قانون میں مداخلت کرکے، کوثر و تسنیم میں ڈھلے ہوئے کردار سے کھلواڑ کرکے آزمایا جاتا ہے ہمارے صبر و ایمان کو ـــــ

اے یوم جمہوریہ! آج ہم تجھ سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا تیرے نام کی حرمت کا پاس ولحاظ یہی ہے، کیا تو نے صرف نام کے قانون دیئے تھے، کیا تو نے فرقہ پرستی کی لو کو تیز تر کرنے کے لئے دفعات متعین کی تھی، کیا تو نے مسلمانوں کو قانون، ان کی عزت وحرمت کی پاسبانی صرف بھیک کے طور پر دی تھی، کیا تو نے نام نہاد قومی پریس کو جذبات کے بھڑکانے کا اختیار دیا تھا، کیا تو نے اقتدار کی ہوس رکھنے والوں کو لڑاؤ اور حکومت کرو کے طرز سے آشنا کیا تھا، اور اے جمہوریہ ! ووٹ بینک کی سیاست مقدم ہے یا تیرا دستور و قانون اور ملک کی سالمیت، ابھی تو نسل کافی تعداد میں باقی ہے جس نے تیرا احترام، تیرا تقدس دیکھا ہے ـــــ سچ بتا ـــــ اے جمہوریہ! کہ ہم نے تیرے سامنے جھولی پھیلائی تھی، تیرے سامنے کاسۂ گدائی کیا تھا؟ کہ تو نے ہمیں حقوق دیئے، تو نے برابر کا درجہ عطا کیا، پھر ان حقوق پر ڈاکہ زنی کیوں؟ اس جمہوریت کی روح فنا کیوں؟ آسام کیوں جل رہا ہے؟ پنجاب میں دہشت گردی کیوں ہے؟ ہر کشمیری بارود

کے ڈھیر پر کیوں کھڑا ہے؟ کیوں کھلواڑ ہو رہا ہے تیرے آئین سے، کیوں بغاوت ہے قانون میں دیئے گئے حقوق سے؟ اور کیوں دندناتے پھر رہے ہیں سامراجی؟ کیوں نعرہ ہے یکساں سول کوڈ کا؟ کیوں اعلان ہے ہندو راشٹر کا؟ کیوں ہے یہ ظلم و بربریت کی داستان درد والم؟ اور کیوں امتحان ہے مسلمانوں کے صبر وایمان کا؟

آج اس ننگی بربریت کے باوجود جس تحمل وصبر سے مسلمان کام لے رہا ہے اور جس قوت برداشت کا وہ اظہار کر رہا ہے، یہ ان کی فکری پرواز اور دور اندیشی کا ثبوت ہے، اس لئے کہ اسے محبت ہے ملک سے، حقوق سے، آئین اور جمہوریت سے اور سب سے بڑی بات انسانیت سے، آج بھی ہم مسلمانوں سے یہی درخواست کرتے ہیں کہ ان مٹھی بھر چند سرپھرے انسانوں کو جمہوریت کا سبق یاد دلائیں، یاد دہانی کرائیں، انہیں بتائیں کہ جمہوریت کا یہی تقاضا ہے کہ انسان انسان سے محبت کرے، عداوت و نفرت اس کے لئے سم قاتل ہے، انسانیت کا پیغام نبی ﷺ نے اور قرآن نے ہمیں دیا ہے، اس کے لئے ماحول پیدا کریں، صبر وتحمل سے کام لیں، نافرمانیوں، بدکاریوں کا سدِ باب کریں، اور عملاً ہم یہ جتادیں کہ ہمارا وجود پوری انسانیت کے لئے ضروری ہے، اور اپنی کوتاہیوں پر بھی نظر ثانی کریں، کہاں ہماری قیادت کا خلا ہے، کہاں تعلیم میں نقص ہے؟ کہاں زندگی افراتفری کا شکار ہے، کہاں معاشیات کی کمی ہے، کہاں خلوص و جدوجہد کا فقدان ہے، کہاں جذبۂ اطاعت وسرفروشی سرد پڑ رہا ہے؟ جائزہ لیں، محاسبہ کریں ـــــ اور اس یوم جمہوریہ کے موقعہ پر برادران وطن کو بھی بتلادیں کہ ہم انسانیت کے پیامبر ہیں، ہماری دعوت پوری نوع بشری کی اصلاح وفلاح ہے، ہم سینے سے جدا کرنے والے انسان نہیں، ہم سینے سے لگانے والے ہیں ـــــ لیکن اگر قیادت کی مسند پر بیٹھ کر ظلم کا کردار پنپتا رہا، درندوں کو کھلے عام چھوٹ ملتی رہی، فرقہ پرستی کی چکی میں یہ مسلمان پستا رہا، زندگی اس کے لئے اجیرن کردی گئی، اس کی کلاہِ لالہ کے نگینے ٹوٹتے رہے ـــــ تو مسلمان اپنے فرض منصبی سے پیچھے نہیں رہے گا، وہ بے حسی کا شکار اور مردہ

ضمیر نہیں رہے گا — وہ ﴿كنتم خير امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر﴾ کے تحت نہی عن المنکر کے لئے زورِ بازو صرف کرڈالے گا، اس کا اصول اس کی راہنمائی کرے گا کہ وہ زندگی جو دوسروں کے سہارے پر ہو، وہ کارواں جو دوسروں کی بیساکھی پر رواں دواں ہو، وہ روٹی کا ٹکڑا جو احساس وشعور اور خودداری وخود اعتمادی کو ختم کرڈالے، اس سے مرجانا ہی بہتر ہے:

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

مجاہدین کی قربانیاں ہمیں اسی کا درس دیتی ہیں کہ کبھی ظلم کے آگے باطل کے سامنے سرخم نہ کرنا چاہئے، ان کے واقعات ہمیں کچوکے لگاتے ہیں کہ عزم ویقین کی چمک اور حوصلہ وولولہ کی پختگی بڑے بڑے ظالم وفاتح کے اعتماد وجوش کو مات کردیتی ہے، اور مسلمانوں کی تاریخ تو اسے سرفروشانہ مجاہدین کی زندگی کا آئینہ ہے، جنہوں نے حق کی خاطر بابل ونینوا کے کھنڈرات سے ابوقبیس کے ذرات تک اور فاران کی چوٹیوں سے جبرالٹر اور بالاکوٹ کے میدان تک اپنی عظمت کا پرچم بلند کیا ہے۔

ہم زندگی کے ہر میدان میں ملک وقوم کی خدمت کرنے والے اور باطل کے آگے سینہ سپر ہونے والے ہیں، یہی ہماری تاریخ اور ہمارا اصول ہے، اور اسی عزم کے ساتھ آج بھی ہم یوم جمہوریہ کا استقبال کررہے ہیں، خدا کرے یہ سال خوشیوں کا، امن دمان کا، دلوں سے نفرت کو کھرچنے کا، ملک کی خوشحالی کا ثابت ہو، اور ہندوستان نئی تعمیر وترقی کا ایک درخشاں باب بن سکے۔

خونِ شفق کو دیکھنے والو قریب ہے
دھرتی پہ آسماں کا یہ منظر بھی آئے گا
پھوٹے گی واقعات وحقائق سے روشنی
اے تیرہ دَور نور کا لشکر بھی آئے گا

جنگِ آزادی میں جمعیۃ علماء کا کردار

خطبہ صدارت

خطیب: حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ط صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَ بَارَکَ وَسَلَّمَ. اَمَّابَعْدُ!

محترم حضرات، مہمانان ذی وقار!

میرے لئے یہ امر باعث فخر امتیاز ہے کہ آپ نے اس خاکسار کو ایک ایسی مبارک تقریب کی صدارت کی ذمہ داری تفویض فرمائی ہے جو جنگ آزادی کے عظیم مجاہد آزادی، ہندو مسلم اتحاد کے زبردست داعی اور وکیل و حامی حضرت شیخ الاسلام، مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں منعقد ہوئی ہے اور ان کے عظمت و کردار اور دینی، مذہبی اور ملی، قومی خدمات کے اعتراف میں ''روزنامہ الجمعیۃ'' نے جو تاریخی نوعیت کے حامل خصوصی نمبر شائع کیا تھا، اس کی اشاعت نو کو رسم اجراء عزت مآب جناب ڈاکٹر شنکر دیال شرما صاحب کے ہاتھوں ادا ہوگی۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمہ جہت شخصیت کی بلندی، جنگ آزادی کی جدو جہد کی قیمت، ملک و ملت کے تعلق سے ان کی خدمات

وکارنامے اور اس حوالے سے اس خصوصی اشاعت کی جو اہمیت ہے، اس کو اجاگر کرنے کے لئے اس دور کا حوالہ دوں گا، جس نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ملک کی آزادی اور برطانوی سامراج کے خلاف جہاد کے لئے آمادہ و بے قرار کر دیا تھا۔

ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد اور برطانوی سامراج کے خلاف مسلمانان ہند کی جدوجہد کے سلسلے میں سب سے پہلے نواب سراج الدولہ کا نام قابل ذکر ہے، جو ۱۷۰۰ء سے ۱۷۵۶ء تک انگریزوں کے خلاف لڑتے رہے، جنگ پلاسی میں میر جعفر کی غداری کی وجہ سے انگریزوں کو بنگال میں قدم جمانے کا موقع ملا، اگر اس واقعہ کو سامنے رکھیں تو مسلمانوں کی برطانوی سامراج کے خلاف جدوجہد کا عرصہ کم و بیش تین صدیوں کے برابر ہے، اس کا نقطہ آغاز وہ لمحہ تھا جب شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی قیادت میں وطن کے لئے حصول آزادی کی جدوجہد کا آغاز اٹھارہویں صدی کے پہلے نصف میں ہوا تھا، جس وقت یورپ کے تاجر اپنے سامراج کی بنیاد ڈالنے میں ہر سازش اور حیلے سے کام لے رہے تھے اور مغلیہ سلطنت کی بنیادیں کھوکھلی کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے، ۱۷۳۱ء میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے مکہ معظمہ میں اپنے ضمیر کی آواز سنی کہ ملک وملت کی فلاح صرف اسی صورت میں ہے کہ دور حاضر کے تمام نظام کی دھجیاں بکھیر دی جائیں اور ایک ہمہ گیر انقلاب برپا کیا جائے، جب آپ اس مقدس سفر سے واپس ہوئے تو آپ کا نصب العین سیاسی و سماجی زندگی کے ہر ایک شعبہ میں ہمہ گیر انقلاب بن چکا تھا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ضمیر نے ان کو مکہ معظمہ میں علماء کرام کی جس ذمہ داری کا احساس دلایا تھا وہ بالکل برمحل تھا، چنانچہ ۴رمئی ۱۷۹۹ء کو ملک وملت کی بقا اور آزادی کی خاطر انگریزی سامراج کا مقابلہ کرتے ہوئے سری رنگا پٹنم کے میدان کارزار میں سلطان ٹیپو شہید نے جام شہادت نوش کیا، ان کے خون میں لتھڑے جنازے کو دیکھ کر فاتح انگریزوں نے انتہائی فخر و مسرت کے ساتھ اعلان کیا کہ ’’آج

ہندوستان ہمارا ہے" اسی طرح عظیم مجاہد مولانا احمد اللہ فیض آبادی مسلسل انگریزوں کے خلاف جہاد کرتے رہے، جب (شاہ جہاں پور) ایک راجہ کے گولی مارنے سے شہید ہو گئے تو بقول ساور کر انگلستان میں یہ امر مسلمہ ہے کہ انگریز علماء کرام کے جذبہ حریت سے بہت خائف تھے، کیونکہ ایسے سانحوں سے ان کے حوصلوں میں پستی آنے کے بجائے ان کا جذبہ جہاد اور زیادہ فروزاں ہو گیا اور انہوں نے ملک کو آزاد کرانے کے لئے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔

علماء کرام کی آزادی جدوجہد کا مرحلہ وار مطالعہ کرنا ضروری ہے، علماء کرام نے ۱۸۳۱ء سے 1915ء تک صرف ۸۴ رسال کی قلیل مدت میں تلوار اور دست و بازو کا سہارا لے کر چار بار منظم مزاحمت کی جب ۱۸۰۳ء میں دہلی کے تخت و تاج کو کمزور کر کے سامراجی طاقت نے سازش سے "ایسٹ انڈیا کمپنی" کی حکومت قائم کردی اور اعلان کردیا "خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا، حکم کمپنی بہادر کا" اور یہ بات زبان زد ہو گئی کہ حکومت شاہ عالم دہلی تا پالم۔

اس اعلان کے بعد امام حریت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے جہاد کا فتوی دیا اور فرمایا کہ "آج ہمارا ملک غلام ہو گیا ہے اور غلامی کو مٹانا اور حصول آزادی کے لئے جدوجہد کرنا ہمارا فریضہ ہے"

بذریعہ اسلحہ ملک کو آزاد کرانے کے لئے علماء کرام کا پہلا اہم دور جس کی قیادت سید احمد شہیدؒ رائے بریلوی نے کی، انہوں نے ۱۸۱۸ء سے ۱۸۳۱ء تک ملک کے طول وعرض کا دورہ کیا اور چند سالوں کے اندر ملک میں ہر طرف آزادی کی آگ لگادی، پھر ۱۸۲۴ء میں سرحد کے اطراف میں مورچہ لگا کر چھ سال تک پوری جواں مردی کے ساتھ انگریزوں اور ان کے ہم نواؤں کے ساتھ ٹکر لیتے رہے، امیر علی خاں اور جسونت راؤ ہولکر کی فوجوں کے ساتھ مل کر ۱۰ رجنوری ۱۸۲۷ء کو مقبوضہ علاقے میں آزاد عارضی حکومت حضرت سید احمد شہیدؒ کی امارت میں قائم ہوئی تھی۔

۷؍مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ کے معرکہ کارزار میں مولانا سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسماعیل شہیدؒ دہلوی نے شہادت کا رتبہ بلند حاصل کیا ان کی جماعت کے بقیہ مجاہدین ۱۸۷۱ء تک سرحدی علاقوں میں سربکف رہے ان کے جذبہ ایثار وقربانی نے ایوان اقتدار کو لرزہ براندام کررکھا تھا، دوسری طرف اسی جماعت کے دیگر افراد پورے ملک میں بغاوت کی لہر پیدا کرنے میں مصروف تھے۔

اس لہر کو طوفان اور اس چنگاری کو شعلہ بننے میں زیادہ دیر نہیں لگی، دہلی کے ۳۴؍علماء کرام نے جہاد کا فتوی دیکر مجاہدین کے لئے راہ عمل متعین کردی، ہر طرف بغاوت کا سیلاب امنڈنے لگا، حضرت حاجی امداد اللہ مکیؒ کی قیادت میں اکابر علماء حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حافظ ضامن شہیدؒ اور ان کے رفقا کار نے جرأت اور شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شاملی پر قبضہ کرلیا۔

۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کی تاریخ اگر مجاہدین کی سرفروشانہ جدوجہد کی روئداد ہے تو اس کے ساتھ ساتھ برطانوی سامراج کی سنگ دلانہ بربریت اور ان کے وحشیانہ مظالم کا ایسا گھناؤنا ریکارڈ ہے جسے پڑھ کر انسانیت شرم سے سر جھکالیتی ہے۔

نواب محمود خاں نے نجیب آباد سے بڑھ کر پورے ضلع بجنور پر قبضہ کرلیا تھا، بدقسمتی سے سید احمد خاں اور دوسرے لوگوں نے انگریزوں کی مدد کی، انگریزوں کے دوبارہ قبضہ کے بعد ۲۵-۲۵ کو قطار میں کھڑا کرکے توپ داغ دیتے تھے، مظلومین کے چیتھڑے اڑجاتے تھے اس طرح ہزاروں کو قتل کیا گیا، انگریزی فوج نے دیوبند جاتے ہوئے تین دیہاتوں کے ۷؍یا ۱۹؍افراد کو گولی مار کر ہلاک کیا، دیوبند پہنچ کر انگریزوں ۴۵؍ شہریوں کو گرفتار کرکے ایک آم کے درخت پر لٹکا کر سب کو پھانسی دیدی، بریلی میں جہاں حافظ رحمت خاں کے روہیلوں کی حکومت تھی، روہیلوں نے بھی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لیا اور بغاوت کی ناکامی کے بعد وہاں بھی ہزارہا مسلمانوں کا قتل عام ہوا، لکھنؤ میں اودھ کے نوابوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا، حسن پور ضلع مرادآباد کے نواب کو

زندہ جلادیا گیا، پورے ملک میں لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام ہوا، جن میں رؤسا اور نوابین بھی شامل تھے، جنہوں نے ملک سے غداری کی ان کو ریاستیں ملیں اور وہ نواب بنائے گئے، یہ بھی حقیقت ہے کہ بہت سی جگہوں پر وطن پرست غیر مسلموں کو بھی اسی طرح برباد کیا گیا لیکن ایک عام تخمینے کے مطابق حب الوطنی کے پاداش میں سزا اور نقصان اُٹھانے والوں میں نوے فیصدی حصہ مسلمانوں کا تھا اور دس فیصدی غیر مسلم برادران وطن تھے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد انگریز حاکموں کی نگاہوں میں سب سے زیادہ معتوب علماء کرام کی جماعت تھی، یہاں تک کہ مولویت بغاوت کے ہم معنی قرار دیدی گئی تھی، ہر وہ شخص جو مولویانہ وضع رکھتا تھا وہ مشتبہ ہی نہیں بلکہ مجرم سمجھا جاتا تھا، ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے یہ حکم صادر کردیا گیا تھا کہ جو داڑھی اور لمبے کرتے والا ملے اسے تختہ دار پر چڑھادیا جائے، چنانچہ پورے ملک میں پندرہ دنوں تک اسی طرح لوگوں کے قتل اور پھانسی کا سلسلہ جاری رہا، تقریباً دولاکھ مسلمان شہید ہوئے جن میں ساڑھے اکیاون ہزار علماء تھے، ایک انگریز کی شہادت ہے کہ صرف دہلی میں پانچ سو علماء کرام کو تختہ دار پر لٹکایا گیا، اس ظلم وتشدد کے باوجود علماء کرام کا جذبہ حریت فنا نہیں ہوا اور انہوں نے کسی نہ کسی طرح ملک کی آزادی کے لئے جدوجہد کا سلسلہ جاری رکھا، ۱۸۶۱ء تک انبالہ راج محل اور مالدہ میں پانچ بڑے سنگین مقدمے چلائے گئے جن میں نامزد انیس افراد میں اکثر وبیشتر علماء تھے، ان مقدمات میں بلا استثنیٰ سب کو پھانسی کی سزا دی گئی یا ساری عمر کے لئے کالے پانی بھیج دیا گیا۔

معزز سامعین! آزادی کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ دین کے محافظوں کی ضرورت بھی سامنے تھی، دین کے تحفظ اور آزادی کے مجاہدین کے نئے کارواں کی سالاری کے لئے ۳۰ رمئی ۱۸۶۷ء کو مجاہدین ۱۸۵۷ء نے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی اس کے بانیوں میں مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حاجی عابد حسینؒ اور ان کے

رفقاء کار تھے اس مدرسے نے ہزاروں ایسے مجاہدین حریت کو میدان میں اُتارا جنہوں نے تحریک آزادی میں آگے بڑھ کر حصہ لیا اور اس کے ساتھ ساتھ مسیحی مشنیریوں کی یلغار سے مسلمانوں کے عقائد اور کردار کی حفاظت بھی کی، یہ مقام شکر واطمینان ہے کہ علوم اسلامیہ کی اس عالمی معیار کی درسگاہ میں نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ہند کے ہزاروں علماء کرام کو اپنے دین متین کی خدمت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے حقوق کی مدافعت کے لئے بھی سینہ سپر بنایا، دارالعلوم کے بانی یہ شعور رکھتے تھے کہ اسلامی عقائد و شعار کی مدافعت کے لئے ملک کا بیرونی سامراجی طاقت سے آزاد ہونا ضروری ہے، اس لئے اس درسگاہ نے ملک کی آزادی کے لئے ہزاروں مجاہدین حریت کی تربیت کا فریضہ بھی انجام دیا ہے۔

جمعیۃ علماء کے قیام ۱۸۷۱ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے اپنے استاذ مولانا قاسم نانوتویؒ کے مشورے سے ثمرۃ التربیہ کے نام مدرسہ کو چندہ دینے والوں کی ایک تنظیم قائم کی، لیکن اس انجمن کا مقصد صرف چندہ جمع کرنا تھا بلکہ اس میں شامل افراد کو ملک کی آزادی کی جدوجہد کے لئے تیار کرنا تھا، یہ مشہور تحریک ''ریشمی رومال'' کی پہلی کڑی تھی، اس انجمن کے ابتدائی اراکین انیس تھے جو حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے شاگرد تھے۔

دارالعلوم کے قیام کے اٹھارہ سال بعد ۱۸۸۵ء میں آئینی اصلاحات کا مطالبہ لے کرانڈین نیشنل کانگریس کا قیام عمل میں آیا، ملک کی آزادی کے لئے ایک وسیع تر محاذ کی تشکیل کے لئے علماء کرام نے اس تنظیم کا خیر مقدم کیا اور تین سال بعد ۱۸۸۸ء میں تین سو سے زائد علماء کرام نے حصول آزادی کے لئے کانگریس میں شامل ہونے کا فتوی دیا جو ''نصرت الابرار'' کے نام سے چھپتا رہا۔

علماء کرام اپنے طور پر ملک کی آزادی کے لئے منصوبوں کی تشکیل کے لئے مصروف تھے، ۱۹۰۹ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے اس مقصد کے لئے ایک تنظیم

''جمعیۃ الانصار'' قائم کی، جس کے پہلے ناظم مولانا عبیداللہ سندھیؒ منتخب ہوئے، تقریباً دو سال کی تیاری کے بعد اس تنظیم کا پہلا اجلاس موتمر الانصار مرادآباد میں زیر صدارت تلمذ نانوتویؒ مولانا احمد حسن امروہیؒ ہوا، یہ تنظیم اس تحریک کا حصہ تھی جس نے انگریزی سامراج کو مٹانے کا منصوبہ بنایا تھا اور تیس برسوں سے خفیہ کام کر رہی تھی، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے مسلسل چالیس برس خفیہ تیاری کے بعد ۱۹۱۵ء میں برطانوی سامراج کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے جو منصوبہ بنایا تھا اس کے تحت اندرون ملک بغاوت اور بیرون ملک سے حملوں کا پروگرام تھا، اس کے لئے ۱۹ر فروری کی تاریخ مقرر کی گئی تھی، جنگ کی تیاری کے لئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو کابل بھیجا گیا تھا، جو ۱۰ر اکتوبر ۱۹۱۵ء کو کابل پہنچے وہاں یکم دسمبر ۱۹۱۵ء کو ہی آزاد حکومت ہند کا قیام عمل میں آیا، جس کے صدر ''راجہ مہندر پرتاپ'' بنائے گئے، یہ فیصلہ علماء کرام کے اپنے ہم وطنوں کے لئے خلوص اور نیک نیتی کا واضح ثبوت ہے کہ وہ ملک کو آزاد کر کے صرف مسلمانوں کی حکومت نہیں قائم کرنا چاہتے تھے بلکہ اپنے ہم وطنون کو ان کا جائز مقام دینا چاہتے تھے، اس حکومت نے اپنے نمائندے ترکی، روس اور جاپان بھیجے، دوسری طرف خود مولانا محمود حسن دیوبندیؒ ۱۸ر دسمبر ۱۹۱۵ء کو حجاز کے لئے روانہ ہو گئے اور وہاں آپ نے غالب پاشا اور انور پاشا سے معاہدے کئے مگر بدقسمتی سے تحریک کا راز فاش ہو گیا اور تحریک کے دوسو تیئس ذمہ داروں کو ملک کے طول وعرض سے گرفتار کر لیا گیا اور ان کے خلاف بغاوت کی سازش کے مقدمے دائر کئے گئے اور حضرت شیخ الہند اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور ان کے رفقاء کرام کو حجاز سے گرفتار کر کے مالٹا زندان خانے میں ڈال دیا گیا جہاں سے ۱۹۲۰ء میں ان کی رہائی عمل میں آئی، یہ وہ تحریک ہے جو ریشمی رومال تحریک کے نام سے معروف ومشہور ہے اور جس میں ملک کے تمام نامور سیاسی لیڈر شریک تھے اس حوالے سے ڈاکٹر انصاری، مولانا آزاد، پیر غلام مجدد صاحب، خاں عبدالغفار فقیر اے پی، مولانا سیف الرحمٰن وغیرہ کے نام قابل ذکرہ ہیں۔

معزز حاضرین! ریشمی رومال تحریک کی ناکامی سے علماء کرام مایوس اور بددل نہ ہوئے اور انہوں نے ملک کی آزادی کے لئے نیا طریقہ اور جدوجہد کا نیا پروگرام وضع کرنے کی فکر کی، ریشمی رومال تحریک کی ناکامی میں ان کو یہ احساس دلایا تھا کہ ملک کی آزادی صرف بیرونی امداد کے ذریعہ ممکن نہیں ہے، آئندہ جدوجہد کے لئے انہوں نے اپنے ہم وطنوں کا اشتراک اور تعاون ملک کی آزادی کے لئے ضروری سمجھا، ۱۸۸۸ء میں ملک کے مقتدر علماء حصول آزادی کے لئے کانگریس میں شمولیت کی حمایت کر چکے تھے، اس لئے راہ ہموار ہو چکی تھی، علماء ملت نے مشترک جدوجہد کے اصول کو تسلیم کرنے اور کانگریس میں شریک ہونے کے ساتھ ایک ایسی جماعت کے وجود کو ضروری سمجھا جس کا نصب العین اسلامی عقائد، روایات اور نظام زندگی کا تحفظ ہو اور جو مشترک جماعت کے لائحہ عمل اور تجاویز دینی شعور کی روشنی میں غور وخوض کر کے مذہبی اصول اور احکام کے بموجب مسلمانوں کی رہنمائی کرتی رہے اور ان کی قیادت اور امامت کے مذہبی اور سیاسی فرائض انجام دیتی رہے چنانچہ نومبر ۱۹۱۹ء میں خلافت کانفرنس کے موقع پر انقلابی علماء کرام نے جمعیۃ علماء ہند کے نام سے ایک باضابطہ دستوری جماعت قائم کی جس کے پہلے صدر مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ شاہ جہاں پوری ثم دہلوی منتخب ہوئے، اس تنظیم کا قیام علماء کرام کی انقلابی تحریک کا ایک فیصلہ کن موڑ تھا اب مسلح انقلاب کی راہ ترک کر کے عدم تشدد اور اہنسا کا راستہ اختیار کیا گیا اس بار علماء کرام کی دور اندیشی اور بصیرت کارگر ثابت ہوئی اور اسی راہ عمل پر چل کر ملک آزادی کی منزل تک پہنچا۔

۸؍جون ۱۹۲۰ء کو شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ تین برس سات مہینے کے بعد مالٹا سے بمبئی لا کر رہا کئے گئے، ان کے ساتھ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا عزیز گلؒ اور مولانا وحید احمدؒ بھی مالٹا سے واپس آئے، ممبئی میں ان کا استقبال کرنے والوں میں ہزاروں عقیدت مندوں کے ساتھ مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ اور گاندھی جی بھی موجود تھے، شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء کار کے وطن لوٹنے سے ملک کی تحریک آزادی میں ایک نیا

جوش اور نیا ولولہ پیدا ہوا۔

علماء کرام نے مشترک لیڈر، مشترک پلیٹ فارم کو مشترک تحریک کی بنیاد قرار دیا، مولانا شیخ الہندؒ نے نوجوان بیرسٹر موہن داس کرم چند گاندھی کا نام مشترک لیڈر کی حیثیت سے پیش کیا، اور جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں صدر مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ نے اعلان کیا کہ مسٹر گاندھی کو مہاتما گاندھی کے نام سے پکارا جائے گا، علماء کرام کے اس فیصلے کے مطابق برسوں تک گاندھی جی کے پورے ملک میں دورے کی کفالت صرف مسلمانوں کے فنڈ سے ہوتی تھی۔

اور نہ صرف یہ، بلکہ علماء کرام، مسلمانان ہند اور جمعیۃ علماء ہند نے ہر جگہ جدو جہد آزادی کے تابندہ نقوش چھوڑے ہیں۔

جمعیۃ علماء ہند، خلافت کمیٹی اور انڈین نیشنل کانگریس کے جلسے مشترک تاریخوں میں ایک شہر ایک میدان میں ہوا کرتے تھے، انڈین نیشنل کانگریس اور جمعیۃ علماء ہند کے لیڈروں کے درمیان مشترک مسائل اور موضوعات پر تبادلہ خیال بھی اس روایت کا حصہ تھا۔

۱۹ر جولائی ۱۹۲۰ء کو شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے ترک موالات کا فتویٰ دیا جس کو بعد میں ابوالمحاسن مولانا محمد سجاد بہاریؒ نے مرتب کر کے جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے چار سو چوراسی علماء کے دستخطوں کے ساتھ شائع کیا۔

ترک موالات یا حکومت برطانوی سے عدم تعاون کی تحریک ۳۱ر اگست ۱۹۲۰ء سے شروع ہوئی جو ۵ر فروری ۱۹۲۲ء کو چوراچوری کے بھیانک واقعہ کے بعد گاندھی جی کی تجویز کے مطابق بند کر دی گئی، اس تحریک میں تیس ہزار افراد جیل گئے، جن میں زیادہ تعداد علماء کرام اور مسلم مجاہدین حریت کی تھی، جمعیۃ علماء ہند اس سے پہلے اپنے ساتویں اجلاس منعقدہ ۱۱ر تا ۱۴ر مارچ ۱۹۲۶ء میں بمقام کلکتہ زیر صدارت علامہ سید سلیمان ندویؒ مکمل آزادی کی تجویز منظور کر چکی تھی۔

۱۹۲۹ء میں گاندھی جی کے ڈانڈی مارچ اور ان کی نمک سازی کی تحریک میں دس

دیگر قومی کارکنوں کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند کے اکابر مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا سید فخر الدینؒ، مولانا سید محمد میاںؒ اور مولانا بشیر احمد بھٹا وغیرہ بھی گرفتار ہوئے۔

۱۹۳۰ء کی سول نافرمانی تحریک میں جمعیۃ علماء ہند کے صدر مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی اور ناظم اعلیٰ مولانا احمد سعید دہلویؒ کو قانون تحفظ عامہ و بغاوت کے جرم میں گرفتار کر کے قید بامشقت کی سزا دی گئی۔

۱۹۳۹ء میں جب دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو جمعیۃ علماء ہند نے اعلان کیا کہ جنگ کے سلسلے میں ہم کسی طرح تعاون نہیں کریں گے، جمعیۃ علماء ہند نے فوج میں جبری بھرتی کی پرزور مخالفت کی، ۱۹۴۰ء کی دوسری جنگ عظیم میں تعاون نہ دینے اور جبری بھرتی کی مخالفت کرنے کی وجہ سے جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کرلیا گیا، ان میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا شاہد میاں فاخریؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، اور متعدد علماء کرام شامل تھے۔

موقر سامعین کرام! جس تاریخ ساز شخصیت حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کی یاد میں یہ تقریب سعید منعقد ہوئی ہے اس نے وطن کی آزادی اور ملک وملت کی جو خدمات انجام دی ہیں، انہیں کوئی بھی انصاف پسند مؤرخ نظر انداز نہیں کرسکتا ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہوش سنبھالتے ہی اپنی طاقت واستطاعت کے مطابق انگریزوں کے خلاف تحریکوں میں شریک ہونے لگے تھے اور ان کے لئے ہر آنے والا دن ایک نیا ولولہ اور جوش جہاد لے کر آتا تھا، یہی وجہ ہے کہ بعد کے دنوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ مشرق کی آزادی خصوصاً ہندوستان کو انگریزوں کے پنجۂ استبداد سے آزاد کرانا آپؒ کا ایک عظیم مقصد بن گیا، مدینہ منورہ کی تدریس حدیث پاک کے دوران حدیث کے رموز ومعارف کے ساتھ ساتھ طلبہ کو تحریک آزادی میں حصہ لینے کے لئے بھی ابھارتے تھے۔

الجزائر میں استعماری طاقتوں کے خلاف جدوجہد کرنے والے اولین مجاہدین اور سربراہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی کے تلامذہ تھے، محمود البشیر الابراہیمی، عبد الحمید بادیس

کے اسماء گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں، ان دونوں کو الجزائر میں وہی حیثیت حاصل ہے جو ہندوستان میں گاندھی جی اور جواہر لال نہرو کو حاصل ہے، ان دونوں نے ۱۹۳۱ء میں جمعیۃ علماء الجزائر قائم کر کے اس کے پلیٹ فارم سے آزادی وطن کے لئے جدوجہد شروع کی، جس میں دس لاکھ افراد شہید ہوئے، جس کے نتیجے میں الجزائر کو آزادی نصیب ہوئی۔

معزز حاضرین! حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی قیمتی زندگی کے گیارہ سال قید فرنگ میں گزرے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ساتھ مالٹا میں اسارت کے سال بھی شامل ہیں، آپ نے کراچی کی عدالت میں جو جرأت مندانہ بیان دیا تھا، اسے تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کر لیا ہے، ۸؍جولائی ۱۹۲۱ء کو کراچی میں خلافت اجلاس میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ نے پوری قوت کے ساتھ صاف لفظوں میں یہ اعلان کیا "حکومت برطانیہ کی اعانت اور ملازمت حرام ہے" اس جرأت حق گوئی کی پاداش میں کراچی کا مشہور مقدمہ چلا جس میں آپ کے ساتھ مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا نثار احمد جگت گورو شنکر آچاریہ کا کا کالے کر رام داس کو دو دو سال قید بامشقت کی سزا ہوئی، ۸؍اگست ۱۹۲۱ء کو جمعیۃ علماء ہند کا شائع کردہ ترک موالات کا فتوی ضبط کر لیا گیا لیکن جمعیۃ علماء ہند خلاف قانون اس فتوی کو بار بار شائع کرتی رہی۔

۱۱؍مارچ ۱۹۳۱ء کو جمعیۃ علماء ہند کے پہلے ڈکٹیٹر مفتی اعظم مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی ایک لاکھ افراد کا جلوس لے کر نکلے اور گرفتار کئے گئے، جمعیۃ علماء ہند کے دوسرے ڈکٹیٹر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کو دیوبند سے دہلی آتے ہوئے راستے میں گرفتار کر لیا گیا، اس کے بعد سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا سید محمد میاںؒ دیوبندی اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ڈکٹیٹر منتخب ہوتے رہے اور گرفتاریاں دیتے رہے تحریک میں تقریباً تیس ہزار مسلمان گرفتار کئے گئے، ۱۹۳۵ء میں حکومت ہند کا جو دستور بنایا گیا تھا اس سلسلے میں مسلمانوں کے مذہبی

مسائل کے تصفیہ کے لئے جمعیۃ علماء ہند نے ایک فارمولا پیش کیا تھا، جو مجلس عاملہ کی میٹنگ منعقدہ ۳۱/اگست ۱۹۳۱ء میں مرتب و منظور ہوا تھا، یہ مدنی فارمولہ کے نام سے معروف ہے، اگر اس فارمولہ کے مطابق دستور بنایا جاتا تو بڑی حد تک مسلمانوں کی مشکلات دور ہو جاتیں اور ملک کا بٹوارہ نہ ہوتا، بہرحال گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے ذریعہ جو مراعات حاصل ہوئی وہ اسی فارمولے کے مطابق تھیں۔

ملک کی تحریک آزادی کی طاقت، وسعت اور اس کے بڑھتے ہوئے اثر کے پیش نظر برطانوی حکمراں اسے کمزور کرنے کی سازشوں میں پوری طرح مصروف تھے اور ان کی سازشوں کو اس بات سے تقویت مل رہی تھی کہ مسلم لیگ اور ہندو مہاسبھا کی طرف سے مذہب پر مبنی قومیت کے تصورات پیش کئے جا رہے تھے، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے اس سامراجی سازش کا سنجیدگی اور گہرائی سے جائزہ لیا اور برطانوی سامراج کے خلاف محاذ آرائی کے لئے بلاتفریق مذہب وملت ہندوستانیوں کے لئے متحدہ قومیت کی وکالت کی اور اس کو قرآن وحدیث سے ثابت کیا، یہ انقلابی نظریہ آزاد ہندوستان کے سیکولر اور جمہوری آئین کا پیش رو کہا جا سکتا ہے۔

بچھرایوں میں ۲۳/تا ۲۵/اپریل ۱۹۴۲ء کو جمعیۃ علماء ہند کی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نے اپنی تقریر میں پوری قوت کے ساتھ آزادی کے مسئلے کو اُٹھایا، جس کی پاداش میں ۲۴/جون ۱۹۴۲ء کو اس وقت گرفتار کر لیا گیا جب حضرت اتحاد کانفرنس پنجاب میں شرکت کے لئے جا رہے تھے، جب ۴/جنوری ۱۹۴۳ء کو چھ مہینے کی سزا پوری ہوگئی تو جیل ہی میں ڈیفنس آف انڈیا رولس کی دفعہ ۲۴/ کا نوٹس تعمیل کرا کے غیر محدود عرصہ کے لئے نظر بند کر دیا گیا، ۲۶/اگست ۱۹۴۴ء کو آپ نینی جیل الٰہ آباد سے بلاشرط رہا کر دیئے گئے، ان کی نظر بندی کے دوران ۵/اگست ۱۹۴۲ء کو جمعیۃ علماء ہند کے مجلس عاملہ کے چار مقتدر ارکان مفتی مولانا کفایت اللہ، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ، مولانا عبدالحلیم صدیقیؒ کے

دستخطوں سے ایک اخباری بیان جاری کیا گیا جس میں کھلے لفظوں میں کہا گیا تھا کہ انگریزو ہندوستان چھوڑو۔ اس کے بعد ۸ اگست ۱۹۴۲ء کو کانگریس نے اپنے اجلاس بمبئی میں (Quit India) کوئٹ انڈیا یعنی ہندوستان چھوڑو کی قرارداد پاس کی، جس کی پاداش میں کانگریس اور جمعیۃ علماء ہند کے رہنما اور ہزاروں کارکن گرفتار ہوئے، ان میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰنؒ، مولانا سید محمد میاںؒ، مولانا نورالدین بہاریؒ وغیرہ نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ پہلے ہی گرفتار ہو چکے تھے۔

جیلوں سے باہر آنے کے بعد علماء کرام کی دور بین نظروں نے مسلمانوں کے مستقبل پر تقسیم ہند کے مطالبے کے مضر اثرات کو دیکھ لیا اسی لئے جمعیۃ علماء ہند نے قیام پاکستان کے مطالبے کی پوری قوت کے ساتھ مخالفت شروع کی اور مسلم فرقہ پرستی کا انتہائی حوصلہ مندی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا اور ناعاقبت اندیش لوگوں کے ہاتھوں جمعیۃ علماء ہند کے اکابر بالخصوص مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ اور ان کے رفقائے کار کو مسلم لیگیوں کی چیرہ دستیوں کا مقابلہ کرنا پڑا، لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری، ہر طرح کے مصائب و آلام کا جرأت و تحمل سے مقابلہ کیا اور ملک کو انگریزوں کے چنگل سے آزاد کرا کر ہی دم لیا، اور جب ملک آزاد ہو گیا تو انہوں نے اپنی جدوجہد کا کوئی صلہ نہیں طلب کیا، یہ تاریخ میں نادر مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔

موجودہ حالات میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ نئی نسل کے سامنے ملک اور معماران ملک کی صحیح تصویر و تاریخ رکھی جائے، اس کے بغیر فرقہ پرستوں کی غلط ذہنیت پر مبنی تاریخ میں کی جانے والی تحریف کو روکا نہیں جا سکتا ہے، ہمارے اسلاف کے نقوش قدم اور قربانیاں ہم سے سوال کرتی ہیں کہ کیا ہم میں خوبصورت ہندوستان کی خوبصورت تاریخ کے تحفظ کی اہلیت و قابلیت ہے؟

اللہ رب العزت سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمارے عزم و ارادے میں بلندی اور

استقامت عطا فرمائے، آمین۔

ایک تاریخی تقریر

خطیب: مولانا ابوالکلام آزادؒ

قیام پاکستان کے بعد حضرت مولانا نے اکتوبر ۱۹۴۷ء میں ہندوستانی مسلمانوں کے ایک عظیم الشان اجتماع کو جامع مسجد دہلی میں خطاب فرمایا۔ یہ تقریر خطابت کا بے نظیر شاہکار ہے۔

عزیزان گرامی! آپ جانتے ہیں کہ وہ کونسی زنجیر ہے جو مجھے یہاں لے آئی ہے میرے لئے شاہ جہاں کی اس یادگار مسجد میں یہ اجتماع نیا نہیں ہے۔ میں نے اس زمانے میں بھی کہ اس پر لیل ونہار کی بہت سی گردشیں بیت چکی ہیں تمہیں یہیں خطاب کیا تھا، جب تمہارے چہروں پر اضمحلال کے بجائے اطمینان اور تمہارے دلوں میں شک کے بجائے اعتماد تھا، آج تمہارے چہروں کا اضطراب اور دلوں کی ویرانی دیکھتا ہوں تو مجھے بے اختیار پچھلے چند سالوں کی بھولی بسری کہانیاں یاد آجاتی ہیں۔

تمہیں یاد ہے میں نے تمہیں یہیں سے پکارا، اور تم نے میری زبان کاٹ لی، میں نے قلم اٹھایا اور تم نے میرے ہاتھ قلم کر لئے، میں نے چلنا چاہا تم نے میرے پاؤں کاٹ دئے۔ میں نے کروٹ لینی چاہی اور تم نے میری کمر توڑ دی، حتی کہ پچھلے سات سال کی تلخ نوا سیاست ’’ جو تمہیں آج داغ جدائی دے گئی ہے۔ اس کے عہد شباب میں بھی میں نے تمہیں خطرے کی ہر شاہراہ پر جھنجوڑا، لیکن تم نے میری صدا سے نہ صرف اعراض کیا، بلکہ غفلت و انکار کی ساری سنتیں تازہ کردیں۔ نتیجہ معلوم کہ آج ان ہی

خطروں نے تمہیں گھیر لیا ہے، جن کا اندیشہ تمہیں صراط مستقیم سے دور لے گیا تھا۔

سچ پوچھو تو اب میں ایک جمود ہوں یا ایک دور افتادہ صدا، جس نے وطن میں رہ کر غریب الوطنی کی زندگی گذاری ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو مقام میں نے پہلے دن اپنے لئے چن لیا تھا وہاں میرے بال و پر کاٹ لئے ہیں یا میرے آشیانے کے لئے جگہ نہیں رہی، بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میرے دامن کو تمہاری دست درازیوں سے گلہ ہے، میرا احساس زخمی ہے، اور میرے دل کو صدمہ ہے سوچو تو سہی تم نے کونسی راہ اختیار کی۔ کہاں پہنچے اور اب کہاں کھڑے ہو؟ کیا یہ خوف کی زندگی نہیں؟ اور کیا تمہارے حواس میں اختلال نہیں آ گیا، یہ خوف تم نے خود فراہم کیا ہے، یہ تمہارے اپنے ہی اعمال کے پھل ہیں۔ ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں بتیا جب میں نے تمہیں کہا تھا کہ ڈر قوموں کی حیات معنوی کے لئے مرض الموت کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کو چھوڑ دو۔ یہ ستون جن پر تم نے بھروسہ کیا ہوا ہے۔ نہایت تیزی سے ٹوٹ رہے ہیں۔ لیکن تم نے سنی اور ان سنی برابر کر دی۔ اور یہ نہ سوچا کہ وقت اور اس کی رفتار رے لئے اپنا ضابطہ تبدیل نہیں کر سکتے۔ وقت کی رفتار تھمی نہیں۔

تم دیکھ رہے ہو کہ جن سہاروں پر تمہارا بھروسہ تھا وہ تمہیں لاوارث سمجھ کر تقدیر کے حوالے کر گئے ہیں۔ وہ تقدیر جو تمہارے دماغی لغت میں مشیت کی منشاء سے مختلف مفہوم رکھتی ہے۔ یعنی تمہارے نزدیک فقدان ہمت کا نام تقدیر ہے۔

انگریز کی بساط تمہاری خواہش کے خلاف الٹ دی گئی۔ اور راہ نمائی کے وہ بت جو تم نے وضع کئے تھے وہ بھی دغا دے گئے، حالانکہ تم نے یہی سمجھا تھا۔ کہ یہ بساط ہمیشہ کے لئے بچھائی گئی ہے۔ اور ان ہی بتوں کی پوجا ئیں تمہاری زندگی ہے۔

میں تمہارے زخموں کو کریدنا نہیں چاہتا۔ اور تمہارے اضطراب میں مزید اضافہ میری خواہش نہیں لیکن اگر کچھ دور ماضی کی طرف پلٹ جاؤ تو تمہارے لئے بہت سی گرہیں کھل سکتی ہیں۔

ایک وقت تھا میں نے ہندوستان کی آزادی کے حصول کا احساس دلاتے ہوئے تمہیں پکارا تھا اور کہا تھا۔ جو ہونے والا ہے، اس کو کوئی قوم اپنی نحوست سے نہیں روک سکتی۔ ہندوستان کی تقدیر میں بھی سیاسی انقلاب لکھا جا چکا ہے۔ اور اس کی غلامانہ زنجیریں بیسویں صدی کی ہوائے حریت سے کٹ کر گرنے والی ہیں، اگر تم نے وقت کے پہلو بہ پہلو قدم اٹھانے سے پہلوتہی کی، اور تعطلی کی موجودہ زندگی کو اپنا شعار بنائے رکھا تو مستقبل کا مؤرخ لکھے گا کہ:

"تمہارے گروہ نے جو سات کروڑ انسانوں کا ایک غول تھا ملک کی آزادی کے بارے میں وہ رویہ اختیار کیا جو صفحۂ ہستی سے محو ہو جانے والی قوموں کا شیوا ہوا کرتا ہے"

اور آج ہندوستان آزاد ہے، اور تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ وہ سامنے لال قلعہ کی دیوار پر آزاد ہندوستان کا جھنڈا اپنے پورے شکوہ سے لہرا رہا ہے۔

یہ وہی جھنڈا ہے، جس کی اڑانوں سے حاکمانہ غرور کے آزار قہقہے تمسخر کیا کرتے تھے۔

یہ ٹھیک ہے کہ وقت نے تمہاری خواہشوں کے مطابق کروٹ لی، بلکہ اس نے ایک قوم کے پیدائیشی حق کے احترام میں کروٹ بدلی ہے اور یہی وہ انقلاب ہے جس کی ایک کروٹ نے تمھیں بہت حد تک خوفزدہ کر دیا ہے، تم خیال کرتے ہو کہ تم سے کوئی اچھی شے چھین گئی، اور اس کی جگہ بُری شے آگئی ہے۔

ہاں تمہاری بے قراری اس لئے ہے کہ تم نے اپنے تئیں اچھی شے کے لئے تیار نہیں کیا تھا۔ اور بری شے ہی کو ملجاو ماوی سمجھ رکھا تھا۔ میری مراد غیر ملکی غلامی سے ہے۔ جس کے ہاتھوں تم نے مدتوں حاکمانہ طمع کا کھلونا بن کر زندگی بسر کی ہے، ایک دن تھا جب تم کسی جنگ کے آغاز کی فکر میں تھے اور آج اس جنگ کے انجام سے مضطرب ہو۔ آخر تمہاری اس عجلت پر کیا کہوں کہ ادھر ابھی سفر کی جستجو ختم نہیں ہوئی اور ادھر گمراہی کا خطرہ بھی پیش آگیا ہے۔

میرے بھائی! میں نے ہمیشہ سیاست کو ذاتیات سے الگ رکھنے کی کوشش کی ہے۔اور کبھی اس پر خارداری میں قدم نہیں رکھا یہی وجہ ہے کہ میری بہت سی باتیں کنایوں کا پہلو لئے ہوتی ہیں۔لیکن آج مجھے جو کہنا ہے میں اسے بے روک ہو کر کہنا چاہتا ہوں۔

مذہبی اختلافات کو جس ڈھب سے ہوادی گئی۔اس کا لازمی نتیجہ یہی آثار ومظاہر تھے جو ہم نے اپنی آنکھوں دیکھے اور بدقسمتی سے بعض مقامات پر ابھی تک ہو رہے ہیں۔

پچھلے سات برس کی روداد دہرانے سے کوئی خاص فائدہ نہیں اور نہ اس سے کوئی اچھا نتیجہ نکل سکتا ہے۔البتہ ہندوستان کے مسلمانوں پر مصیبتوں کا جو ریلا آیا ہے۔وہ یقیناً مسلم لیگ کی غلط قیادت کی فاش غلطیوں لا بدیہی نتیجہ ہے۔یہ سب کچھ مسلم لیگ کے لئے تو موجب حیرت ہو سکتا ہے۔لیکن میرے لئے اس میں کوئی نئی بات نہیں۔ میں پہلے دن ہی سے ان نتائج پر نظر رکھتا تھا۔

اب ہندوستان کی سیاست کا رخ بدل چکا ہے۔

اب یہ ہمارے اپنے دماغوں پر منحصر ہے کہ ہم کسی اچھے انداز فکر میں سوچ سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی خیال سے میں نے نومبر کے دوسرے ہفتے میں ہندوستان کے مسلمان رہنماؤں کو دہلی بلانے کا قصد کیا ہے۔دعوت نامے بھیج دئے گئے ہیں۔ہراس (ڈرکا) کا یہ موسم عارضی ہے۔میں تم کو یہ یقین دلاتا ہوں کہ ہم کو ہمارے سوا کوئی زیر نہیں کر سکتا۔

میں نے تمہیں ہمیشہ کہا اور آج پھر کہتا ہوں کہ تذبذب کا راستہ چھوڑ دو،اور بدعملی کو ترک کر دو،یہ تین دھار کا انوکھا خنجر لوہے کی اس دو دھاری تلوار سے زیادہ کاری ہے۔جس کے گھاؤ کی کہانیاں میں نے تمہارے نوجوانوں کی زبانی سنی ہیں۔

یہ فرار کی زندگی جو تم نے ہجرت کے مقدس نام پر اختیار کی ہے اس پر بھی غور کرو۔ تمہیں محسوس ہوگا،کہ یہ غلط ہے۔اپنے دلوں کو مظبوط بناؤ اور اپنے دماغوں سے سوچنے کی عادت ڈالو،اور پھر دیکھو کہ تمہارے یہ فیصلے کتنے عاجلانہ ہیں۔آخر کہاں جارہے ہو؟

اور کیوں جارہے ہو؟

"یہ دیکھو! مسجد کے مینار تم سے جھک کر سوال کرتے ہیں کہ تم نے اپنی تاریخ کے صفحات کو کہاں گم کر دیا ہے؟ ابھی کل کی بات ہے کہ یہیں جمنا کے کنارے تمہارے قافلوں نے وضو کیا تھا اور آج تم ہو کہ تمہیں یہاں رہتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے۔ حالانکہ دہلی تمہارے خون سے سینچی ہوئی ہے"

عزیزو! اپنے اندر ایک بنیادی تبدیلی پیدا کرلو۔ جس طرح آج سے کچھ عرصہ پہلے تمہارا جوش وخروش بے جا تھا اسی طرح آج تمہارا یہ خوف و ہراس بھی بے جا ہے۔ مسلمان اور بزدلی، یا مسلمان اور اشتعال ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ سچے مسلمان کو نہ تو کوئی طمع ہلا سکتی ہے اور نہ کوئی خوف ڈرا سکتا ہے، چند انسانی چہروں کے غائب از نظر ہو جانے سے ڈرو نہیں، انہوں نے تمہیں جانے ہی کے لئے اکٹھا کیا تھا۔ آج انہوں نے تمہارے ہاتھ میں سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہے تو یہ عیب کی بات نہیں یہ دیکھو کہ تمہارے دل تو ان کے ساتھ ہی رخصت نہیں ہو گئے، اگر دل ابھی تک تمہارے پاس ہیں تو ان کو اپنے اس خدا کی جلوہ گاہ بناؤ جس نے آج تیرہ سو برس پہلے عرب کے ایک اُمی ﷺ کی معرفت فرمایا تھا:

﴿ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیهم ولا یحزنون﴾

(جو خدا پر ایمان لائے اور اس پر جم گئے تو پھر ان کے لئے نہ تو کسی کا ڈر ہے اور نہ کوئی غم)

بدہوائے آتی ہے اور گذر جاتی ہیں یہ صرصر سہی۔ لیکن اس کی عمر کچھ زیادہ نہیں ابھی دیکھتی آنکھوں ابتلا کا یہ موسم گذرنے والا ہے، یوں بدل جاؤ جیسے تم پہلے کبھی اس حالت میں نہ تھے۔

میں کلام میں تکرار کا عادی نہیں لیکن مجھے تمہاری تغافل کیشی کے پیش نظر بار بار کہنا پڑتا ہے کہ تیسری طاقت اپنے سانچہ ڈھل رہا ہے اگر اب بھی تمہارے دلوں کا معاملہ

بدلا نہیں، اور دماغوں کی چبھن ختم نہیں ہوئی۔ پھر حالت دوسری ہے۔ لیکن واقعی تمہارے اندر بھی تبدیلی کی خواہش پیدا ہو گئی ہے، تو پھر اس طرح بدلو کو جس طرح تاریخ نے اپنے تئیں بدل لیا ہے۔

آج بھی کہ ہم ایک دور انقلاب کو پورا کر چکے ہیں ہمارے ملک کی تاریخ میں کچھ صفحے خالی ہیں۔ اور ہم صفحوں میں زیب عنوان بن سکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ہم اس کے لئے تیار بھی ہیں۔

عزیزو! تبدیلیوں کے ساتھ چلو یہ کہو کہ ہم اس تغیر کے لئے تیار نہ تھے۔ بلکہ اب تیار ہو جاؤ۔ ستارے ٹوٹ گئے۔ لیکن سورج تو چمک رہا ہے اس سے کرنیں مانگ لو، اور ان اندھیری راہوں میں بچھا دو۔ جہاں اجالے کی سخت ضرورت ہے۔

میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ تم حاکمانہ اقتدار کے مدد سے وفاداری کا سرٹفکیٹ حاصل کرو۔ اور کاسہ لیسی کی وہی زندگی اختیار کرو۔ جو غیر ملکی حاکموں کے عہد میں تمہارا شعار رہا ہے۔ میں کہتا ہوں جو اجلے نقش و نگار تمہیں اس ہندوستان میں ماضی کی یادگار کے طور پر نظر آرہے ہیں۔ وہ تمہارا ہی قافلہ لایا تھا۔ انہیں بھلاؤ نہیں۔ انہیں چھوڑ دو نہیں۔ ان کے وارث بن کر رہو، اور سمجھ لو کہ اگر تم بھاگنے کے لئے تیار نہیں تو پھر تمہیں کوئی طاقت بھگا نہیں سکتی۔

آؤ عہد کرو کہ یہ ملک ہمارا ہے۔ ہم اس کے لئے ہیں اور اس کی تقدیر کے بنیادی فیصلے ہماری آواز کے بغیر ادھورے رہیں گے۔

آج زلزلوں سے ڈرتے ہو پھر کبھی تم خود ایک زلزلہ تھے۔ آج اندھیرے سے کانپتے ہو کیا یاد نہیں رہا کہ تمہارا وجود ایک اجالا تھا۔ یہ بادلوں کی سیل کیا ہے کہ تم نے بھیگ جانے کے خدشے سے اپنے پائنچے چڑھا لئے ہیں وہ تمہارے ہی اسلاف تھے جو سمندروں میں اتر گئے، پہاڑوں کی چھاتیوں کو روند ڈالا۔ بجلیاں آئیں تو ان پر مسکرا دئے، بادل گرجے تو قہقہوں سے جواب دیا۔ صرصر اٹھی تو رخ پھیر دیا۔ آندھیاں

آئیں تو ان سے کہا کہ تمہارا راستہ یہ نہیں ہے۔ یہ ایمان کی جان کنی ہے کہ شہنشاہوں کے گریبانوں سے کھیلنے والے آج خود اپنے ہی گریبان کے تار بیچ رہے ہیں اور خدا سے اس درجہ غافل ہو گئے ہیں کہ جیسے اس پر کبھی ایمان ہی نہ تھا۔

عزیزو! میرے پاس تمہارے لئے کوئی نیا نسخہ نہیں ہے۔ جو دو سو برس پہلے پرانا نسخہ ہے۔ وہ نسخہ جس کو کائنات انسانی کا سب سے بڑا محسن لایا تھا اور وہ نسخہ قرآن کا یہ اعلان: ﴿ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين﴾ آج کی صحبت ختم ہو گئی، مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ میں اختصار کے ساتھ کہہ چکا پھر کہتا ہوں اور بار بار کہتا ہوں اپنے حواس پر قابو رکھو۔ اپنے گرد و پیش اپنی زندگی خود فراہم کرو یہ منڈی کی چیز نہیں کہ تمہیں خرید کر لا دوں۔ یہ تو دل کی دوکان ہی سے اعمال صالحہ کی نقدی پر دستیاب ہو سکتی ہے۔

زباں ز نطق فرو ماند از من باقی است
بضاعت سخن آخر شد و سخن باقی است
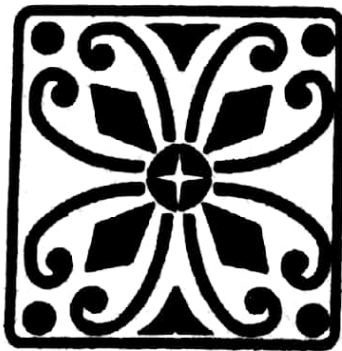
آزادی زمین کے ساتھ آزادی ضمیر چاہئے

خطیب: مولانا عبید اللہ خان اعظمی

الحمد للّٰہ الذی فضل سیدنا و مولانا محمدًا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم علی العالمین جمیعاً و اقامہ یوم القیامۃ للمذنبین المتولین الخطائین الھالکین شفیعاً ، و صلی اللہ تعالیٰ و سلّم و بارک علیہ و علیٰ کل من ھو محبوب و مرضی لدیہ صلوۃ تبقیٰ و تدوم بدوام الملک الحی القیوم اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمدًا عبدہ و رسولہ ۔

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ﴿ان الدین عند اللہ الاسلام﴾ صدق اللہ العظیم

معزز سامعین کرام! آپ کو ملک کے حالات کا علم بخوبی ہے آج کشمیر کی وادی سے کنیا کماری کی سرحدوں تک اور بنگال کی کھاڑی سے لے کر گجرات کی وادی تک ہندوستان کا مسلمان سسک رہا ہے ایوان تہذیب میں بد تہذیبوں نے آگ لگا دی ہے اور فکر و نظر کی وادیاں تباہ و برباد کی جا رہی ہیں۔ عالم مسلم پر اداسی چھائی ہے ملک میں ہیجان بپا ہے۔ مسلمانوں کے لبوں کا تبسم روٹھا ہوا ہے۔ مسلم کا دل حسرت و ارمان کا مزار بنا ہوا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ

ایک ہنگامۂ محشر ہو تو اس کو بھولوں، سیکڑوں باتوں کا رہ رہ کے خیال آتا ہے

۱۹۴۷ء سے لے کر آج تک کی تاریخ میں اس ملک میں جمہوری طور پر مسلمانوں کا

تشخص ختم کرنے کے لئے ایک زبردست مہم چلائی جارہی ہے۔فرقہ پرستوں نے اپنے الگ الگ پلیٹ فارم بنائے تھے۔اوران پلیٹ فارموں کے ذریعے مسلمانوں کی مذہبی فصیل پر چاند ماری کی جارہی تھی۔اور مسلم قوم کی سمپتی پر شبخوں مارے جارہے تھے کچھ دنوں کے بعد فرقہ پرستوں نے یہ محسوس کیا کہ ہم کھلم کھلا فرقہ پرستی کے ذریعے مسلمانوں کا استیصال نہیں کر پائینگے۔اس لئے ٹوپیاں بدل دی جائیں۔دَل بدلے جائیں دِل بدلنے کے لئے توان کے پاس کوئی تاریخ نہیں ہے۔دل بدلنے کے لئے وہ آمادہ ہوئے اور دھیرے دھیرے اُس پارٹی پران کا قبضہ ہوا۔جو پارٹی کبھی دیش کو آزاد کروانے کے لئے نمایاں رول ہندو مسلم اتحاد کا ادا کرچکی تھی۔مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ آج ہندوستان کی سرزمین پر فرقہ پرستوں کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کا وہ استیصال نہیں ہورہا ہے جو استیصال بنام سیکولر۔بنام سوشلزم ملک کی حکمراں جماعت کے ذریعے جان بجھ کر کیا جارہا ہے۔میں نہ کانگریسی ہوں اور نہ جن سنگھی نہ جنتائی، نہ سوشلسٹ، میں ہندوستان کے ایک بھارتی مسلمان ہونے کے ناطے اپنی قوم کو پہنچانتا ہوں۔اپنی قوم کے مستقبل پر نگاہ رکھتا ہوں۔برادران وطن کی ترقی کے ساتھ ساتھ مسلم قوم کے مستقبل کی تابنا کی چاہتا ہوں۔مسلمانوں کے ساتھ پارٹیشن (Partetion) کے بعد مسلمانوں کو ہندوستان سے نکالنے کا جورویہ اختیار کیا گیا ہے۔اربابان حکومت کو بھی خدا انصاف کا چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ و خیرات عطا فرمادے تو اربابان اقتدار بھی میری اس بات کو بہر حال تسلیم کریں گے میں آپ کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بنام مسلم پرسنلاء تو ایک جنگ چھیڑی ہی تھی۔اور یہ جنگ مسلمانوں نے نہیں چھیڑی ہے بلکہ ملک کی سب سے بڑی عدالت سپریم کورٹ نے مسلمانوں کے خلاف چھیڑ رکھی ہے۔ملک کی سب سے بڑی عدالت نے فیصلہ دیکر مسلم پرسنلاء کے خلاف مسلمانوں کے خلاف فرقہ پرستوں کو ایک پلیٹ فارم بنادیا۔حکومت کی معنی خیز خاموشی ملک کے فرقہ پرستوں اور امریکہ اور رشیا کی روٹیوں پر پلنے والے ان

داتاؤں کے لئے ہندوستان اور مسلمانوں کا جسم و جان جلانے کے لئے ایک راہ ہموار کر رہی ہے حضرات آپ نے سنا ہے کہ پونا کی سرزمین پر پتی پتاون نام کی تحریک چلی۔ جس کے ذریعے یہ کہا گیا کہ اذانوں کے ذریعے ہماری نیند خراب ہوتی ہے اذان کو بند کیا جائے۔ بمبئی کی سرزمین پر تحریک چلی اور کہا گیا کہ ہندوستان کا مسلمان کھاتا ہے۔ ہندوستان میں پیتا ہیں۔ رہتا ہے ہندوستان میں کاروبار کرتا ہے ہندوستان میں۔ مگر جب سوتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے مولا بلالو مدینے مجھے۔ اسی طرح ہندو پریشد اور آر۔ ایس۔ ایس اور اسی طرح کی جتنی بھی فرقہ پرست جماعتیں ہیں۔ ان جماعتوں نے کھلم کھلا مسلمانوں کو گالیاں دیں۔ آج بھی ان کے رتھ چل رہے ہیں کھلم کھلا پولیس بھی موجود ہوتی ہے۔ پولیس کی حفاظت میں مسلمانوں کو کھلم کھلا گالیاں دی جاتی ہیں۔ پی۔ اے۔ سی کی موجودگی میں مسلمانوں کے خلاف نعرے لگائے جاتے ہیں۔ کہ اگر ہندوستان میں رہنا ہے ہندو بنکر رہنا ہوگا۔ ہندوستان میں رہنا ہے وندے ماترم کہنا ہوگا ورنہ بھارت چھوڑنا ہوگا۔ آج یہ نعرے لگ رہے ہیں۔ میں باندہ کے بازار سے گزر رہا تھا۔ اور باندہ کی سرزمین پر رتھ یاترا گزر رہی تھی۔ پولس والے بھی موجود تھے۔ پی۔ اے۔ سی والے بھی موجود تھے۔ اور حکومت کی نگہبانی میں مسلمانوں کے خلاف نعرے لگائے جارہے تھے۔ پولیس کھڑی تماشہ دیکھ رہی تھی جب کہ مسلمان کسی قوم کے خلاف نعرہ لگانے نہیں آیا ہے۔ مسلمان اپنی بے بسی پر آنسو بہانے آیا ہے۔ مسلمان اپنی لاش کا ماتم کرنے آیا ہے۔ مسلمان اپنے ٹوٹے ہوئے مسائل ڈھونڈنے آیا ہے۔

آزادی کی جنگ میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ حالات کو جس طرح سے دکھایا گیا حالات کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے کہ اب تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ

ع وفا کا نام بھی اب بھول کر نہیں لوں گا

تیرے خلوص نے چونکا دیا زمانے کو

کیا کیا نہ امیدیں تھیں تیرے عہد سے ہم کو

کہ ہندوستان آزاد ہوگا۔ آزادی کے بعد اس ملک کے لوگ آزاد ہوں گے۔ جلیانوالے باغ میں تن کے گورے من کے کالے انگریزوں نے گولیاں چلاکر ہندوستانیوں کو تباہ کیا تھا۔ زمین تو غلام ہوتی رہتی ہے۔ زمین تو آزاد ہوتی رہتی ہے۔ اور جو یہ کہتا ہے کہ بھارت کی بھومی آزاد کرانے کے لئے یہ لڑائی ہم انگریزوں سے لڑے تھے۔ وہ غلط کہتا ہے۔ کیونکہ بھارت کی بھومی آج بھی چین کے ہاتھ میں ہے۔ تو پھر چین سے کیوں نہیں لڑتے ہو۔ بھارت کی بھومی آج بھی دوسرے ملکوں کے ہاتھ میں ہے۔ تو تم ان لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے ہو۔ مزاج یہ ملا کہ بھارت کی بھومی کے لئے یہ لڑائی نہیں ہوئی تھی۔

بھارت کی آزادی کے لئے، بھارت کی تہذیب کے لئے، بھارت کی تہذیب بھی غلام بنائی گئی تھی۔ اس کی آزادی کے لئے بھارت کا تمدن بھی غلام بنایا گیا تھا۔ ملک کی آزادی کے لئے بھارت کی روایات بھی غلام بنائیں گئیں تھیں۔ تب بھارت کی آزادی کے لئے لڑائی لڑی گئی تھی۔ جب بھارت آزاد ہوا یہ لڑائی لڑنے کے بعد کہ ہماری اپنی پولس ہوگی۔ ہماری اپنی گورمنٹ ہوگی۔ ہمیں انصاف ملیگا۔ قدم قدم پر بدگمانیاں چھٹیں گی۔ احساس کمتری کا خاتمہ ہوگا۔ اور قومیں شیر وشکر ہوکر ہندوستان کی سرزمین پر ایک نئے بھارت کو جنم دیں گی۔ مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ ابھی اس ۴۷ سال میں بھیک منگوں نے بھیک مانگی ہوئی حکومت کے ذریعے اس کا استیصال کرنا شروع کر دیا۔ جس قوم نے تہذیب وتمدن کی روایات سے انہیں آشنا کیا تھا۔

خدا کی شان وہ نادان سمجھیں بے زباں ہم کو

کہ جن پہ رحم کھا کے مفت میں بخشی زباں ہم نے

ہاتھی کے دانت: آج حالات کیا ہے کہ ۴۵ سال میں کل کھیل ہو گیا مسجدیں محفوظ نہیں۔ اوقاف محفوظ نہیں۔ مسلمانوں کا پرسینٹیج (Percentage) محفوظ نہیں۔

اور آج کھلم کھلا پولس کی موجودگی میں کہا جاتا ہے کہ وندے ماترم بولنا ہوگا ورنہ بھارت چھوڑنا ہوگا۔ میں کہنا چاہتا ہوں کہ یہ تمھارے باپ کی حکومت ہے کہ وندے ماترم بولنا ہوگا ورنہ بھارت چھوڑنا ہوگا۔ مجھے بتاؤ بھارت سیکولر ہے یا ڈکٹریٹ پہلے یہ طے کرو۔ اور ہندوستان سے سیکولرازم کاٹو۔ ہاتھی دانت دکھار ہے ہو پہلے اسے دفن کرو۔ اور یہ اعلان کرو کہ یہ ہندو اسٹیٹ ہے۔ اس کے بعد کہو کہ وندے ماترم بولنا ہوگا ورنہ ہندوستان چھوڑنا ہوگا۔ پوری دنیا میں تمھاری تصویر ننگی ہو چکی ہے کہ ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور ہے اور کھانے کے اور ہیں۔ ہندوستان کی کوئی اقلیت آج محفوظ نہیں ہے۔ سکھ ہوں، کرسچین ہوں، مسلمان ہوں، ایک قوم اپنا مکمل قبضہ ہر قوم کے تشخص کو تباہ کر کے لینا چاہتی ہے۔ اس لئے میں بتانا چاہتا ہوں آپکو، کہ ہم نے بھی ایک ہزار برس تک اس ملک میں حکومت کی تھی اور کل جو ہم نے حکومت کی تھی۔ وہ ووٹ کی بھیک سے نہیں کی تھی۔ آج کا راجہ کل کی پرجا بن سکتا ہے۔ آج کی پرجا کل کی راجہ بن سکتی ہے۔ مگر مسلمانوں نے حکومت کی تھی۔ وہ بھیک مانگ کر نہیں کی تھی۔ روندتے ہوئے کی تھی۔ آئے تھے تو فتح کرتے ہوئے آئے تھے اور ظلم کا جبڑا توڑتے ہوئے آئے تھے۔ اپنے تشخص کی علامتوں کو روشن کرتے ہوئے آئے ہندوستان میں مسلمانوں نے قدم رکھا تھا۔ ایک ہزار برس تک حکومت کی ہندوستان میں مسلمانوں نے۔ تم تو آج ووٹ کے محتاج ہو۔ حکومت بگڑے گی اور بنے گی بھی۔ مگر مسلم امپائر کسی ایک کے محتاج نہیں تھے۔ نہ تمھارے ووٹ کے نہ تمھارے نوٹ کے ۴۷ سال میں تم نے یہ نعرے بھی لگانے شروع کر دئے کہ بندے ماترم بولنا ہوگا ورنہ بھارت چھوڑنا ہوگا۔ کہیں ایک ہزار برس میں ہم نے یہ نعرہ لگایا ہوتا۔ کہ تم کو کلمہ پڑھنا ہوگا ورنہ بھارت چھوڑنا ہوگا۔ تو کہیں بھی تمھارا بھارت میں پتا نہ چلتا۔

اسلام کی رواداری: مگر ایمانداری کے ساتھ بولو۔ کہ مسلمانوں نے کبھی یہ نعرہ لگایا کیوں نہیں لگایا۔ مسلمانوں کے پاس ایک تاریخ ہے۔ مسلمانوں کے پاس ایک آسمانی

مذہب ہے۔ مسلمانوں، کے پاس ایک آسمانی قانون ہے مسلمانوں کے پاس عرش کی پارلامنٹ سے آیا ہوا نظام حیات ہے۔ مسلمانوں کے پاس گنبد خضرا کے مکین کا دیا ہوا عطیہ اور نعمت غیر مترقبہ نظام قرآن کریم ہے۔ شعر:

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور ایک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

میرے آقا ﷺ نے ہمیں پابند کیا کہ کسی بھی قوم کو ڈمیج (Damage) مت کرو۔ کسی بھی قوم کی عبادت گاہ برباد مت کرو۔ کسی قوم پر جب فتح مندی کے جھنڈے گاڑ لو تو اسکے بال بچوں اور اسکے مذہب کی حفاظت کرو۔ اور ہم نے حفاظت ہر دور میں کی۔ آج مسلم پرنسل لا تباہ ہو رہا ہے۔ کل اورنگ زیب کے زمانے میں جسے تم سب سے بڑا فرقہ پرست کہتے ہو۔ یہی کاشی کی دھرتی ہے۔ کاشی کی دھرتی پر اورنگزیب کی حکومت کا شہر کوتوال محمد ابراہیم نام کا ایک حکمراں تھا۔ کاشی کا پنڈت رام لال اور رام لال کی خوبصورت بیٹی شکنتلا دیوی تھی۔ شکنتلا دیوی گنگا سے اشنان کر کے باہر جا رہی تھی کہ عیاش کوتوال کی نگاہ اس پر پڑی اس کے باپ کو طلب کر کے اس نے کہا اپنی بیٹی کا ڈولہ ایک ہفتہ کے بھیتر میری عیاشیوں کی دہلیز پر سجا کر رکھدو۔ ورنہ تمہارے گھر میں آگ لگا دی جائے گی۔ آ کر کے اس نے اپنے بال بچوں سے کہنا سننا شروع کیا۔ بیٹی نے اپنے باپ سے کہا کہ شہر کوتوال سے ایک مہینے کی مہلت مانگ لو۔ کہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔ میں اس کا ڈولہ سجانے کے لئے میں کچھ اچھے کپڑے لینا چاہتا ہوں۔ کچھ اچھے زیورات کے ساتھ مالا مال کر کے اپنی بیٹی آپ کے گھر پہچانا چاہتا ہوں۔ پنڈت رام لال نے شہر کوتوال کے سامنے جب یہ عرضداشت پیش کی تو اس نے کہا جاؤ۔ تم بہت ہوشیار آدمی ہو۔ ہم نے تمھیں ایک مہینے کا ٹائم دیا۔ میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنی خیراتی حکومت میں ہمارا ووٹ پا کر حکومت پائے ہو۔ قانون ہندوستان میں مسلم پرسنلاء کی جو ضمانت دی گئی ہے۔ تم آئین ہند توڑ کر مسلمانوں کا دل مجروح کرتے

ہو۔ یہ تمھارا کریکٹر (Character) ہے اور جس زمانے میں ہماری حکومت تھی ہم نے ہندو پرسنلاء کیسے بچایا تھا اس کو سنو یہ ہمارا کریکٹر ہے۔

شکنتلا مغل شہزادے کے روپ میں

وہ لڑکی اپنے باپ سے کہتی ہے کہ پتاجی دومنٹ چپ ہو جایئے اور بات سنئے۔ مجھے ابھی بہت کام کرنا ہے۔ وہ اپنے باپ سے کہتی ہے مجھے بیس دن کا ٹائم دید یجئے۔ میں ڈولہ اٹھنے سے ۱۰ دن پہلے گھر آ جاؤنگی۔ میری نیت پر اعتبار کیجئے۔ مغل شہزادوں کا لباس بنارس کے بازاروں میں بکتا ہے۔ مجھے ایک جوڑا لباس مغل شہزادوں کا خرید کرلا دیجئے۔ بیٹی نے کہا دھیرج رکھئے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ خدا ہماری حفاظت فرمائیگا۔ لڑکی گھوڑے پر سوار ہوئی۔ اور مغل شہزادوں کا لباس پہنا اُس نے۔ اور لڑکے کی شکل میں چلی۔ اور مسلسل دہلی کی طرف اس کا گھوڑا دوڑتا رہا۔ جس دن اس نے دلی کا سورج دیکھا وہ جمعہ کا دن تھا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ ہندوستان کے سوامی ہندوستان کے مہاراج شہنشاہِ ہند اورنگزیب عالمگیرؒ جمعہ کی نماز مسجد شاہجہانی میں پڑھ کر جب نکلتے ہیں اور مسجد کی سیڑھیوں پر آتے ہیں۔ تو جمعہ کے دن سارے فریادی اپنی اپنی فریاد لے کر پرچوں میں لکھ کر مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر اپنے بادشاہ کے نکلنے کا انتظار کرتے ہیں۔ اور جب وہ لڑکی پہنچی تو جامع مسجد کی سب سیڑھیاں بھر چکی تھی۔ سب سے نچلا زینہ اس کو ملتا ہے۔ لڑکے کی شکل میں وہ بھی اپنی فریاد لے کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ بادشاہ مسجد سے نکلتا جا رہا تھا۔ ہٹو بچو کی بھیڑ میں وہ لوگوں کی فریادیں پڑھتا تھا۔ رونے والے آتے تھے۔ روتے ہوئے۔ انصاف پا کر ہنستے ہوئے اپنی منزل کی طرف جا رہے تھے۔ جب اورنگزیب عالمگیر نے سب سے نچلے زینے پر قدم رکھا اور ایک مغل شہزادے نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اپنی چٹھی پیش کی تو اورنگزیب نے دیکھا۔ اور دیکھنے کے بعد انھوں نے اپنے کاندھے سے چادر اتاری اور اسے اپنے ہاتھ پر لپیٹا۔ لپیٹنے کے بعد

اس مغل شہزادے کے ہاتھ سے آپ نے وہ خط لیا مغل شہزادہ رو پڑا۔اس نے کہا مہاراج آپ نے سب کے خطوط ہاتھ میں ہاتھ ملا کر لئے ہیں پرجا کو عزت بخشی ہے۔پھر میرے اندر کونسی خرابی تھی کہ میرے ہاتھ سے ہاتھ نہ ملا کر میرے اور اپنے ہاتھ کے بیچ ایک کپڑے کو پردہ بنا کر آپ نے مجھ سے خط لیا۔مہاراج نے نگاہ اٹھائی۔اور پھر بھارت کا سوامی پکار اٹھا۔کہ اورنگزیب تجھ سے تیرا خط لے لیتا۔تو عورت ہے اور میرے لئے نامحرم ہے۔میرا مذہب اسلام اجازت نہیں دیتا کہ تیرے بدن کو تیرے ہاتھ کو ٹچ (Touch) کیا جائے۔اس لئے تجھے انصاف دینے کے لئے میں نے اپنے ہاتھ پر یہ پردا لگایا ہے۔نعرے

اورنگ زیب کا انصاف: اور آپ نے فرمایا کہ اس برہمن زادی کا انصاف اورنگزیب کے محل میں ہوگا۔لڑکی گھر میں پہنچائی گئی۔آپ نے اس کی ساری فریاد سنی۔تین روز تک دلی میں مستقل آرام کروا کر اور پھر ہر چوکی پر تازہ گھوڑے اور تازہ شاہی آپ نے فراہم کیئے۔اور فرمایا بیٹی تم بنارس جاؤ۔جاؤ تمہارے ساتھ انصاف کیا جائیگا۔لڑکی نے کہا وہ انصاف مجھے بھی سنا دیجئے مہاراج۔میں اپنے باپ کو کیا پیغام دونگی۔تو لڑکی سے اورنگزیب عالمگیر نے فرمایا تھا کہ جا کے پنڈت رام لال سے کہہ دینا کہ بھارت کے سوامی نے فرمان جاری کیا ہے۔کہ جس تاریخ کو میرے شوہر کوتوال نے تیری لڑکی کا ڈولہ اپنی عیاشیوں کی دہلیز پر طلب کیا ہے۔اسی تاریخ کو تیری بیٹی کا ڈولہ میرے کوتوالکی عیاشیوں کی دہلیز پر پہنچ جانا چاہیئے۔کہا مہاراج یہ آپ کا انصاف ہے؟ کہا ہاں بیٹی یہ میرا انصاف ہے۔لڑکی روتی ہوئی چلی بنارس پہنچی۔پنڈت راملال نے پوچھا بیٹی کیا ہوا۔بیٹی نے کہا پتا جی ''جس پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے''، میں بھارت کی کیبنیٹ (Cabinet) میں انصاف مانگنے گئی تھی۔ہندو پرسنلاء بنارس کا حکمراں توڑ رہا تھا۔اور میں اس کے خلاف سنسد سے انصاف مانگنے گئی تھی۔پارلامنٹ (Parlament) سے انصاف مانگنے گئی تھی۔ملک کے حکمراں سے انصاف مانگنے گئی

تھی۔ بھارت کے شہنشاہ سے انصاف مانگنے گئی تھی۔ مگر ہمیشہ حکمراں اپنی پولیس کی ناجائز حمایت کرتے ہیں۔ چاہے پولیس کتنا ہی ظلم نہ کردے پولیس کو حکمراں ہمیشہ انعام ہی دیا کرتے ہیں۔ اورنگزیب نے بھی وہی کیا۔ اور اورنگزیب نے کہا ہے کہ جا کے اپنے باپ سے کہہ دو کہ میرے حکمران کی تسکین کے لئے دی ہوئی تاریخ (Date) کو اس کی عیاشیوں کی دہلیز پر تمہارا ڈولہ جانا چاہئے گھر میں رونا پیٹنا پڑ گیا۔ لڑکی نے کہا پتا جی میری چٹھی میرے سامنے امید کی ایک کرن لا رہی ہے کہ اورنگزیب نے یہ فیصلہ تو سنایا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ مجھے دلی میں اس نے چودہ بار بیٹی بھی کہا ہے۔ تو میں نہیں سمجھتی کہ بیٹی کہنے والا باپ کوئی ایسا بھی ہوگا دنیا میں کہ اس کی بیٹی کی لاج لوٹی جاتی رہے اور باپ کھڑا تماشہ دیکھتا رہے۔ اب دیکھونگی کہ اورنگزیب اپنی منہ بولی بیٹی کو انصاف کیسے دیتا ہے۔ ڈولہ سج کر پہونچ گیا۔ میں بتانا صرف یہ چاہتا ہوں کہ جب ہماری حکومت تھی تو ہم نے ہندو پرسنلا ء کیسے بچایا تھا۔ اور جب آج تمھاری حکومت ہے تو تم نے مسلم پرسنل لا کیسے توڑا ہے۔ ڈولہ سج کر پہونچ گیا۔ ساٹھ سال کا کھکوسٹھ۔ خضابی مسلمان بوڑھا بیل۔ سینگھ کٹوا کر جوان بنا ہے۔ (کوتوال ابراہیم) ایک خضابی نے مونچھ کو ٹائیٹ کیا۔ باہر نکلا اور اسنے کہا کہ سارے بنارس کے فقیروں کو بلایا جائے۔ اور جب بنارس کے فقیر اکٹھا ہوئے تو اس نے کہا کہ ڈولہ کے اوپر سے دان اور خیرات کرو۔ اس خوشی میں خیرات ہونے لگی۔ جب ہر فقیر خیرات پا چکا۔ تو اس نے کہا کہ اب میری عشرت گاہ میں یہ ڈولہ پہنچا دیا جائے۔ جوں ہی اس کی عیاشیوں کی تسکین کے لئے کہاروں نے ڈولہ اٹھایا۔ فوراً اندر سے بھیڑ کو چیرتا ہوا ایک اور فقیر آگے بڑھا۔ اس نے کہا مہاراج سارے فقیروں کو آپ دان دے چکے ایک فقیر ذرا دیر سے پہنچا ہے۔ مجھے بھی دان اور خیرات دید یجئے۔ تب یہ ڈولہ اٹھوائیے کہا اندھے فقیر زمین پر روپیے پیسے پڑے ہوئے ہیں کیوں نہیں اٹھا لیتا۔ فقیر نے کہا مہاراج میں عام فقیروں جیسا نہیں ہوں۔ میں خاص فقیر ہوں۔ میں بڑا خوددار مانگنے والا ہوں میں زمین پر گرے

ہوئے ٹکڑے نہیں لیتا۔ ہاتھ سے لیتا ہوں۔ دان اور خیرات، اس نے سوچا کہ یہ ضدی فقیر ہمارے رنگ میں بھنگ پیدا کر کے ہماری خوشیوں کو زنگ لگانا چاہتا ہے۔ اس لئے اس کو جلدی سے ٹالو۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر جونہی شہر کوتوال نے اپنی عیاشیوں کی تسکین کے لئے اس ضدی فقیر کی طرف پیسہ بڑھایا۔ فقیر نے پیسہ لینے کے بجائے ایک زوردار تھپڑ رسید کیا۔ عیاش حکمراں کے چہرے پر، اور بہت جلدی سے اپنی گدڑی نکال پھینکی۔ دیکھا گیا تو اس گدڑی میں فقیر تھا۔ اور اب جب گدڑی ہٹائی تو اس میں لعل نظر آیا۔ وہ فقیر نہیں اورنگزیب عالمگیر کھڑا تھا:

آٹھ سو شاہی بٹالین کے ساتھ..... نعرے.....

آپ دلّی سے تشریف لائے اورنگزیب عالمگیر نے گھیراؤ کیا اور فرمایا۔ کہ اس نے بنارس کے فقیروں کو بلا کر برہمن کی عزت لوٹنے کا تماشہ دکھایا تھا۔ اب میں ہند اور مسلمانوں کو بلا کر اسلام کے انصاف کا سورج چمکانا چاہتا ہوں۔ سب اکٹھا ہوئے دو پاگل ہاتھی بھی منگوائے گئے۔ ہاتھیوں کو کھڑا کیا۔ پھر ان دونوں کے بیچ میں محمد ابراہیم شہر کوتوال کو کھڑا کیا گیا۔ اب حضرت اورنگزیب عالمگیر کے وہ تاریخی جملے سنو۔ فرمایا بے ایمان شہر کوتوال تو مجھے یہ بتا کیا میں نے تجھے بنارس کا شہر کوتوال اسی لئے بنایا تھا کہ عزت تباہ کرے۔ کیا تجھے نہیں معلوم کہ اسلام جس ملک میں اپنی فتح مندیوں کے جھنڈے نصب کرتا ہے۔ اس ملک کی رعایا کی عزت و آبرو بھی اپنے ذمہ لیا کرتا ہے۔ تو نے اسلامی روایات کو پامال کرتے ہوئے دوسروں کے پرسنلا میں انٹرفیر (Interfare) کیوں کیا ہے۔ تجھے پوری سزا دی جائیگی۔

ہندو پرسنل لا توڑنے کا عبرتناک انجام: کل جب ہماری سنسد تھی۔ آج ہم کیسے کہے کہ ہماری حکومت ہے۔ ہماری حکومت کے اندر جمہوریت کا ڈھنڈورا پیٹنے والی حکومت جس طرح جمہوریت کو ذبح کر رہی ہے۔ جاڑے کے زمانے میں بھی ہم جمہوریت کے ماتھے پر پسینے دیکھ رہیں ہیں اورنگزیب عالمگیر نے دونوں ہاتھیوں کے

پیروں میں لوہے کی موٹی زنجیر ڈلوائیں۔ ایک پیر ایک ہاتھی کے پیر میں بندھوایا اپنے شہر کوتوال کا اور دوسرا دوسرے ہاتھی کے پیر میں۔ تڑپا تڑپا کر مروادیا شہر کوتوال کو بنارس کے ہندو مسلمان کے سامنے۔ اورنگ زیب عالمگیر نے یہ ثابت کیا کہ جس کی حکومت ہوتی ہے۔ وہ اپنی پرجا کو انصاف دیتا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ یہ ہندو ہے یا مسلمان ہے۔ یہ ہمارے خاندان کا ہے یا کسی دوسرے خاندان کا اور اس کے بعد سنو۔ آپ نے فرمایا سنو۔ یہ ڈولہ اٹھاؤ۔ اور راملال کے گھر چلو۔ ڈولہ جب راملال کے گھر چلا۔ آپ رام لال پنڈت کے گھر پہنچے اور ایک چبوترے پر بیٹھ گئے۔ لڑکی ڈولے سے نکلی۔ اور شکنتلا دیوی پتاجی کہہ کر اورنگزیب کے قدموں میں گر گئی۔ آپ نے اُسے ہاتھوں سے اوپر اٹھا کر کہا کہ بیٹی میرا مذہب اسلام خدا کے سامنے جھکنے کی اجازت تو دیتا ہے۔ انسان کے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ مجھے پانی پلادے شکنتلا بیٹی۔ میں بہت پیاسا ہوں۔ پانی پلایا گیا۔ تو آپ نے کہا میرے مالک گواہ رہنا کہ جس دن سے میری منہ بولی ہندو بیٹی کو تکلیف پہنچائی تھی۔ میرے مسلم حکمراں نے اور اس نے اپنی فریاد مجھ تک پہنچائی تھی۔ اس دن سے لے کر آج تک اورنگزیب پیاسا رہا ہے۔ اسی دن اس نے یہ سوچ لیا تھا۔ کہ جب تک میں اپنی ہندو بیٹی کو انصاف نہیں دلا دونگا۔ پانی نہیں پیوں گا۔ آج اورنگزیب پانی پی رہا ہے۔ ہندوؤں نے بنوائی تھی بنارس کی مسجد اورنگزیب کا انصاف دنیا کو دکھلانے کے لئے۔ یہ بھی یاد رہے کہ پنڈت راملال کے مکان کے آگے جو چبوترہ تھا اس پر اورنگزیب نے اپنے مقصد کی کامیابی پر نماز شکرانہ ادا کی تھی تو بنارس کے ہندوؤں نے اسی جگہ مسجد تعمیر کرائی تا کہ اورنگزیب کا انصاف قیامت تک زندہ رہے اور یہ مسجد آج بھی موجود ہے۔

بابری مسجد مغل امپائیر (Emperov) نے ایودھیا کے پنڈتوں کو شاہی رحم والفت کے ساتھ بے پناہ جاگیریں دیکر ان کی زندگی کے مستقبل کو سور کھچت محفوظ کرتے ہوئے وہاں کے کئی نو اسی مسلمانوں کو عبادت کے لئے بابری مسجد کو بنوایا

تھا۔ان کے دور میں ہر طرح سے قومیں محفوظ تھیں۔آج تم نے اسکے کنگوروں کو توڑ کر اور اس کے محرابوں کو شہید کر کے ظلم کی انتہا کردی ہے۔تم کیا سمجھتے ہو کہ مستقبل میں مورخ کا قلم کیا کبھی آزاد نہیں ہوگا۔تم سمجھتے ہو کہ انسانی فطرت پر گولیوں کے ذریعے پہرہ بیٹھادو گے۔ہم مذہبی مقاصد کے حصول کے لئے کسی کی جان نہیں لیں گے۔اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے دوسروں کی جان وہ لیتے ہیں جن کے پاس اپنے مقصد کے حصول کے لئے ہتیا کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہوتا۔ہمارا مذہب اپنے مقاصد کے حصول کے لئے دوسروں کی جان نہیں لیتا ہمارا مذہب خود انسان کو اپنی جان دینے کی دعوت دیتا ہے یہ اپنی جان دیدیگا اسلام کے لئے آگے بڑھتا جائیگا۔نعرے۔۔

اور جب تک مسلمانوں کے ساتھ انصاف نہیں ہوتا تب تک ہم ظلم و استبداد کی کہانی حکمرانوں کو سنانا چاہتے ہیں۔

صلیب و دار پہ رکھتے چلو سروں کے چراغ

جہاں تلک یہ ستم کی سیاہ رات چلے

تاریخ آزادی وطن حقائق کے آئینہ میں

خطیب: مولانا محمود صاحب بارڈولی سورتی

الحمد للّٰہ ربّ العالمین و الصلوۃ و السلام علی سید الانبیاء والمرسلین و علی الہ و اصحابہ اجمعین، اما بعد

بزرگان محترم! اس وقت ہمارے لئے بڑی خوشی کا موقع ہے کہ ہم ہمارے ملک کی آزادی کے دن کو منانے کے خاطر جمع ہوئے ہیں، اس وقت میرا فرض یہ بنتا ہے کہ یہ ملک غلام کیسے بنا، اور (Fred) آزادی کی لڑائی کی ابتدا کیسے ہوئی اس کا تھوڑا سا اتحاس میں آپ کے سامنے عرض کروں تقریباً ۱۵۰ سال کی خون اور جگر کی قربانی کا اتحاس میں اس وقت ایک گھنٹے یا آدھے گھنٹے یا پونے گھنٹے کے وقت میں میں آپکے سامنے ہرگز بیان نہیں کر سکتا، ایک بہت بڑی داستان ہے، بہت بڑی درد بھری داستانیں ہیں، اور بے شمار جنگ آزادی کے ان اکابر کی قربانیاں ہے، میں کوشش کرونگا کہ کچھ حصہ آپ کے سامنے عرض کروں، سب سے پہلے ۱۴۹۸ء میں پرٹوگل سے واسکوئی گامہ کی سرپرستی میں ایک و۔پاریوں کا ملاحوں کا ایک جہاز ہندوستان آیا، اور یہ یورپ سے ایشیا میں آنیوالا سب سے پہلا پانی کا جہاز تھا ہندوستان کے اندر اس وقت جو کیسر یہ الا کی راجدھانی ہے، ''کالی کٹ'' اس کے قریب کے دریا کنارے واسکوئی گامہ نے اور اسکے ساتھیوں نے سب سے پہلے پڑاؤ ڈالا یہ آئے تھے و۔پار کی نیت سے تجارت کی نیت سے لیکن انہوں نے ہندوستان کے اندر آ کر کے صرف و۔پار نہیں کیا

بلکہ پورٹوگل سے عیسائی کو ساتھ میں لے کر کے آئے تھے اور انہوں نے ویپار کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے اندر عیسائی دھرم کو پھیلانا شروع کیا، اور بہت سی جگہوں کے اوپر چرچ بنائے، چرچ کے ساتھ ساتھ انہوں نے عیسائی کورٹیں انہوں نے چالو کی اور دھیرے دھیرے انہوں نے عیسائی مذہب کو یہاں پر پھیلانا شروع کیا، ایک طرف بزنیس بھی کرتے تھے کاروبار بھی کرتے تھے اور عیسائی دھرم بھی یہاں پھیلاتے تھے، جو ان کے راستے میں آتا تھا اس کو وہ قتل کردیتے تھے، ختم کردیتے تھے، نہ جانے کتنے ہمارے ہندوستانی بھائی پرٹوگل سے آئے ہوئے واسکوئی گامہ کی ٹیم کے ہاتھ سے مارے گئے، ان کی ایک بہت بڑی داستان ہے، افسوس ہے کہ ہمارا اتہاس اس سے خاموش اور چپ ہے واسکوئی گامہ اور اس کے ساتھیوں نے ہمارے ہندوستان کے بہت سارے لوگوں کو قتل کیا تھا اور شہید کیا تھا، یہ خبر جب یورپ کے دوسرے انگریزوں کو پہنچی کہ ہندوستان تو سونے کی چڑھیا ہے، یہ تو کمانے کی جگہ ہے تو تقریباً ۱۶۰۱ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد پڑی، ابھی بھی آج ہم کو معلوم نہیں کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کیوں قائم ہوئی تھی، اس کا بھی تھوڑا سا اتحاس سن لیجئے، انگلینڈ کے ۱۰۱ ویپاریوں نے ۳۰ ہزار پاؤنڈ جمع کئے، اور ۳۰ ہزار پاؤنڈ جمع کر کے انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کی، ایسٹ انڈیا کمپنی جوان ویپاریوں نے قائم کی تو اس کا مقصد یہ تھا کہ ایشین ملکوں کے ساتھ اور خصوصاً ہمارے ہندوستان کے ساتھ ویپار اور تجارت کے تعلقات کو بڑھانا یہاں آکر انہوں نے تجارت اور بزنیس شروع کیا، یہاں سے سونا، چاندی اور ہمارے ہندوستان کی ڈھاکا کی ململ کو چوری کر کر کے لیجانا شروع کیا، اس زمانہ میں ڈھاکہ جو کہ ہمارے ہندوستان کا ایک حصہ تھا، وہاں ایسی ململ بنتی تھی کہ سومیٹر ململ کا کپڑا کہ کوئی آدمی اس کی گھڑی کرے اس کو لپیٹ لیوے تو ایک انگوٹھی کے اندر اس کو چھپا سکتے تھے، اتنی باریک ململ ہوتی تھی اور روم، پیریس اور لندن کے اندر اس زمانہ کی کرسچن عورتیں اس کو پہنا کرتی تھی انہوں نے یہاں آکر تجارت شروع کی تجارت کے ساتھ ساتھ دھیرے

دھیرے وہ اپنا لشکر بھی لانے لگے، اپنے قدم یہاں جمانے شروع کیئے، اس زمانہ میں انہوں نے جو کوٹھیاں بنائی تھی اپنے لشکر کو چھپانے کے لئے اسی میں سے کچھ کوٹھیوں کی یادگار اگر دیکھی ہو تو سورت جب ہم جاتے ہیں تو سورت تاپی ندی کے کنارے پر آج تک ان کوٹھیوں کی یادگار موجود ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے دھیرے دھیرے اپنے قدم یہاں جمائے اور پھر انہوں نے دیکھا کہ ہندوستان کے دیسی نواب لوگ، راجہ آپس میں لڑنے جھگڑنے کے اندر لگے ہوئے تو کہتے ہیں نہ کہ گھر کے اندر کوئی ایک آدمی غدار نکلے تو پورے گھر کو برباد کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے تو نواب لوگ آپس کی لڑائی میں تھے، اس کا فائدہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اٹھایا، راجہ مہاراجاؤں کو اس نے آپس میں لڑا لڑا کر کے کمزور کر دیا۔ انگریز نے سب سے پہلے بنگال کے نواب سراج الدولہ سے پلاسی کے میدان میں ۱۷۵۷ء میں جنگ کی، لیکن میر صادق اور میر قاسم جیس گداروکی گداری کی وجہ سے سراج الدولہ جنگ ہار گئے۔

اس کے بعد میسور کے شیر ٹیپو سلطان شہید سے سرنگا پٹم کے میدان میں ۱۷۹۹ء میں بڑی زور کی لڑائی ہوئی ٹیپو نے سب سے پہلے اس لڑائی میں میزائل کا استعمال کیا۔

یہاں سے بھی کچھ گدّاروں کی بے وفائی کی وجہ سے ٹیپو کو شکشت کا سامنا کرنا پڑا الغرض اس جنگ میں سلطان ٹیپو شہید ہو گئے تین روز تک لاش کے قریب جانے کی کسی انگریز کی ہمت نہ ہوئی، جرنل ہورسان کا چیف کمانڈر تھا یونین جیک لے کر ٹیپو کے سینے پر چڑھکر یونین جیک کو لہرایا اور کہا آج سے ہندوستان ہمارا ہے، میں اپنے نوجوان دوستوں سے کہنا چاہوں گا کہ ٹیپو سلطان اپنے زمانہ کے قطب اور ولی تھے بالغ ہونے کے بعد سے کبھی نماز قضا نہیں ہوئی تھی بڑے تہجد گذار تھے اتحاس اور تاریخ میں ان کا وہ جملہ آج تک موجود ہے کہ "گیدڑ کی طرح سو سال کی زندگی کے مقابلہ میں شیر کی طرح ایک گھڑی کی زندگی زیادہ اچھی ہے" اب بنگال اور میسور کے بعد انگریز نے ۱۸۰۳ء میں دہلی کا رخ کیا وہاں دہلی میں شاہ عالم سے زبردستی صلح نامہ اس طرح لکھوایا کی خلق خدا کی

ملک بادشاہ کا اور آڈر کمپنی بہادر کا یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی کا دھلی کی اس حالت کو جب شاہ عبد العزیز محدث دھلویؒ نے دیکھا تو بے تاب ہو گئے اور سب سے پہلے ۱۸۰۶ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر کیا جو فتاویٰ عزیزیہ کے صفحہ ۱۷ پر آج بھی موجود ہے فرمایا اے ھندوستان والو تم کس غفلت کی نیند میں سو رہے ہو ہندوستان انگریزوں کا ہو چکا ہے اب اس کو آزاد کرانا ہم سب کا قومی فریضہ ہے ہماری ماتر بھومی کے ساتھ پریم کا تقاضہ ہے آزادی کی لڑائی کے لئے فتویٰ دینے والوں میں سرفہرست اگر کسی شخصیت کا نام دے سکتے ہیں تو یہی شاہ عبدالعزیز دھلویؒ ہیں پھر شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے رشتہ دار شاہ سید احمد شہیدؒ کو نواب ہولکر سے ملکر لڑنے کا حکم دیا لیکن جب ہلکر نے انگریز نے صلح کی تیاری کی تو سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید نے ۱۸۱۸ء میں باقاعدہ ایک مکمل فوج تیار کی جب ۱۸۲۴ء میں شاہ عبدالعزیز صاحب کا انتقال ہو گیا تو آپ کی کمان شاہ محمد اسحاق صاحب دھلویؒ نے سنبھالی۔ حتیٰ کہ لڑتے لڑتے اسی تحریک آزادی میں پنجاب بالا کوٹ کے میدان میں اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ حضرت شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید نے ۱۸۳۱ء میں جام شہادت نوش فرمایا اسکے بعد صادق پور پٹنہ کے علماء کرام نے مولانا ولایت علی کے ہمراہ ۸۰ ہزار کے لشکر کے ساتھ انگریزوں کا مقابلہ کیا لیکن اسکے باوجود پورے ملک میں انگریزوں کا قبضہ ہو گیا اسی درمیان انگریز کی طرف سے ایک کمپنی سامنے آئی انہوں نے چار خطرناک کام کئے انگریز نے پہلا کام یہ کیا کہ انکی فوج کے اندر جو ملیٹری کے واسطے روٹی پکتی تھی اس روٹی کے اندر انہوں نے سؤر اور گائی کی ہڈی کا پاؤڈر ملانا ملاوٹ شروع کیا دوسرا کام انگریزوں نے یہ کیا کہ جو گھی آتا تھا اس گھی کے اندر انہوں نے سؤر کی حرام چربی کو ڈالا اور تیسرا کام یہ کیا کہ کنوؤں کے اندر گائے اور سؤر کا گوشت ڈالا اور کنوؤں کا پانی ناپاک کر کے فوجوں کو اور ملیٹری کو کہا کہ تم لوگوں کو اسی کنویں کے اندر سے پانی پینا ہے اور چوتھا کام یہ کیا کہ جو کارتوس انہوں نے بنائی تھی اسکے اوپر انہوں نے گائی اور سؤر کی چربی لگائی اور مکمل سری یہ قرار دیا کہ کوئی بھی فوج کوئی بھی

سپاہی اپنی کارتوس کو کھولے تو اپنے منھ سے کھولے تا کہ ہندوؤں کی لاگنی اس طریقہ سے دو بھائی گئی کہ وہ گائی کی چربی والی کارتوس کو کھولے اور مسلمانوں کی لاگنی اس طریقہ سے دو بھائی گئی کہ وہ سُور کی چربی والی کارتوسوں کو کھولے یہ چار قسم کے کام اس وقت انگریزوں نے کیئے جس کی وجہ سے ہمارے ہندوستانیوں کے اندر غضب اور غصہ کی لہر دوڑ گئی، اور بہت زیادہ غصہ پھیل گیا اور جس کے نتیجہ کے اندر ۱۸۵۷ء کے اندر جنگ ہوئی جس کو ہم ویلو کہتے ہیں انگریز اس کو غدر کہتے ہیں بغاوت کہتے ہیں لیکن حقیقت یہ تھی کہ ہمارے ہندوستان واسیوں کی طرف سے بہت بڑی سسٹر جنگ تھی جو انگریزوں کے خلاف ٹھائی گئی تھی، ۱۸۵۷ء کے اپریل کے مہینے کے اندر منگل پانڈے کو پھانسی دی گئی، جنکے نام کے اوپر اب فلم بھی بن چکی ہے، انکی ہسٹری کے اوپر اگر چہ جو میں نے اسٹوری پڑھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح اتحاس اس کے اندر رجوع نہیں کیا گیا ہے اسکے اندر بھی اتحاس رجوع کرنے میں گر بڑی کی گئی ہے، ۱۰ مئی کو ۱۸۵۷ء میں یہ ویلو شروع ہوا اور افسوس کہ ویلو کرنے والے ہمارے سپاہیوں کے پاس کوئی اچھا ستا پتی نہیں تھا جو ان کو اچھے طریقہ سے سنبھال سکے اس لئے اس زمانہ کے اندر تقریباً ۲۰ ربیس ستمبر ۱۸۵۷ء میں یہ ویلو ہمارا ناکام ہوا، اور لال قلعہ کے اوپر سے ہمارا ترنگا اتار کر باقائدہ وہاں یونین جیک یعنی انگلینڈ کا جھنڈا لہرا دیا گیا، یہ تاریخ تھی ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کہ بہادر شاہ ظفر کو پکڑا گیا اور پکڑ کر کے ان کو قید کر دیا گیا اور انکے جو شہزادے ملے ان شہزادوں کو یعنی پرنس کو یعنی بادشاہ کے بیٹوں کو پکڑ کے قتل کیا گیا اور قتل کر کے صرف ان کے سر جو خون کے اندر بھرے ہوئے تھے ایک کھنچہ (طباق) کے اندر رکھے گئے اور رکھ کر کے ان کے اوپر ایک بہترین کپڑا ڈال دیا گیا اور صبح صبح ناشتہ کے اندر جب ناشتہ کا کھنچہ بہادر شاہ ظفر کے پاس انگریز لے کر پہنچے تو ناشتہ کا کھنچہ بعد میں گیا پہلے وہ کھنچہ گیا جس میں بہادر شاہ ظفر کے بیٹوں کی کھوپڑیاں رکھی ہوئی تھی خون سے بھری ہوئی اور ان کے اوپر بہترین کپڑا ڈالا ہوا تھا بہادر شاہ ظفر یہ سمجھے کے اندر ناشتہ رکھا ہوگا اور جب کپڑا اٹھایا تو دیکھا کی اپنے تین

نوجوان لڑکوں کے خون سے بھرے ہوئے سر رکھے ہوئے ہیں تو بہادر شاہ ظفر کی آنکھ میں آنسو نہیں آئے بلکہ انہوں نے یوں کہا کہ یہ تیموری شہزادوں کی شان ہے یہ مغل بیٹوں کی شان ہے کہ وہ اپنے بڑوں کے ساتھ لال کھوپڑی کے ساتھ آئے ہیں غلام بن کر کے وہ نہیں آئے ہیں وہ ملک کے لئے جان دے سکتے ہیں لیکن انگریزوں کے غلام نہیں بن سکتے بہت اچھا ہوا کہ یہ شہید ہو گئے لیکن غلام نہیں بنے خوشی کے ساتھ بہادر شاہ ظفر نے نعرہ دگایا بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے پھر رنگون کی جیل میں لے گئے اور اسی زمانہ کا ان کا وہ شعر مشہور ہے کہ:

کتنا بد نصیب ہے ظفر دفن کے لئے
دو گز زمین نہ مل سکی کوئے یار میں

بہادر شاہ ظفر کو وہاں رنگون کی جیل میں لے گئے اور زندگی کے آخری دن بہادر شاہ ظفر نے وہی گزارے وہی پر انتقال ہوا اور بہادر شاہ ظفر کو رنگون کی جیل میں دفن کیا گیا اور آج تک رنگون کی جیل میں انکی قبر موجود ہے جس وقت ۱۹۳۰ کے بعد ایک مرتبہ ہمارے ہندوستان کی آزادی کے بعد لیڈروں کو جس میں فسٹ پرائیم منسٹر آف انڈیا مسٹر پنڈت جواہر لال نہرو بھی تھے انکو بھی رنگون کی جیل میں انگریزوں نے بند کیا تھا جواہر لال نہرو جی نے رنگون کی جیل میں دیکھا کہ ہندوستان کے آخری مغل بادشاہ ان کی قبر تو یہاں رنگون میں ہے تو پنڈت جی نے اسی وقت دل کے اندر نیت کی تھی اور بہادر شاہ ظفر کی قبر کے اوپر کھڑے ہو کر کہا تھا اے بادشاہ سلامت جس دن دیش آزاد ہوگا تو میں سب سے پہلا کام یہ کرونگا کہ تمہاری قبر کو رنگون کی جیل سے نکال کر میں دلی کے لال قلعہ کے اندر لا کر دفن کرونگا یہ انہوں نے وہاں پر تکیالی تھی جب ۱۹۴۷ء کے اندر دیش آزاد ہوا پنڈت جی دیش کے سب سے پہلے پردھان بنے تو انہوں نے پارلامنٹ میں کہا کہ میں نے جیل میں بیٹھے بیٹھے یہ پرتکیالی تھی کہ ہندوستان کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی لاش کو میں رنگون کی جیل سے نکال کر لال قلعہ میں دفن کرنا

چاہتا ہوں، پارلامنٹ نے ایک آواز سے پنڈت جی کی آواز پر لبیک کہی پھر جب یہ مسئلہ آیا تو مولانا آزاد اس وقت کیبینیٹ کے شکشا منتری (وزیر تعلیمات) تھے اور مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سہارویؒ وہ ممبر آف پارلامنٹ تھے انہوں نے کہا کہ پنڈت جی آپ پارلامنٹ سے یہ قانون تو پاس کروار ہے ہو کہ بہادر شاہ ظفر کی لاش کو لانا ہے لیکن آپ ذرا مذہبی اعتبار سے فتوی بھی معلوم کر لیجئے کہ اسلام کے اندر یہ جائز ہے کہ نہیں ہے چنانچہ پنڈت جی نے خود اس زمانہ کے اندر دار العلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سے اسکے بارے میں فتوی طلب کیا جو کتابوں میں موجود ہے فتوے میں یوں لکھا گیا:

بہادر شاہ ظفر کی جہاں قبر ہے اسی جگہ انکی قبر کو رہنے دیا جائے اس طرح قبر کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا صحیح اور جائز نہیں ہے پنڈت جی نے اس فتوے کا احترام کیا اور اس فیصلے کو انہوں نے واپس لیا کہ وہی رنگون کے اندر بہادر شاہ ظفر کی لاش کو رہنے دیا جائے۔

۱۸۵۷ء کے اندر جب ویپلو نا کام ہوا ہے تو انگریزوں نے وہ ظلم کئے ہیں کہ میں اس کو آپکے سامنے بیان نہیں کر سکتا ایسے ایسے ظلم انگریزوں نے کئے ہیں چنانچہ سارے دلی کے اندر میرٹھ سے لے کر دلی تک تمام راستوں کے اوپر جتنے درخت تھے ہر درخت کے اوپر پھانسی کے فندے لٹکائے اور ۱۸۵۷ کے ویپلو کے جتنے بھی مجاہدین تھے ہر ایک کو پکڑ پکڑ کر لاتے تھے ہاتھی کے اوپر بیٹھا کر کے انکے گلے میں پھندا ڈالتے تھے اور ہاتھی کو دوڑاتے تھے بیچارا وہ سوروير (مجاہد) اوپر لٹک کر کے اپنی جان دے دیتا تھا، میں نہیں کہتا ایک انگریز رائٹر کے حوالے سے کہتا ہوں اس رائٹر کا نام ہے ایڈوٹ ٹینشن اس نے اپنی بوک (Book) کے اندر لکھا ہے کہ ہم انگریزوں نے دلی اور میرٹھ کے اندر جو مظالم کئے ہیں اس کی داستان میں نہیں بیان کر سکتا ۲۷ ہزار مسلمان عالموں کو مفتیوں کو ہمنے پھانسی کے اوپر لٹکایا ہے یہ ایڈوٹ ٹینشن خود لکھتا ہے اور آگے چل کر کے میں آپ کو بتلاؤں کہ میوارام گپتا ایک رائٹر ہے انہوں نے ۱۸۵۷ء کے ویپلو کا اتہاس لکھا ہے میوارام گپتا خود اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں میں اتہاس کا ایک ایک

ثبوت آپکو دیتا ہوں کہ پانچ لاکھ مسلمانوں کو دلی کے اندر پھانسی کی سزا دی گئی تھی پنڈت گپتا جی نے لکھا ہے کہ پانچ لاکھ مسلمانوں کو ۱۸۵۷ کے اندر دلی کے اندر پھانسی دی گئی تھی اور میں آپکو کیا کیا داستان سناؤں چنانچہ لاشوں کو لٹکا کر کے رکھا جاتا تھا اس کو نیچے بھی نہیں اتارا جاتا تھا ایک انگلش لیڈی لکھتی ہے کہ آپ لوگ لندن جاتے ہیں تو صرف جو ہے لندن برج (Bridge) مت دیکھئے وہاں پر انڈیا لائبریری بھی موجود ہے انڈیا لائبریری کے اندر انگریزوں نے جتنے ظلم کئے انکے سارے دستاویز موجود ہیں ان دستاویزوں کو جا کر پڑھئے ایک انگریز لیڈی نے لکھا ہے کہ اس میں دلی کے اندر شام کو اپنے شوہر کے ساتھ کبھی کبھی گھومنے کے لئے نکلتی تھی تو اپنے ہاتھ میں ریوالور لے کر نکلتی تھی اور ریولور اس لئے لے کر جاتی تھی تا کہ مسلمانوں عالموں پر میں رحم کروں انکے اوپر میں مہربانی کروں پھر وہ لیڈی یوں لکھتی ہے کہ بھوسی (مستقبل) کے اندر میرا اتہاس پڑھنے والوں کو سوال پیدا ہوگا کی ریوالور سے رحم کیسے ہوتا ہے ریوالور سے مہربانی کیسے ہوتی ہے اس لئے میں خود اس کا جواب لکھ دیتی ہوں کہ میں اس لئے ریوالور لے کر جاتی تھی کہ دلی کے لال قلعہ کے سامنے اور انڈیا گیٹ کے سامنے بے شمار مسلمانوں عالموں کو پکڑ کر کے باندھا ہوا ہوتا انکے پیٹ کے اندر چیتل ڈالا ہوا ہوتا انکے اوپر زخم ڈالے ہوئے ہوتے وہ بیچارے تڑپتے ہوئے ہوتے تھے اور دو دو چار چار دن سے تڑپتے ہوئے ہوتے تھے میں ریولور اس لئے لے کر جاتی تھی کہ تا کہ گولی مار کر انکو ختم کر ڈالوںتا کہ تڑپنے کی تکلیف سے انکو چھٹکارا مل جائے یہ لندن کی انڈیا لائبریری کے اندر یہ ریکارڈ موجود ہے آپ اس کو جا کر کے دیکھ سکتے ہیں بہت سے علمائے کرام کو پکڑ کر کے باندھا جاتا تھا اور انکو توپ کے ساتھ باندھا جاتا تھا اور توپ کے گولے کے ساتھ انکو اڑایا جاتا تھا بیچاروں کی ایک ایک بوٹی اڑ کر کے ختم ہو جاتی تھی ایسے پانچ لاکھ مسلمان عالموں کو ۱۸۵۷ء کے وپلو کے نتیجہ میں شہید کیا گیا قربان کیا گیا پورے ملک کے اندر سناٹا چھا گیا اور پورا ملک خاموش ہو گیا دس برس تک کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ انگریزوں

کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے آج جس دارالعلوم دیوبند کو بدنام کیا جاتا ہے کاش کے میں اس پوزیشن میں ہوتا کہ اس کی ہسٹری میں آپکے سامنے ذکر کرتا۔

۱۸۵۷ء کے اس وپلو کے ناکام ہونے کے بعد جب پورے دیش کے لوگ مایوس ہو چکے تھے کسی میں ہمت نہ تھی کہ انگریزوں کے سامنے نظر اٹھا کر کے دیکھے دس برس گزرنے کے بعد ۱۸۶۷ء کے اندر دیوبند کی سرزمین کے اوپر ہمارے سارے بزرگان دین حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ انہوں نے مل جل کر کے دیوبند کے مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور دیوبند کے مدرسہ کی بنیاد اس لئے ڈالی تھی کہ آج بھی دیوبند کے بندھارن اور ضابطہ کے اندر یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ اس مدرسہ کی بنیاد (استھاپنا) اس لئے ہورہی ہے کہ اس ملک کو انگریزوں کے ہاتھ سے چھڑایا جا سکے اور انگریزوں کے ظلم سے اس ملک کو آزاد کرایا جائے اس لئے ہم نے اس مدرسہ کی بنیاد رکھی ہے تو دارالعلوم دیوبند اس کا فاؤنڈیشن اس کی ستھاپنا انگریزوں کے ظلم سے اس ملک کو آزاد کرانے کے واسطے رکھی گئے بزرگان محترم میں کون کون سی داستان کو آپ کے سامنے ذکر کروں مجھے جتنا وقت دیا گیا تھا اس سے بہت آگے بڑھ گیا ہوں میں اور کیا آپ کو بیان کروں ۱۸۶۷ء میں دیوبند کا مدرسہ قائم ہوا اس کے بعد دارالعلوم دیوبند کے فسٹ سٹوڈنٹ جن کا نام مولانا محمود حسن تھا بعد میں چل کر ان کو شیخ الہند کا لقب ملا انہوں نے مالٹا کی کالی کوٹھری کے اندر جیل کی سزا بھگتی انگریزوں کے خلاف انہوں نے تحریک چلائی تھی اس تحریک کے نتیجہ کے اندر ان کو جیل کی سزا ملی اور ۱۹۲۰ کے اندر حضرت شیخ الہند کو مالٹا کی جیل میں (یہ یورپ میں انگلینڈ کے قریب ایک ٹاپو (جزیرہ) ہے) تین برس ایک مہینہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بند رکھا گیا تھا بہت گورے آدمی تھے جب انتقال تو غسل دینے کے لئے ان کے کپڑے اتارے گئے تو غسل دینے والے رو پڑے کی حضرت اتنے گورے تو حضرت کی پیٹھ کالی اور لال تھی تو پوچھا کہ حضرت کی پیٹھ لال اور کالی کیوں ہے پوچھو کسی کو تو ان کے جیل

کے ساتھی حضرت مولانا سید حسن احمد مدنیؒ کو بلایا اور پوچھا کہ حضرت کی پیٹھ کالی اور لال کیوں ہے تو حضرت مدنیؒ کی آنکھ سے آنسو آ گئے اور کہنے لگے کے ایک راز تھا ایک بھید تھا ایک سیکریٹ تھا آج مجھے کھولنا پڑ رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ مالٹا کی تین سال کی جیل میں انگریز روزانہ صبح ۳ بجے حضرت شیخ الہند کو جیل سے نکالتے تھے اور برف کے اوپر سلاتے تھے اور برف پر الٹا سلا کر حضرت کی پیٹھ کے اوپر لوہے کو گرم کر کے اتنا مارتے تھے اتنا مارتے تھے جس کی وجہ سے حضرت کی پیٹھ کالی اور لال پڑ گئی تھی اور اسی حال کے اندر انکا پورا بدن نحیف اور کمزور پڑ گیا تھا جب انتقال کا وقت قریب آیا تو لوگوں نے پوچھا کہ حضرت آپ دیوبند یونیورسٹی کے فسٹ اسٹوڈنٹ ہے ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ کوئی جگہ بتلاؤ جہاں ہم آپکی عالیشان قبر بنائیں حضرت نے فرمایا کہ تم میری عالیشان قبر بنانے کی بات کرتے ہو اور میری قبر پر گمبد بنانے کی بات کرتے ہو مجھے پوچھو میں کیا چاہتا ہوں حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کی میں انگریزوں کے سامنے اسی کمزوری کی حالت میں میدان میں اتروں اور انگریز کے سامنے لڑتے لڑتے میں میدان کے اندر شہید ہو جاؤں یہاں تک کہ انگریز میری لاش کے اوپر اپنا غصہ نکالے اور میری لاش کو اپنی تلوار کے ذریعہ چورے چورا اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور میری لاش کو کتے آ کر کھا جائے اور مجھے دفن کرنے کی ضرورت نہ پڑے مجھے کفن پہنانے کی ضرورت نہ پڑے اور کل قیامت کے میدان کے اندر جب سب لوگ اپنی قبر سے نکل کر آئیں گے تو میرا بدن کتوں کے بدن سے نکل کر آئیگا اور میں کہوں گا میدان قیامت میں اللہ سے کہ ہندوستان کی آزادی کے واسطے میں نے اتنی بڑی قربانی پیش کی تھی یہ ہمارے اکابرین اور بزرگان دین کے جذبات تھے، میں سینکڑوں واقعات اس وقت چھوڑ رہا ہوں اور ساری کی ساری چیزوں کو حذف کر رہا ہوں اس وقت پھر سے میں ایک بار یاد کرتا ہوں سید شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کو مولانا مدنیؒ کون تھے سورٹ کٹ میں انکا تعارف کراتا ہوں آزاد بھارت کے اندر جو اس زمانہ کا سب

سے بڑا ہمارے دیش کا ایوارڈ تھا پدم شری جیسے آج بھارت رتن ہے اس وقت سب سے بڑا ہمارے بھارت دیش کا ایوارڈ تھا پدم شری تو اس وقت ہمارے ہندوستان کی پارلامنٹ نے ٹھراؤ پاس (متفقہ فیصلہ) کیا کہ دیش کا سب سے بڑا ایوارڈ پدم شری اگر کسی انسان کو دیا جائے تو سب سے پہلا آورڈ مولانا حسین مدنی ؒ کو دیا جائے سب نے ایک زبان ہوکر یہ ٹھراؤ پاس کیا تھا مولانا مدنی ؒ کو جب پدم شری ایوارڈ دینے کے لئے بلایا گیا تو فرمایا کہ ہم نے دیش کی آزادی کے لئے جو لڑائی لڑی تھی وہ ایوارڈ لینے کے لئے نہیں لڑی تھی ہمیں ایوارڈ کی ضرورت نہیں ہے ہم نے تو دیش پریم کے لئے لڑائی لڑی تھی یہ کہہ کر حضرت نے اس ایوارڈ کو قبول نہیں فرمایا تھا اور اس ایوارڈ کو بھی حضرت نے رد فرمایا یہ تھے ہمارے وہ اکابرین جنھوں نے اللہ کے واسطے دیش پریم کو واسطے اپنی قربانیاں دی جب ہم بارڈولی میں بیٹھے ہیں تو میں ذرا ۱۹۲۸ء کی جو چڑوڑ ہمارے یہاں سردار ولبھ بھائی پٹیل نے چلائی تھی اس کا بھی تھوڑا کچھ ذکر کر دوں ۱۹۲۸ء کے اندر جب سردار ولبہ بھائی پٹیل نے ہمارے بارڈولی سے ایک تحریک چلائی تھی کھیڈوتوں (کاشتکاروں) کو ساتھ لے کر کے تو سردار ولبہ بھائی پٹیل کی اس چڑوڑ کے اندر ابھی کوئی نہیں تھا لوگ انکے ساتھ ملتے تھے الگ ہوتے تھے اس وقت میں بڑی خوشی سے آپکو یہ بات کہہ سکتا ہوں اور بہت ہی عزت اور بہت ہی پروف کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں میرا تعلق یونیورسٹی سے ہے اس مدرسہ کے ساتھ ہے اور اس مدرسہ کے پرنسپل (مہتمم) آج ہماری اس مجلس کے اندر موجود ہے کہ جب سردار ولبھ بھائی پٹیل نے اس وقت یہ چڑوڑ چلائی تو ولبہ بھائی پٹیل نے ایک فتوی پوچھا ہمارے بارڈولی کے کھیڈوتوں نے ایک فتوی پوچھا ڈابھیل مدرسہ سے کہ ہم نے جو یہ چڑوڑ انگریزوں کے ویرودھ (مخالفت) میں تو اس وقت ہمارے ڈابھیل مدرسہ کے مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی ؒ نے باقاعدہ ایک فتوی لکھا اور ولبہ بھائی پٹیل کی چڑوڑ کو سپوٹ کیا جب وہ فتوی ڈابھیل کے دارالافتاء سے آیا تو اسکے بعد ولبہ بھائی پٹیل کی چڑوڑ کے اندر

طاقت آئی اور لوگ اس چہ وڑ کے اندر زیادہ سے زیادہ شامل ہونے لگے ڈانڈی یاترا کے اندر بھی گاندھی جی کو سپوٹ کرنے والا ہمارا مدرسہ تھا میں آج اس عزت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ گجرات کی زمین کے اوپر دھارمک سنستھاؤں (مذہبی اداروں) نے اگر کسی نے آزادی کی چہ وڑ کو سپوٹ کیا ہے تو اسکے اندر ہمارا نام اکیلا ملتا ہے کوئی اسکے اندر ہمارا شریک نہیں ہے۔ بہر حال اس ملک کی آزادی کے خاطر ہم نے بے شمار قربانیاں دی ہے اور افسوس اس بات کا ہے کی ۱۹۳۹ کے اندر سب سے پہلے پارٹیشن (تقسیم) اور بھاگلے کی بات آئی اس وقت میں آپکو درد دل سے کہتا ہوں کہ بھاگلے ہم نے مانگے نہیں تھے پاکستان ہم نے مانگا نہیں تھا پاکستان کے بھاگلے کو ہم نے سپوٹ نہیں کیا تھا اور نہ پاکستان کی ہم نے مانگ کی تھی بہت صاف صاف کہتا ہوں افسوس کہ میں آپکو ایک ایک ثبوت پیش کرتا کہ آج جن کو ہم آزادی کے بڑے بڑے لڑ دیتے لوگ کہتے ہیں آپ کو کہوں گا تو آپ شرم کے مارے سر جھکا لیں گے کہ وہی بھاگلے کروانے کے سب سے بڑے حامی تھے اور انہی لوگوں نے بھاگلے کروائے تھے ہم مسلمان لوگوں نے پاکستان نہیں مانگا تھا اور نہ اسکے چاہنے والے تھے ہمارے بدن کے اندر تو وہ خون دوڑ رہا تھا کہ ہم تو بھاگلے کے ویرودھی (مخالف) لوگوں میں سے تھے کہ پاکستان بننا ہی نہیں چاہئے اور بھارت کے ٹکڑے ہی نہ ہونے چاہئے اور ایک اکھنڈ (مستحکم) بھارت رہنا چاہئے اور ہم تو وہی چاہتے تھے اور اللہ کرے وہ دن آجائے جب دو جرمنی ایک ہو سکتے ہیں تو تین ہندوستان کے ٹکڑے ایک ہو سکتے ہیں یہ کوئی امپوسبل نہیں ہے اور اکھنڈ بھارت دوبارہ بن سکتا ہے۔ بہر حال اس ملک کی آزادی کی قربانیاں کے اندر ہمارا بہت حصہ ہے آج کے اس مبارک موقعہ پر ہم تمام مجاہدین آزادی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اللہ ان سب کی قبروں کو نور سے منور فرمائے انکے درجات بلند فرمائے اور انکو جنت الفردوس میں اعلی مقام نصیب فرمائے ۱۹۴۷ میں آزادی کے بعد جب گاندھی جی نے آل انڈیا ریڈیو کے اوپر جو سب سے پہلے تقریر فرمائی اگر آل انڈیا ریڈیو

وہ پروف آپکو دیوے تو وہ الفاظ اس میں موجود ہے کہ لوگ مجھے کہہ رہے ہیں کہ مسلمان سے کہو کہ پاکستان چلے جائیں گاندھی جی نے کہا کہ میں مسلمانوں سے کیسے کہوں کہ پاکستان چلے جاوے یہ گاندھی جی کے لفظ میں آپکو بتلا رہا ہوں کہ لوگ مجھے دباؤ کر رہے ہیں کہ آپ مسلمانوں سے کہو کہ پاکستان چلے جائیں گاندھی جی نے آل انڈیا ریڈیو پر تقریر کرتے ہوئے پورے دیش کو کہا تھا کہ میں کیسے مسلمانوں کو کہوں کہ پاکستان چلے جاؤ اس لئے کہ پورا دیش سویا ہوا تھا اور سب سے پہلے مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے سب کو جگایا آزادی کی لڑائی کے واسطے مولانا حسین احمد مدنیؒ نے قربانی دی مولانا حفظ الرحمٰن سہارنپوری نے قربانی دی میں کس زبان سے انکو کہوں کہ تم یہ دیش چھوڑ کر چلے جاؤ جس دیش کی آزادی کے لئے انہوں نے دس دس سالوں کی پندرہ پندرہ سالوکی بیس بیس سالوں کی جیل کی سزائیں بھگتی ہے میں انکو ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ تم یہ دیش چھوڑ کر کے چلے جاؤ میرے بزرگوں یہ سب آزادی کی تاریخ ہے ضرورت ہے کی ہم اس کو پڑھے آج ہم اسٹڈی (مطالعہ) ہی نہیں کرتے ہم سب کچھ پڑھتے ہیں اپنا اتہاس نہیں پڑھتے جو قوم اپنے اتہاس کو بھول جاتی ہے اس کو صفحۂ ہستی سے مٹانا آسان ہو جاتا ہے اور جو قوم اپنے اتہاس کو پڑھتی ہے دنیا کی کوئی طاقت اس کو دنیا سے ختم نہیں کر سکتی ضرورت ہے کہ ہماری نسل ہماری پیڑھی ہمارے اتہاس کو جاننے میں اپنے ہائی اسکول پریوار (اسٹاف) کے تمام ذمہ داروں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے آج یہ پروگرام رکھا جسمیں مجھے یہ موقعہ ملا کہ آزادی کے اندر ہمارے بزرگوں کی قربانی پیش کرسکوں کیونکہ ہماری پیڑھی (نسل) تو یہ سمجھتی ہے کہ فلاں فلاں یعنی گاندھی جی نے ولبھ بھائی پٹیل نے دیش کو آزاد کروایا تھا سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مسٹر موہن داس کرم چند گاندھی کو مہاتما بنانے والے ہم لوگ ہیں آئے کوئی میرے پاس اتہاس کے ثبوت لے کر کے کہ جب گاندھی جی آفریقہ سے آئے تو انکو مہاتما کا لقب تو مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی نے دیا تھا یہ مہاتما کا لقب دینے والے مولانا عبد

الباری ہے، ہم نے ان کو مہاتما بنایا ہے اور گاندھی جی کو کوئی جانتا نہ تھا سب سے پہلے جمعیت علمائے ہند نے اپنے فنڈ کے ذریعہ گاندھی جی کو پورے دیش کا سفر کروایا اور لوگوں کو کہا کہ یہ بھی ایک لیڈر ہے اور انکی لیڈری بھی تسلیم کرو ہم ہی انکو آگے لانے والے تھے آج جو گاندھی کیپ کہلاتی ہے یہ دوپلّی ٹوپی جو کھادی کی ملتی ہے جو گاندھی کیپ کہلاتی ہے آپنے کبھی دیکھا کہ گاندھی جی نے زندگی میں ٹوپی پہنی ہو؟ کبھی آپ نے دیکھا کوئی فوٹو (تصویر) آپکے پاس ایک بھی ہے کہ جسکے اندر گاندھی جی کے سر کے اوپر ٹوپی ہو پھر یہ گاندھی کیپ کیسے بن گئی اس کا اتہاس بھی میں آپکو بتلادوں یہ حکیم اجمل خان مرحوم کی ٹوپی ہے اور حکیم اجمل خاں کے ساتھ ایک مرتبہ ایک آزادی کے جلسہ میں حکیم اجمل خاں نے ایک منٹ کے لئے اپنی ٹوپی گاندھی جی کے سر پر رکھی اس دن سے ٹوپی کا نام گاندھی ٹوپی ہو گیا ورنہ یہ حقیقت میں حکیم اجمل خاں کی ٹوپی ہے خیر ایسی ایسی تو اتہاس کی بہت ساری داستانیں ہیں کاش کہ کوئی موقعہ ہوتا میں سارا اتہاس تفصیل سے سناتا اللہ تعالی ہم سب کو ہمارے بزرگوں کے ساتھ صحیح رابطہ فرمائیں اس ملک سے ہمیں محبت ہے دیش سے ہمیں محبت رکھنی چاہئے اور دیش پریم جو ہے جیسا کہ بزرگوں نے ہمیں سکھایا کہ حب الوطن نصف الایمان دیش پریم ایمان کا آدھا حصہ ہے جو پکا مسلمان ہوگا کبھی دیش سے غدّاری نہیں کرسکتا جو مسلمان دیش کے ساتھ غدّاری کرتا ہے اس کا ایمان ہی نہیں ہوتا اور اس کی اسلام کے اندر بھی گدّاری ہے پکا مسلمان کبھی دیش کا غدّار ہو ہی نہیں سکتا ہے۔

دیش کیسے ترقی کرے اس کی ہمیں فکر کرنی چاہئے ۱۹۴۷ء میں ہم نے دیش کو آزاد تو کروایا لیکن آج ۲۰۰۵ء کے اندر دیش دوبارہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی غلامی میں جارہا ہے بہت افسوس سے یہ بات کہہ رہا ہوں اس لئے ہمیں دوبارہ دیش کی آزادی کے لئے لڑائی لڑنی پڑے شاید ایسے حالت آرہے ہیں اللہ تعالی ہمارے تمام بزرگوں کی قبروں کو نور سے منور فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

تصانیف

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری
استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

الخیر الکثیر شرح الفوز الکبیر

یہ الفوز الکبیر کی مقبول ترین اردو شرح ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تمام نگارشات ایجاز واختصار کا اعلیٰ نمونہ ہیں، الفوز الکبیر میں بھی یہی انداز تحریر ہے اس لئے شرح کے بغیر کما حقہ اس کا سمجھنا نہایت دشوار ہے، اس شرح نے کتاب کو نہایت آسان کردیا ہے۔

آداب اذان واقامت

یہ اذان اور تکبیر کے مسائل وفضائل پر نہایت جامع، مدلل ومفصل اور تحقیقی کتاب ہے، ہر مسئلہ کا مفصل حوالہ موجود ہے، اور خوبی کی بات یہ ہے کہ موقع بہ موقع احادیث نبویہ ذکر کی گئی ہیں جس سے کتاب کا لطف دوبالا ہوگیا ہے۔

اصلاح معاشرہ

اس کتاب میں دوسو سے زائد احادیث شریفہ اور آیات کریمہ کی روشنی میں معاشرتی بگاڑ کے اسباب اور انکی اصلاح کے طریقے عام فہم زبان میں بیان کئے گئے ہیں، اگر مسلمان تعلیمات نبوی کے اس حصہ کو پیش نظر رکھیں؛ تو ان شاء اللہ ایک ایسا صالح معاشرہ وجود میں آئے گا جو صحابہ کرامؓ کے معاشرہ کا نمونہ ہوگا۔

ملنے کا پتہ

الامین کتابستان دیوبند

منتخب ابواب (دو جلدیں)

''مشکاۃ المصابیح'' حدیث شریف کی نہایت معتبر اور مشہور و معروف کتاب ہے، اور تمام مدارس عربیہ میں داخل درس ہے، حدیث کی اسی کتاب کے آٹھ ابواب کی حدیثوں کو حضرت جی ثالث: حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کے ایماء پر مرتب فرمایا ہے، جو ''اَلْاَبْوَابُ الْمُنْتَخَبَةُ'' کے نام سے شائع اور عربی داں تبلیغی حضرات کے نزدیک نہایت پسندیدہ کتاب ہے۔

اسی ''اَلْاَبْوَابُ الْمُنْتَخَبَةُ'' کا اردو ترجمہ حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری رحمہ اللہ کے بڑے صاجبزادے حضرت مولانا محمد یونس صاحب پالن پوری زید مجدہم نے کیا ہے، اور حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری استاذ حدیث وفقہ و مرتب فتاوی دارالعلوم دیوبند نے اس ترجمہ کو خوب غور سے از اول تا آخر دیکھا ہے، اور اس کی مکمل تصحیح کی ہے، ہر حدیث پر عنوان کا اور جہاں ضرورت محسوس کی فوائد کا اضافہ فرمایا ہے ـــــ اس کتاب میں دو ہزار تین سو بیس (۲۳۲۰) احادیث مبارکہ کا سلیس اردو ترجمہ اور بین القوسین مختصر وضاحت ہے، یہ کتاب لڑکیوں کے بعض مدارس میں داخل نصاب ہے، اور مسجدِ نبوی کی لائبریری میں اردو داں حضرات کے مطالعہ کے لیے شامل کی گئی ہے، عوام وخواص خصوصاً تبلیغی حضرات کے لیے نہایت مفید کتاب ہے، بحمد اللہ اس کتاب کو بھی ''الامین کتابستان دیو بند'' نے بہترین کتابت وطباعت کے ساتھ عمدہ کاغذ پر شائع کیا ہے۔

سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کی سیرت کے موضوع پر نہایت مفصل، عام فہم اردو زبان میں بہترین کتاب ہے، "الامین کتابستان دیوبند" نے اس کو بہترین کتابت وطباعت اور عمدہ کاغذ پر شائع کیا ہے، اگر آپ سرکار دو عالم ﷺ کی مکمل سیرت سے آگاہی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں۔

اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

یہ شیخ طریقت حضرت ڈاکٹر محمد عبد الحئی صاحب رحمہ اللہ (جو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ خاص ہیں) کی سیرتِ طیبہ کے موضوع پر مختصر مگر جامع عام فہم اردو زبان میں بڑی مفید کتاب ہے، حضرت والا نے عام لوگوں کو اطاعتِ رسول اور اتباعِ سنت کا صحیح مفہوم سمجھانے کے لئے شمائل وخصائل نبوی کی مستند کتابوں سے ہر شعبۂ زندگی کے متعلق ہدایات کو واضح اور نمایاں کر کے جمع فرمایا ہے جو سیرت کی کتابوں کا اصل مقصد ہے، عوام وخواص سب کے لیے نہایت مفید ہے، اس کو بھی "الامین کتابستان دیوبند" نے بہترین کتابت وطباعت اور عمدہ کاغذ پر شائع کیا ہے، اگر آپ اسوۂ رسول اکرم ﷺ کی کامل اتباع کرنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں۔

فتاوی رحیمیہ کامل

فخرِ گجرات حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کا فتاوی رحیمیہ نہایت مقبول ومعتبر فتاوی کا مجموعہ ہے، جو حضرت مفتی صاحب کی نگرانی میں قسط وار دس جلدوں میں شائع ہوا تھا، اس لیے ایک ہی باب کے مسائل مختلف جلدوں میں بکھرے ہوئے تھے، اور مطلوبہ مسئلہ تلاش کرنے میں کافی دشواری پیش آتی تھی، اسی دشواری کے پیشِ نظر پاکستان کے بعض ناشرین نے ترتیب جدید سے مزین فرماکر شائع کیا، مگر پاکستانی اشاعت میں کتابت کی تصحیح کا کماحقہ اہتمام نہیں کیا گیا، نیز اہلِ علم کے نزدیک وہ ترتیب پسندیدہ نہیں ہے۔

اب حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے نئی ترتیب اور قیمتی حواشی سے مزین فرمایا ہے، اور حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری استاذ حدیث وفقہ ومرتب فتاوی دارالعلوم دیوبند نے اس کی تصحیح کا فریضہ انجام دیا ہے، موصوف نے صرف رسمی تصحیح پر اکتفا نہیں کی، بلکہ جہاں شبہ ہوا اصل مراجع سے ملاکر عربی عبارتوں کی تصحیح کی ہے، اور قدیم ایڈیشن کی اغلاط کو درست کیا ہے، فتاوی رحیمیہ کا یہ مجموعہ پانچ ضخیم جلدوں میں "**مکتبۃ الاحسان دیوبند**" سے شائع ہوکر منظر عام پر آچکا ہے، کتابت وطباعت کا معیار کافی بلند ہے، نیز عمدہ کاغذ اور دیدہ زیب جلد سے مزین ہے۔ اگر آپ ہر مسئلہ کا مدلل اور مختلف فیہ مسائل کے مفصل اور تشفی بخش جوابات دیکھنا چاہتے ہیں تو فتاوی رحیمیہ کامل کا ضرور مطالعہ کریں۔

اصلاحی خطبات کے نئے ایڈیشن کی خصوصیات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے اصلاحی بیانات کا مجموعہ ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے کئی ناشرین نے شائع کیا ہے، موصوف کے یہ اصلاحی بیانات نہایت مفید اور معتبر ہیں، حضرت نے جو باتیں بیان فرمائی ہیں، وہ قرآن وحدیث کے نادر تشریحات ہیں اور عام فہم ہیں، ''اصلاحی خطبات'' کا یہ مجموعہ نہایت معقول اور عوام خواص سب کے لیے یکساں مفید ہے، لیکن اکثر احادیث اور عربی عبارتوں پر اعراب نہ ہونے کی وجہ سے بعض قارئین کو دشواری پیش آتی تھی، ان کا اصرار تھا کہ ان بیانات میں جتنی عربی عبارتیں ہیں، ان پر اعراق لگا کر شائع کیا جائے تو ان کا فائدہ مزید بڑھ جائے گا۔

ہم نے حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند سے عربی عبارتوں پر اعراب لگانے کی درخواست کی، موصوف نے ہماری درخواست کو شرف قبولیت سے نوازا۔

(۱) تمام بیانات کو بغور پڑھا، ان میں جو کتابت کی غلطیاں تھیں ان کی اصلاح فرمائی۔

(۲) تمام حدیثوں اور عربی عبارتوں پر اعراب لگائے، تاکہ عام قارئین کو کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

(۳) پھر ہم نے اس کی از سر نو کمپیوٹر کتابت کروائی، اور حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب نے اس کی تصحیح فرمائی۔

(۴) موصوف نے صرف رسمی تصحیح پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ جہاں شبہ ہوا اصل مراجع سے ملا کر عربی عبارتوں کی تصحیح کی ہے، اور ان کا حوالہ بھی درج کر دیا ہے۔

(۵) اچھے کاغذ، دیدہ زیب ٹائٹل، مضبوط اور پائدار جلد، شاندار کتابت وطباعت کے ساتھ ۹ ضخیم جلدوں میں شائع ہو کر منظر عام پر آ گیا ہے۔

ہر قسم کے قرآن کریم اور دینی و درسی کتابیں ملنے کا پتہ

website: www.alameenbooks.com *e-mail:* alameenkitabistan@gmail.com